ولی اللّٰہی سلسلۂ تصوّف کی معرکہ آراء کتاب

انفاسُ العارفین

مُصنّف

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱۴ھ ـــــ ۱۱۷۶ھ

مُترجِم

پیر سیّد محمّد فاروق القادری، ایم اے

فرید بُک سٹال لاہور

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

انفاس العارفین

ولی اللّٰہی سلسلۂ تصوّف کی معرکہ آرا کتاب

مُصنّف

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱۴ھ ——— ۱۱۷۶ھ

مُترجِم

پیر سیّد محمّد فاروق القادری، ایم۔اے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار، لاہور

Copyright ©
All Rights reserved
This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں
یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ISBN 969-563-024-3

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : مُحَرَّمْ 1428ھ / جنوری 2007ء
قیمت : -/150 روپے

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵۔۰۹۲۔۴۲
فیکس نمبر ۷۲۲۴۸۹۹۔۰۹۲۔۴۲
ای۔میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فہرس

انفاس العارفین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	تقدیم	15	12	میراثِ ولایت	47
2	ولی اللّٰہی مسلکِ تصوف	18	13	آثارِ سعادت	48
3	انفاس العارفین	19	14	شہبازِ قُدس	48
4	حضرت شاہ عبدالرحیم	21	15	تاثیر فیضانِ نبوت	49
5	شاہ ولی اللہ اور وحدت الوجود	23	16	سیرِ ولایت	50
6	شاہ ولی اللہ کا مسلک اور اُس کے ترجمان	26	17	نفی واثبات اور سرورِ کائنات ﷺ	51
7	شاہ ولی اللہ اور بارگاہِ محمدی ﷺ	33	18	حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ	52
8	شاہ ولی اللہ کی طرف بعض کتابوں کا غلط انتساب اور بعض کتابوں میں الحاقات	37	19	شوقِ علم وہدایت	52
9	کچھ ترجمے سے متعلق	42	20	مجالسِ قرآن میں حضور ﷺ کی تشریف آوری	53
10	حصہ اوّل: مولانا شیخ عبدالرحیم کے پسندیدہ روحانی تصرفات، نایاب واقعات اور روح پرور وارداتِ قلبی کے بیان میں		21	طالبانِ حق کے ادنیٰ مجاہدات	53
			22	عالمِ استغراق	55
			23	مقامِ مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ	56
			24	ولی کی وسعتِ نظر	58
			25	نامہ شیخ	59
			26	تصفیۂ قلب	60
			27	کلامِ ربانی کی تاثیر واعجاز	60
11	زندۂ جاوید	46 47			

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
30	مستقبل بینی	62
31	ہونہار بروا	63
32	کرامتِ مکتوب یا فیضانِ نظر	63
33	نگاہِ شیخ	65
34	گردن نہ جھکی جس کی شہنشاہ کے آگے	66
35	حسد سدِّ راہ ہے	67
36	بمزار خواہی آمد	68
37	تذکرہ حضرت خواجہ خورد فرزند خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	69
38	شیوۂ اہلِ نظر	69
39	دست بہ کار	71
40	نسبت واردات کا احترام	71
41	ثمرۂ اخلاص	72
42	ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی	72
43	ولایت کی عقابی نگاہ	73
44	فقر کی بے نیازی	74
45	بزرگوں کی خُوردی	74
46	طریقِ نقشبندیہ کی انفرادیت	75
47	کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو	77
48	طریقۂ نقشبندیہ میں عرس کا اہتمام	77
49	نسبتِ نبوی کا احترام	77
50	تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم	
	اکبر آبادی قدس سرہٗ	78
51	صوفیاء کا ذوقِ علمی	78
52	احوال خلیفہ	79
53	سوانح میر ابوالعلیٰ	80
54	سیرِ رُوحانی	81
55	مقصودِ سماع	82
56	تعلق باللہ کی حقیقت	82
57	کشف وکرامت	82
58	برکاتِ اسم ذات	82
59	وصولِ حق کے طریق	82
60	قوتِ توجہ	82
61	تاثیرِ وجد ورقص	83
62	تاثیرِ کلاہ	83
63	سود کی نحوست	83
64	جانوروں پر توجہ کا اثر	83
65	سلسلہ ابوالعلائیہ کی خصوصیات	84
66	حضرت خلیفہ کی پختگی ارادت اور توکل	85
67	ذخیرہ اندوزی سے تنگیِ رزق	85
68	قربِ سُلطانی سے استغناء	86
69	صوفیا کا تبحرِ علمی	86
70	خوابِ فقراء	87
71	حج درویشاں	88

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
72	طوفانوں پر تصرف	88
73	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	89
74	قحط میں خوشحالی	90
75	احترامِ مہمان	90
76	خانقاہی بے تکلفی	91
77	فقیر اور دنیوی سکون	91
78	صوفیاء اور وقت کی قدر	92
79	اندازِ تربیت	92
80	امانتِ فقر	92
81	سوانح شاہ عظمت اللہ	94
82	فقراء اور مجاذیب کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں	94
83	مسلم معاشرہ میں تقریبات عرس کا سلسلہ	94
84	آئینہ دل	95
85	منوا مجذوب	95
86	مجاہداتِ سلوک	96
87	طعامِ اغنیاء سے نفرت	96
88	حدیثِ دل	97
89	ولی را ولی می شناسد	98
90	آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند	99
91	مگس راہما کنند	100
92	بنس الفقیر علی باب الامیر	100
93	ہستی فریب ہے	101
94	اُستاذ اور شاگرد کے روابط	101
95	زوال پذیر اسلامی حکومت کے ارکان کی خدا ترسی	101
96	سوانح میرزا زاہد ہروی	102
97	نکاتِ تصوف اور میرزا زاہد کا منطقی استدلال	103
98	کشفِ ارواح اور اس قسم کے دوسرے احوال پر حضرت شاہ عبدالرحیم کے وقائع	105
99	مرتبۂ فنافی التوحید	105
100	مقامِ قیومیّت	105
101	تصرف بالحق فی الخلق	105
102	صوفیاء اور رویتِ باری	106
103	بے صورت اندر صورت آمد	106
104	اسمائے الٰہیہ کے ظہور کی کیفیت	107
105	تصرفات وعلومِ صوفیاء	107
106	مقاماتِ صوفیاء	107
107	شانِ عبدیت	108
108	جبتِ اولیاء	108
109	علومِ اولیاء	109
110	بدعتی کی مجلس میں جانے پر تنبیہ	109
111	جبہ غوث الاعظم رحمہ اللہ	110
112	نگاہِ ولی	110
113	نہ کر تقلید اے جبریل! میرے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	جذب و مستی کی	110
114	ذکر اسم ذات میں مقامِ کمال	110
115	فضیلتِ بیعت	111
116	شرفِ اقتداء	111
117	عطیہ سرکار دو جہاں ﷺ	111
118	مشکل میں حضور کی دستگیری	112
119	مجلس سرورِ انبیاء ﷺ	113
120	جمالِ محمدی	114
121	ولایت اور نبوت کے مراتب اور ان میں فرق	114
122	موئے مقدس کی برکات	116
123	سجدہ غیر اللہ کی ممانعت	118
124	قرابتِ رسول ﷺ کا مقام	118
125	حضور کا پسندیدہ درود	118
126	حضور کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہِ نبوی میں مقبولیت	118
127	نسبتِ فقر	119
128	اجازتِ سلسلہ	120
129	خواجہ اجمیری سے خلافت	120
130	سیرِ روحانی	120
131	مقاماتِ اولیاء	121
132	بشارتِ فرزند	122
133	مجالسِ ارواحِ اولیاء	123
134	تصرف اولیاء	123
135	مقامِ مجاذیب	124
136	دعوت مخدوم الہ دیا رحمہ اللہ تعالیٰ	124
137	ذکرِ الٰہی	125
138	حسنِ نیت	125
139	تاثیرِ ذکر	126
140	قصرِ نماز	127
141	علومِ اولیاء	127
142	تاثیرِ جذب و رقص	128
143	فیوضِ اولیاء	128
144	موکلِ وباء	128
145	موتِ اختیاری	129
146	انجامِ کفر	129
147	اولیاء اللہ کے ساتھ بحث و تکرار	129
148	از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است	130
149	واقفِ اسرار چڑیا اور موحد کوا	132
150	صالح جن	132
151	جن کی ہمدردی	133
152	ایک متعلم جن کا نظام الاوقات	133
153	شاہ عبدالرحیم کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان	134
154	طریقِ تربیت	134
155	مستقبل بینی	135
156	نگاہِ دُوررس	135

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
157	جو چاہے سو آپ کرے	136
158	ختم خواجگان	137
159	آدابِ مجلس اولیاء	137
160	فراستِ مؤمن	138
161	دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست	138
162	چراغِ فقر ہوا بھی جسے بجھا نہ سکی	139
163	توجہ و تاثیر	139
164	ایک منکر سے بزورِ نذر وصول کی	139
165	ولی اور عامل میں فرق	140
166	در دل گاؤ خر	141
167	تاثیرِ توجہ جانور پر اثر انداز مگر عابدِ معترض کے لیے بے سُود	141
168	رافضیت سے توبہ	142
169	نیست بر لوحِ دلم جُز الفِ قامتِ یار	143
170	یارانِ کرم منتظرِ دستِ دُعا ہے	144
171	قوتِ تاثیر کا کرشمہ	144
172	روشن ضمیری	145
173	صَید نہ چھوڑ از مانے میں	145
174	سفر و حضر میں شیخ کی نگاہِ اُلفت	146
175	ہر کہ بارِ دُرد کشاں دَر افتاد بر افتاد	146
176	از نہیب او بلرزد ماہ و مہر	147
177	جس نے دیکھے نین متوارے ترے	147
178	تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں	148
179	حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں	149
180	دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست	149
181	تصرفِ ولی	150
182	مبیں حقیر گدایانِ عشق الخ	150
183	دل را بہ دل رہِ	151
184	امدادِ اولیاء	152
185	کیا ہے جو اِن پہ عیاں نہیں؟	152
186	مالِ زکوٰۃ	153
187	چاہ کن را چاہ در پیش	153
188	تسخیرِ جنات	154
189	آتشیں آدمی اور برکتِ قرآن	154
190	ولی کے خلاف جھوٹی شہادت کا انجام	155
191	مشائخ کی رُوحانی امداد	155
192	جامِ جہاں نما است ضمیرِ مُنیرِ دوست	155
193	نازِ ولایت	156
194	حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ	156
195	قبل از پیدائش شاہ اہل اللہ کی بشارت	157
196	انسانی فعل و عمل کی اہمیت	157
197	مردِ مومن کی موت	158

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
198	جن کی نظر چڑھا تر ارخسارِ آتشیں	158
199	ز ملک تا ملکوتش حجاب بردارند	159
200	مقامِ صبر	160
201	مردانِ راہِ خدا کا جمالِ باطنی	160
202	تاثیرِ شرابِ وحدت	161
203	حضرت والد ماجد کے ملفوظات	162
204	صوفیاء اور رویتِ باری	162
205	حصولِ رزق میں نیت کے ثمرات	163
206	رازِ درونِ پردہ زرندانِ مست پُرس	164
207	تاجِ شاہی فقر کے قدموں پر	165
208	مقبولانِ بارگاہ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں	166
209	فاتحہ خلف الامام میں شاہ عبدالرحیم کا مسلک	167
210	دائمی حضوری	168
211	فیوضِ باطنی کے باوجود ظاہری توسّل سنتِ مشائخ ہے	169
212	مکتوب شیخ فقیر اللہ	170
213	نسبت آگاہی کے متعلق شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی تشریح	173
214	ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہ مصطفیٰ ﷺ	176
215	پختگیِ نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟	178
216	نقشبندی مشائخ کے ایک قول پر اعتراض اور شاہ عبدالرحیم کا جواب	178
217	مختلف سلاسل کی نسبتوں کے خصائص	179
218	ترقی مدارج کی حقیقت	180
219	سلطان العارفین کے قول کی تشریح	181
220	لہو ولعب سے اجتناب صفائی قلب کا ذریعہ ہے	182
221	والدین کے ساتھ نیکی واحسان کا عجیب نکتہ	182
222	کیفیت و حالت کی حفاظت کا طریقہ	183
223	خود ساختہ مشائخ کی عیاریاں	183
224	تمباکو نوشی اور بارگاہِ نبوی ﷺ	183
225	تمباکو نوشی پر عالمِ مثال میں تنبیہ	184
226	شاہ عبدالرحیم کا علمی مقام	185
227	علم مصالح اور شرائع	186
228	قال را بگذار مرد حال شو	187
229	حقیقتِ کیمیاء	188
230	زندگی گزارنے کا گُر	188
231	عدل وانصاف	188
232	باید کہ ہر جاروی طالب مردے شوی	189

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
233	شیخ اکبر اور شاہ عبدالرحیم رحمہما اللہ	189
234	''وَھُوَ مَعکم'' کی عالمانہ تشریح	190
235	تجدد امثال	190
236	صفاتِ باری	191
237	حسن ذاتی اور قبح نسبتی	191
238	مسئلہ حقیقت	191
239	شاہ عبدالرحیم کا ہندی دوہا	191
240	لطائف ستہ اور ان کے مقامات	192
241	شاہ عبدالرحیم یا ابوالفیض ؟	192
242	مباش در پے آزار الخ	192
243	شاہ عبدالرحیم کے جواہر پارے	193
244	سراپائے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ	195
245	معمولاتِ شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ	196
246	صُحبتِ یار آخر شد	197
247	حصہ دوم: شیخ ابوالرضا محمد	199
248	حضرت شیخ کے ابتدائی حالات	200
249	علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وسیلۂ بیعت ہیں	202
250	برکاتِ قربِ نبوی	203
251	آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات اور مخفی اُمور پر مطلع ہونے کا بیان	204
252	معمولات شیخ ابوالرضا	204
253	میں حقیر گدایان عشق	205
254	جسے اللہ رکھے	206
255	بادشاہ حقیقی کا انصاف	206
256	عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد	207
257	مدار شریعت ظاہر پر ہے	207
258	دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست	208
259	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	208
260	اتباعِ سنت میں آپ کا مقام	209
261	برکاتِ نسبت	209
262	بارگاہ اولیاء میں حاضری کے آداب	210
263	شاعر گلشن دہلوی کا واقعہ	211
264	تصرف شیخ	211
265	وسعتِ علومِ اولیاء	212
266	''ھو یطعمنی''	212
267	غرور علم سے سرشار عالم بارگاہِ فقیر میں	213
268	کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک	213
269	خطرات قلب پر اطلاع	214
270	علم ظاہر اور علم باطن کا فرق	214
271	حضرت شیخ ابوالرضا کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات	215
272	رؤیتِ نبوی ﷺ	215

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
273	نکتہ شیخ اکبر	215
274	بعض دعاؤں کے عجیب اثرات	216
275	لوح محفوظ است پیش اولیاء	216
276	منازلِ ایمان	216
277	مقامات بایزید اور سید الطائفہ	217
278	مقام فنافی اللہ	217
279	خواب اولیاء	218
280	اتباع سنت ہی ذریعۂ نجات ہے	218
281	علوم صوفیاء	218
282	اعتقادِ توحید	219
283	ولایتِ حقیقیہ	219
284	بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق	219
285	العلم حجاب الاکبر	219
286	شیخ یاقوت عرشی کی وجہ تسمیہ	220
287	مشاہدۂ حق	220
288	بشری خصوصیات کی وجوہات	221
289	الصوفی ھواللہ	221
290	بصارت اور بصیرت	222
291	علمائے ظاہر کا نزاع لفظی	222
292	اولیاء اور دیدارِ باری	222
293	حقیقتِ بیعت	223
294	تجلی ذات کی دولت	223
295	تعصب راہِ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے	223
296	لفظوں کے پجاری علماء	224
297	مسئلہ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا	224
298	اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں	224
299	ذوقِ مشاہدہ	225
300	خدا کا دشمن کون ہے؟	225
301	ریاضاتِ صوفیاء	226
302	عین القضاۃ ہمدانی کے قول کی تشریح	226
303	لامحدودیتِ واجب الوجود	227
304	شیخ اکبر کے ایک قول کی تشریح	227
305	عظمتِ قرآن	228
306	مقاماتِ سلوک	228
307	تشریح شعر عطار رحمہ اللہ	229
308	ایک لطیف نکتہ	230
309	مقام ابن منصور	230
310	نظارۂ جمالِ حقیقی	231
311	ظلمتِ عدم سے وجود خارجی تک	231
312	احدیت وواحدیت	232
313	اصلیتِ شطحیات	233
314	تجلی برقی	233
315	لذتِ عشق	234
316	کشفِ ذات	234
317	علومِ عارف	234

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
318	اقسامِ حدیثِ قدسی	235
319	استعانۃ باصحاب القبور	235
320	حقیقتِ دنیا	235
321	حقیقتِ کذب	235
322	مشابہت یہود سے ممانعت	235
323	پردہ ہائے امکان ووجوب	236
324	تعریف مشاہدہ	236
325	حصولِ شہود	236
326	العلم اوسع من الحال	237
327	ہمہ اوست	238
328	صفتِ علم	238
329	ایک قول کی تاویل	239
330	مقامِ عارف	239
331	سماعِ سرود	239
332	ولایتِ عامہ وخاصہ	240
333	حقیقتِ محمدیہ	240
334	فناءِ نفس	241
335	توجہ شیخ	241
336	حقیقتِ کشف وخواب	241
337	تعبیرِ رؤیا	242
338	علمِ توحید وصول وشہود	243
339	بسیارخوری اخلاقِ ذمیمہ پیدا کرتی ہے	243
340	حقیقت خوارق عادات	244
341	مقصودِ عارف	244
342	تسخیر جنات	244
343	خواصِ فاتحہ	245
344	تفسیر ''فوق کل ذی علمٍ علیمO''	245
345	اقوال شیخ جنید رحمہ اللہ کی تشریح	245
346	تحقیق لطائف ستہ	246
347	علی المرتضیٰ وزیر رسالت مآب ہیں	246
348	مقامِ علی کرم اللہ وجہہٗ	246
349	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	247
350	العارف لاہمۃ لہٗ	247
351	مقامِ عارف کامل	247
352	حقیقتِ فنا وبقا	248
353	مجذوب واصل کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے	249
354	تحقیق مسلک محب اللہ الہ آبادی	250
355	حق اور عالم	252
356	مبدأ مکاشفہ محبت ذاتیہ ہے	252
357	ظہور حق در مظاہر	253
358	علامتِ کمال	253
359	ایک تسامح اور اُس کا ازالہ	254
360	حقیقت تعوذ	254
361	قصۂ خالد بن سنان کی تشریح	254

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
362	منتہائے عابد	255
363	القید کفر	256
364	قول پیر ہرات	257
365	وصلِ حقیقی	257
366	تشریح توحید کوچۂ تنگ است	257
367	تاویل ''حقیقۃ الواجب لایدرکہ احد''	257
368	تشریح ''اِنَّ لِلّٰہِ سبعین الف حجاب''	258
369	معنی قول خواجہ نقشبند	259
370	توجیہ ''خضت بحراً'' الخ	259
371	توحیدِ افعال	260
372	حدیث ''ما تقرّب اِلَیَّ عبدٌ''	260
373	راہِ سلوک میں حُزن واندوہ	261
374	تشریح والعصر الخ	261
375	تشریح ''توحید راہ کی درمیانی منزل'' ہے	262
376	شیخ اکبر کے قول کی تشریح	263
377	حضرت شیخ ابوالرضا کے چند مسودات اور مکتوبات	265
378	مکتوب شیخ عبدالاحد	265
379	مکتوب شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ تعالیٰ	265
380	مکتوب شیخ عبدالاحد	267
381	نکتہ	272
382	جوابِ شیخ ابوالرضا	277
383	مکتوب شیخ عبدالاحد	285
384	محاکمۂ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ	298
385	نامۂ شیخ عبدالاحد	301
386	نامۂ شیخ ابوالرضا	302
387	نامۂ شیخ ابوالرضا	303
388	حکایتِ محبت ومحنت	304
389	مکتوب شیخ ابوالرضا	309
390	مکتوب دیگر	311
391	بنائے طریقۂ رضائیہ	315
392	تفسیر فاتحہ	316
393	فرائض ولایت کبریٰ	319
394	تربیت سالک	319
395	شیخ ابوالرضا کا سفرِ آخرت	322
396	حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات	325
397	امام ناصر الدین کی روحانی امداد	328
398	حالاتِ شیخ معظم	329
399	شیخ معظم کی اولاد	331
400	مختصر ذکر شیخ وجیہ الدین	331
401	معرکہ دہامونی	332
402	فیلِ مست سے مقابلہ	335
403	شیخ رفیع الدین محمد کے خاندان کے حالات	340

www.maktabah.org

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
404	شیخ طاہر رحمہ اللہ	340
405	شیخ حسن رحمہ اللہ تعالیٰ	341
406	شیخ محمد خیالی	342
407	شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ	343
408	شیخ قطب العالم	345
409	شیخ رفیع الدین محمد	346
410	مقام خواجہ محمد باقی باللہ	347
411	حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ کے مختصر حالاتِ زندگی اور کرامات کا بیان	351
412	شیخ ابوالکرم	353
413	حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ	354
414	تاثیرِ صدقہ	356
415	حیاتِ شہید	357
416	حیاتِ اولیاء	357
417	حضرت شیخ محمد کے تصرفات اور بعض کرامات	358
418	صورتِ شیخ کا کرشمہ	358
419	سلبِ مرض	359
420	تصرفِ شیخ	360
421	تکثیرِ طعام	360
422	من عاد لی ولیًا فآذنتہٗ بالحرب	360
423	امدادِ اولیاء	361
424	قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید	362
425	ختم خواجگان	362
426	تاثیرِ نظر	362
427	کشفِ قبور	363
428	کشفِ غیوب	364
429	مثال وحدۃ الوجود	364
430	نگاہِ ولی	364
431	حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخِ حرمین کے مختصر حالات	366
432	شیخ احمد شناوی رحمہ اللہ تعالیٰ	366
433	شیخ احمد قشاشی رحمہ اللہ	368
434	سید عبدالرحمٰن ادریسی المجوب	371
435	شمس الدین محمد بن العلاء بابلی	374
436	شیخ عیسیٰ جعفری مغربی	375
437	محمد بن محمد بن سلیمان مغربی	376
438	شیخ ابراہیم کردی رحمہ اللہ تعالیٰ	377
439	شیخ حسن عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ	379
440	شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ	383
441	شیخ عبداللہ بن سالم البصری	385
442	شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی رحمہ اللہ	386
443	شیخ تاج الدین قلعی حنفی	390
444	حضرت شاہ ولی اللہ کے خود نوشت حالاتِ زندگی	393

www.maktabah.org

www.maktabah.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

سالہا در کعبہ و بُت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اگر بارہویں صدی ہجری کے شب و روز اور مہ و سال کو ایک شخصیت فرض کر لیا جائے تو وہ بلاشبہ بطلِ جلیل، جامع علوم ظاہر و باطن، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات رفیع الدرجات ہے۔ یوں تو برصغیر کی سرزمین نے بے شمار قابل فخر سپوت جنم دیئے ہیں، لیکن ان میں سے چند ایک نے تو پورے عالم اسلام پر اپنے گہرے اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کی ذاتِ والا صفات انہی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے کہ جن کی باکمال شخصیت جہاں آج طالبانِ حق اور سالکانِ معرفت کے لیے روشنی کا ایک سدا فروزاں مینار ہے، وہاں ان کے فکر کی ضیا اور عمل کا فیض مستقبل کے لیے بھی قندیلِ راہ ہے۔ آپ کا نام نامی قطب الدین احمد ہے، لیکن ولی اللہ کے نام سے زیادہ معروف ہوئے۔ آپ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء میں ضلع مظفر نگر کے قصبے پُھلت میں پیدا ہوئے[1]

[1] چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جامع شخصیت اور دینی خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اسی کتاب کے آخر میں ان کے خودنوشت حالات تفصیل سے آ بھی رہے ہیں، اس لیے ہم آپ کی زندگی، تصنیفات، اس وقت کے سیاسی حالات اور آپ کے علمی کارناموں پر تفصیلی تبصرہ ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم صرف اپنے موضوع یعنی انفاس العارفین کے مندرجات، شاہ صاحب بطور ایک صوفی اور مرشدِ راہ اور خاندان ولی اللّٰہی کے معمولات اور معتقدات کے بعض ضروری گوشوں کی نشاندہی کریں گے۔

www.maktabah.org

آپ کا خاندان علمی اور روحانی اعتبار سے ایک معروف حیثیت کا حامل تھا۔ اگر آپ کے سلسلۃ الذہب میں علم وفضل کی روایت جاری رہی تو سلوک ومعرفت بھی اس خاندان کو ورثے میں ملی۔ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ہمارے خاندان کا ہر رخصت ہونے والا بزرگ نئے آنے والے کی پہلے بشارت دیتا رہا ہے۔ (انفاس العارفین مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مطبوعہ مجتبائی:۴)

سات برس کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ختم کیا' دس سال کی عمر میں شرح ملّا جامی تک کتابیں پڑھ لیں اور کتابوں کے مطالعے کی استعداد پیدا ہوگئی۔ چودہ برس کی عمر میں آپ کی شادی کر دی گئی۔ بقول شاہ ولی اللہ ان کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم نے ان کی شادی میں عجلت اس لیے کی تھی کہ انہیں بذریعہ کشف آئندہ رونما ہونے والے حادثات اور خاندانی اموات کے واقع ہونے کا علم ہو گیا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں آپ نے اپنے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کی اور مشائخ صوفیا بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال واوراد میں مصروف ہو گئے اور توجہ وتلقین' آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیا حاصل کر کے انہوں نے اپنی نسبت کی تکمیل کی۔ اسی سال آپ نے تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کی' چنانچہ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ نے اس موقع پر ایک دعوت کا اہتمام کیا' جس میں وسیع پیمانے پر عوام وخواص کو مدعو کیا اور مسندِ درس وتدریس شاہ ولی اللہ کے حوالے کی۔

آپ ابھی سترہ برس ہی کے تھے کہ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار پڑ گئے۔ اسی مرض کے دوران شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیعت و ارشاد کی اجازت اور باقاعدہ خلافت عطا فرمائی اور فرمایا: ''یَدہٗ کَیَدِیْ'' (ولی اللہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے)۔ آپ کے والد بزرگوار کا انتقال اسی بیماری میں ۱۱۳۱ھ میں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی عمر مبارک کے تقریباً تیس (۳۰) قیمتی سال اپنے والد کے مدرسے رحیمیہ میں درس وتدریس میں گزارے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے' جہاں آپ نے اس وقت کے نامور محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ شیخ ابوطاہر مدنی شافعی سے خرقۂ جامعہ حاصل کیا' جو تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع تھا۔ آپ کا تمام تر تصنیفی کام حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ہی انجام پایا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں تمام علوم کے لیے مستقل مدرس مقرر کر دیئے اور خود تصنیف وتالیف اور سالکانِ طریقت کی

تربیت ایسے اہم کاموں میں مصروف ہو گئے' جو تادمِ واپسیں جاری رہے۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی: ۲۸۷' مطبوعہ نفیس اکیڈمی' کراچی)

آپ نے زوال پذیر مغلیہ حکومت کے دس بادشاہوں کا عہد حکومت اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ سیاسی انتشار' فکری پراگندگی' محلاتی سازشیں' دین و مذہب سے بیزاری' الغرض وُہ کون سی ایسی خامی اور نقص تھا' جس میں پوری قوم اس وقت مبتلا نہ تھی' مرکزیت کے فقدان اور رات دن بادشاہوں کے قتل اور خوں ریزی کے سارے واقعات آپ کے سامنے ہوئے۔ علماء کی عدم فرض شناسی' فقراء کے بھیس میں نام نہاد متصوفین کی تلبیس کے ذریعے تصوّف اور صوفیاء کے خلاف نفرت یہ سب کچھ اپنے عروج پر تھا۔ بعض شخصیتوں کو اُبھارنے کے لیے ہمارے مؤرخین خواہ مخواہ ایک تباہ حال پس منظر بناتے ہیں' لیکن یہاں یہ صورتِ حال نہیں تھی بلکہ واقعتاً حالات اس سے بھی کہیں بدتر تھے' جیسا کہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ نبّاضِ ملّت کی حیثیت سے معاشرے کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر اصلاحِ احوال کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے فروعات میں اُلجھنے والے علماء' عیش کوشیوں میں غرق امراء اور غافل عوام کو نئے سرے سے قرآن و حدیث کی دعوت دی۔ تقلید و عدم تقلید کی بحثوں کی وضاحت فرمائی۔ فقہ و عقائد میں تشدد و تصلّب کے برعکس اسلام کی وسعت و ہمہ گیری کو اذہان میں اُجاگر کیا اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی مؤثر تصانیف کے ذریعے اسلامی فکر کی وضاحت کی۔ آپ نے تفسیر' حدیث' فقہ و کلام' عقائد' تصوّف' سیر و سوانح اِن تمام موضوعات پر ایک منفرد انداز سے لکھا جسے بجا طور پر ایک حکیمانہ طرزِ استدلال کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بعض شہرۂ آفاق کتابیں پوری دنیائے اسلام میں بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور مدارسِ دینیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔ تصنیفات کے بیش بہا ذخیرے کے علاوہ آپ نے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد چھوڑی' جس نے برصغیر کے کونے کونے کو علمِ حدیث سے روشن کیا اور چپّے چپّے میں آپ کے فکر کو پھیلایا۔ آپ کے چاروں صاحبزادگان عالم باعمل' متقی اور اپنے والد گرامی کے نقشِ قدم پر ساری عمر علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے' چاروں صاحبزادگان کو آپ نے وصال سے پہلے مشائخ صوفیاء کے طریقے کے مطابق دستارِ خلافت بندھوائی۔ آپ کے

بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز آپ کے جانشین اور آپ کی جامع زندگی کے مثالی پیکر تھے۔

تحریک آزادی کے معروف مجاہد اور برصغیر کے نامور عالم معقولات علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

اس کتاب (ازالۃ الخفاء) کا مصنف (شاہ ولی اللہ) ایسا بحرِ ذخّار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمہ اللہ نے آپ کے متعلق یہ ریمارکس دیئے:

شاہ ولی اللہ ایک ایسا شجرِ طوبیٰ ہیں، جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی ٹھکانا ایسا نہیں جہاں اس درخت کی شاخیں سایہ فگن نہ ہوں۔ اس کے باوجود اکثر لوگ بے خبر ہیں کہ اس درخت کی جڑ کہاں ہے۔ (نزہۃ الخواطر مصنفہ حکیم محمد عبدالحئی ج ۱ ص ۴۰۶، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ اور ابن رُشد کے بعد بلکہ خود اُنہی کے زمانے میں جو عقلی تنزّل شروع ہوا تھا، اُس کے لحاظ سے یہ اُمید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رُشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (علم الکلام مصنفہ شبلی نعمانی ج ۱ ص ۸۷، مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس، کراچی)

تقریباً نصف صدی تک علوم و معارف، فیوض و برکات عام کرتے رہنے کے بعد ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کو یہ مردِ خدا آگاہ رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوا۔ آپ کی تاریخِ وفات بعض اہل علم نے یوں نکالی ہے:

او بود امام اعظم ویں ۱۱۷۶ھ (رودِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۵۱، مطبوعہ فیروز سنز، لاہور) اور ہائے دل روزگار رفت۔

ولی اللّٰہی مسلکِ تصوّف

تصوّف، اس کی تعلیمات اور معمولات کے بارے میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان

www.maktabah.org

کے ساتھ جو نا انصافی ہوئی ہے، وہ برصغیر کی مذہبی تاریخ کا ایک عظیم المیہ ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ شاہ ولی اللہ ایسے معتدل اور طریقِ اسلاف پر گامزن صوفی بزرگ کو محض نام نہاد متصوفین پر تنقید کی بناء پر بہ تکلف ایک مخصوص اندازِ فکر کا ترجمان بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کی حکمت اور فکر پر ہزاروں صفحات لکھے گئے ہیں، کئی اکیڈیمیاں معرضِ وجود میں آ گئی ہیں، لیکن بہ طور ایک صوفی و مرشد طریقت کے شاہ صاحب کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ تحفۃ الموحدین ایسی فرضی اور جعلی کتابوں اور حجۃ اللہ البالغہ یا تفہیمات کے مصنف شاہ ولی اللہ کو تو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن (۱) انفاس العارفین (۲) فیوض الحرمین (۳) الدر الثمین (۴) القول الجمیل (۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اور (۶) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم کے مؤلف شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہمیں آج تک کچھ نہیں بتایا گیا۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟ اس کی بہ ظاہر دو بڑی وجوہ ہیں: پہلی یہ کہ جو حضرات اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں، وہ توحید و رسالت اور تصوف کے متعلق اپنے مخصوص ذہنی سانچے رکھتے ہیں، جن پر وہ ہر شخصیت کو پرکھنے اور منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ ایسے خود ساختہ پیمانوں سے شاہ ولی اللہ کے آفاقی فلسفہ و فکر کے تمام پہلو ہرگز اُجاگر نہیں ہو سکتے۔ اس کی دوسری وجہ ہمارے وہ سہل انگار محققین ہیں، جو محض سُنی سنائی باتوں پر سوچے سمجھے بغیر قلم کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں۔ میں اس مختصر تعارف میں شاہ صاحب کے مسلک تصوف، ان کے شرک و بدعت کے تصور اور اس جلیل القدر خاندان کے بعض معمولات کا ذکر کروں گا اور اربابِ علم و فضل کو دعوت دوں گا کہ وہ شاہ صاحب کے تصوف کو انفاس العارفین، فیوض الحرمین اور القول الجمیل کی روشنی میں دیکھیں۔

انفاس العارفین

انفاس العارفین سات مختلف رسائل کا مجموعہ ہے، جس میں پہلے دو رسالے ''بوارق الولایۃ'' اور ''شوارق المعرفۃ'' شاہ صاحب کے والد گرامی قدر شاہ عبدالرحیم اور عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد کے حالات، ملفوظات، کشف و کرامات اور معمومات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح الامداد فی مآثر الاجداد اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات، عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ شیخ محمد پھلتی کے حالاتِ زندگی اور النبذۃ الابریزیہ جد اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بارے میں لکھے ہیں، آخری دو رسائل مشائخ حرمین کے تذکرے اور شاہ صاحب کے اپنے حالات

سے متعلق ہیں۔

بظاہر تو اس کتاب کی حیثیت ایک تذکرے کی ہے' لیکن درحقیقت یہ کتاب علمِ شریعت ومعرفت کا خزینہ اور حکمت و دانش کا ایسا گنجینہ ہے کہ جس میں تاریخ' فقہ' تصوف' کلام اور عقائد کے سینکڑوں مسائل باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کو بجا طور پر خاندان ولی اللّٰہی کے فکرِ تصوّف کا صحیح ترجمان کہا جا سکتا ہے اور یہ کتاب بقول مولانا عبید اللہ سندھی' شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور تصوف کی رُوح ہے۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مصنفہ مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۱۵' مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی' لاہور) عجیب اتفاق ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندانی حالات پر تمام لکھنے والوں کے لیے پہلا اور آخری مأخذ یہی کتاب ہے' لیکن اس سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ایک دو سطروں سے زیادہ میں کوئی اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ آخر اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انفاس العارفین کے مضامین سے ذہنی موافقت نہیں پاتے۔

اور تو اور شاہ صاحب کی سوانح عمری ''حیاتِ ولی'' جو کہ ساری کی ساری انفاس العارفین سے ماخوذ ہے اور انتہائی ناکافی اور غیر مکمّل ہونے کے باوجود نسبتاً بہتر ہے' میں انفاس العارفین کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے:

اس کتاب کے چند حصے ہیں' پہلے حصے میں جناب شاہ صاحب نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم صاحب کے علمی حالات' باطنی تصرّفات و کرامات' ملفوظات و مکتوبات غرضیکہ ابتدائے زمانہ سے تاریخ وفات تک کے تمام واقعات بطریق رجال سرسری ذکر کیے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان خاندان کا ہر ممبر ظاہری علوم اور باطنی کمالات میں لاثانی اور بے نظیر تھا۔

(حیاتِ ولی' مصنفہ مولوی رحیم بخش دہلوی' ص ۴۱۸' مطبوعہ مکتبہ طیبہ' بلال گنج' لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت کا بھرپور مظاہرہ اس کتاب میں ہوا ہے۔ ہمارے پاس اس امر کا کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے کہ شاہ صاحب کی کون سی کتاب کس دور کی ہے' تاہم قرائن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے' آپ نے سفر حرمین سے پہلے بظاہر تصنیف و تالیف کا کوئی کام نہیں' بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا خیال بھی نہیں تھا۔ (تذکرہ شاہ

ولی اللہ محدث مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۲۶۵، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی، کراچی) آپ کی کل عمر اکسٹھ سال چار ماہ ہے، جس میں سے پہلے تینتیس چونتیس سال تو درس و تدریس اور سفرِ حرمین کی نذر ہو گئے، باقی ستائیس اٹھائیس سالوں میں سارا تصنیفی کام ہوا ہے۔ ۱۱۴۵ھ، ۱۱۴۶ھ تک کے واقعات انفاس العارفین میں مل جاتے ہیں۔ لمعات اور الطاف القدس وغیرہ کا ذکر بھی آتا ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات کے مطالعے اور ان کے اندازِ فکر میں تدریجی تبدیلی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاس العارفین آپ کی زندگی کے آخری دس سالوں کی تصنیف ہے۔

آپ نے انفاس العارفین کا آغاز اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم کے تذکرے سے کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ درست ہے کہ جو شہرت اور ناموری شاہ ولی اللہ کے حصے میں آئی وہ شاہ عبدالرحیم کو نصیب نہ ہو سکی، لیکن اس حقیقت سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی یہ ساری عظمت شاہ عبدالرحیم کی روحانی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ ہے۔ شاہ عبدالرحیم نہ صرف یہ کہ ایک صاحبِ حال بلند مرتبہ صوفی تھے، بلکہ جید عالم دین اور نامور محدث تھے۔ مصنف (حیاتِ ولی) کا بیان ہے:

ہندوستان میں جس معزز اور بزرگوار نے سب سے پیشتر حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی اور جس مشہور محدث نے اس غریب علم کے شائع کرنے اور پھیلانے میں کوشش بلیغ کی، وہ شیخ عبدالرحیم تھے۔ (حیاتِ ولی ص ۱۶۱)

صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے:

''قد وقع الاتفاق علی کمال فضلہ بین اھل العلم والمعرفۃ وانتھی الیہ الورع والتواضع والاشتغال بخاصۃ النفس''۔

(نزہۃ الخواطر، مصنفہ حکیم محمد عبدالحئی، ج ۶ ص ۱۴۵، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن)

مولانا عبیداللہ سندھی کا بیان ہے:

شاہ ولی اللہ کی فکری تربیت اور ان کی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کو اصل مانتے ہیں، شاہ عبدالرحیم نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی۔

چنانچہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لیے قابلِ توجہ بنایا' پھر آپ نے وحدت الوجود کے مسئلے کو صحیح طریقے پر حل کیا اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا۔ نیز شاہ عبدالرحیم ہی نے حکمتِ عملی کو اسلامی علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ کو اس کی خاص طور سے تلقین کی' الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جاننا' وحدت الوجود کا صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمتِ عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیم کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' مصنفہ مولانا عبیداللہ سندھی' ص ۱۹۲۔۱۹۳' مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی' لاہور)

انفاس العارفین میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی شمولیت اور اُس میں بعض غیر واضح مسائل کے بارے میں آپ کے اختلافی نوٹ اور اس پر ملّا حامد پر شاہی عتاب کا جو واقعہ منقول ہے' اس سے آپ کے تبحر علمی بالخصوص فقہی مسائل کے بارے میں آپ کی وسیع النظری کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ' ص ۲۴' مطبوعہ مجتبائی)

ان اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ انفاس العارفین میں آپ کے معتقدات' تصرفات اور کشف و کرامات وغیرہ کے بارے میں جو کچھ آیا ہے' وہ ایک نیم خواندہ خانقاہی صوفی کے خیالات نہیں' بلکہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور نامور محدث کے نظریات ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے متعدد بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ سیّد عظمت اللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ تھے' جبکہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی رحمہ اللہ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ یہ دونوں آپ کے مرشد ہیں۔ آپ نے حضرت خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد رحمہ اللہ سے بھی ایک مدت تک فیض حاصل کیا اور آپ ہی کے مشورے سے آپ سید آدم بنوری رحمہ اللہ کے ایک ممتاز خلیفہ سید عبداللہ اکبر آبادی رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے۔

شاہ عبدالرحیم سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق خاطر کے باوجود صوفیاء کے مشہور اجماعی مسئلے وحدت الوجود کے قائل' اس کے مُبلِّغ اور شیخ ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بے حد معتقد تھے۔

(انفاس العارفین ص ۸۲)

www.maktabah.org

شاید اسی لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

''مخفی نماند کہ حضرت ایشاں از شعبات طریقہ نقشبندیہ آں قدر شعبۂ حضرت خواجہ محمد باقی را پسند میکردند و میل مے نمودند کہ مثل ایں میل بدیگر شعب نبود ہمہ ارشاد و تربیت ایشاں بایں شعبہ بودہ است''۔

(انفاس العارفین ص ۱۹)

واضح رہے کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نظریہ وحدت الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ شاہ عبدالرحیم فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو منبر پر بیٹھ کر فصوص کے ایک ایک مسئلے کو قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ سے دلائل کے ساتھ بیان کرسکتا ہوں۔

(انفاس العارفین' مصنفہ شاہ ولی اللہ' ص ۸۲' مطبوعہ مجتبائی)

شاہ ولی اللہ اور وحدت الوجود

چونکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیم و تربیت اور روحانی سلسلے کی تکمیل اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم سے ہوئی ہے' اس لیے شاہ صاحب بنیادی طور پر وحدت الوجودی ہیں۔ اگرچہ شاہ صاحب نے ایک امام اور جامع شخصیت ہونے کی حیثیت سے مکتوب مدنی وغیرہ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے' تاہم ان کا اپنا خیال یہ ہے کہ وحدت الشہود کا تصور کوئی نیا نہیں' بلکہ یہ خود ابن عربی کے آفاقی تصور میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

''وقد وقع عندنا ان المکشوفین صحیحان جمیعاً لکن القول بان وحدۃ الشہود علی ہذا المعنیٰ لم یقل بہ الشیخ العربی سہو بل الشیخ واتباعہ بل الحکماء ایضاً یقولون بہا''۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۹)

حسن اتفاق سے قیام حرمین کے دوران جن مشائخ سے شاہ صاحب کی وابستگی رہی' وہ شافعی ہونے کے باوجود مسلک وحدت الوجود کے قائل تھے۔ شاہ صاحب کے استاذ شیخ ابوطاہر اپنے والد شیخ ابراہیم کردی کے مسلک پر تھے' جبکہ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم اور شیخ

ابراہیم کُردی میں کوئی ذہنی بُعد نہ تھا۔

اس لیے شاہ صاحب کے سوانح نگار اور محققین اس بات پر پہنچے ہیں کہ شاہ صاحب کے نزدیک وجود و شہود کا جھگڑا لفظی نزاع ہے' اصل وحدت الوجود ہی ہے۔ (شاہ ولی اللہ کی تعلیم' ص ۱۳۴' غلام حسین جلبانی صدر شعبۂ عربی سندھ یونیورسٹی' مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی' ہندوستان میں وحدت الوجود سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ' معارف' مارچ ۱۹۷۰ء' دار المصنفین' اعظم گڑھ' مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن) جس کے شاہ صاحب تمام اکابر صوفیاء کی طرح قائل ہیں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین رقمطراز ہیں کہ شاہ صاحب ابن عربی میں یہ دونوں تصورات موجود ہیں اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اس طرح تشریح فرما کر شاہ صاحب نے نہایت فنکارانہ ہوش مندی سے آریائی اور سامی اذہان کو نقطۂ اتصال پر جمع کیا ہے۔ سامی ذہن (ملل حنفی) ذاتِ باری کو منزّہ اور مجرد مانتا ہے اور مظاہرِ فطرت سے باہر سمجھتا ہے' جبکہ آریائی ذہن (صابی) اس کے وجود کو کسی مظہر میں دیکھنے کا قائل ہے اور مظاہرِ فطرت میں ذاتِ باری کو جلوہ افروز سمجھتا ہے۔ (شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ۱۳۷۔۱۳۸)

آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز (ف ۱۲۳۹ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل رہے۔ سرسہ حصار کے مولوی نور محمد نے وحدت الوجود کے قائلین پر جب کفر کا فتویٰ لگایا اور اس نزاع نے طول پکڑا تو اس میں شاہ عبدالعزیز کو حَکَم بنایا گیا۔ اس فیصلے میں شاہ عبدالعزیز کا مسلک کُھل کر سامنے آ گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے مکتوب مدنی میں اس مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے' چونکہ شاہ صاحب اصل وحدت الوجود کو سمجھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وجود اور شہود کے درمیان ان کی تطبیق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پیروؤں کو سخت ناگوار گزری تھی۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۴۱)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر میں مسئلہ وحدت الوجود کو ثابت کرنا چاہوں تو قرآن و حدیث کے تمام نصوص و ظواہر سے اس کا اثبات کر سکتا ہوں۔

(ترجمان القرآن ج ا ص ۳۵، مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد بزرگوار اور عظیم المرتبت چچا شیخ ابوالرضا جنہیں انہوں نے پیشوائے اہل ذوق و وجود و امام ارباب معرفت و شہود کے نام سے یاد کیا ہے' کے معمولات اور افکار کو اسلامی تصوّف کا مثالی نمونہ سمجھتے ہیں اور دل کی گہرائی سے چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی زندگیوں کو اُن کے طرز پر ڈھالیں۔

ہمارے صوفیاء کے ہاں ایک صحیح الفکر' خداترس اور صالح مسلمان کے لیے اعمال و اوراد تزکیۂ نفس کے اشغال اور عبادات پر مشتمل ایک ایسا نظام موجود ہے جو خیر القرون سے لے کر تسلسل کے ساتھ باقاعدہ مربوط انداز میں رائج رہا ہے' جب تک صوفیاء کا یہ نظام رائج رہا اور اس پر عمل ہوتا رہا تو شاہ عبدالرحیم' شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز جیسے بزرگانِ دین و عالمانِ شرعِ متین منظر پر آتے رہے مگر آج جب کہ اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا پہلو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے تو اس کے ساتھ ہی ملتِ اسلامیہ میں مشاہیر رجال کا ظہور بھی یک دم رُک گیا ہے۔

ہماری ملّی تاریخ میں کسی چیز پر امت کا مسلسل کاربند ہونا بجائے خود ایک شرعی دلیل اور حُجت ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اگر چودہری غلام احمد پرویز اس تعامل کا انکار کریں تو وہ مجرمِ گردن زدنی ٹھہریں' لیکن ہم میں سے بعض محققین توحید کے نام سے پوری ہزار سالہ تاریخ پر پانی پھیر دیں تو وہ اسلامی خدمت قرار پائے۔ شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین' القول الجمیل' الدرالثمین اور انفاس العارفین میں بزرگانِ دین کے واقعات' کرامات' اشغال و اوراد' تصرفات' چلّوں' روحانی امداد اور اس قبیل کی جو سینکڑوں حکایتیں' مثالیں اور اپنے معمولات ذکر کیے ہیں' وہ اسی تاریخی تسلسل کی ایک کڑی ہیں' پھر جگہ جگہ شاہ صاحب نے'' کاتب الحروف مے گوید'' کے الفاظ کے ساتھ انہیں اپنی طرف سے سندِ تحسین بھی دی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈاکٹر ظہور الدین احمد کا وہ جملہ نقل کر دوں' جو انہوں نے انفاس العارفین پڑھ کر لکھا ہے' فرماتے ہیں:

جو لوگ اولیاء اللہ کی رُوحانی قوتوں کے منکر ہیں' ان کے لیے اس تذکرے (انفاس العارفین) کے بیانات ایسے شواہد پیش کرتے ہیں' جن سے انکار شاہ ولی اللہ جیسے برگزیدہ عالم

اور مومن کی گواہی سے انکار کے مترادف ہے۔ (تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہندوستان ج ۵، فارسی ادب سوم باب اولیاء کے تذکرے، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

شاہ ولی اللہ کا مسلک اور اُس کے ترجمان

حیرت ہوتی ہے کہ آج بہت سارے ایسے اُمور کہ جو سلف صالحین کا معمول رہے ہیں، کا رشتہ ماضی سے توڑ کر توہم پرستی اور بدعت کے دائرے میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ایسے مستحب یا مستحسن امور کو فرائض و واجبات کا درجہ دیں یا انہیں دین کا ضروری حصہ قرار دے دیں، تاہم انہیں شرک و بدعت قرار دینے سے قبل یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ اس سے ہم اپنی تاریخ کے کتنے بڑے حصے کو جھٹلا رہے ہیں اور کیسے جلیل القدر ائمہ کی دین فہمی پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب انفاس العارفین کے اقتباسات سے پہلے آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے منصب تجدید کی تشریح میں لکھے ہوئے ایک مضمون پر نگاہ ڈال لیجئے، یہ اقتباس کسی معمولی پڑھے لکھے آدمی کی تحریر سے نہیں بلکہ نامور عالم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریر سے لیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولانا نے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے معمولات و نظریات کا مکمل مطالعہ کر کے لکھا ہے یا اپنے مخصوص نظریے کی بناء پر یہ سمجھ لیا ہے کہ ضرور شاہ ولی اللہ کے بھی یہی نظریات ہوں گے۔ میں نے مولانا مودودی کا یہ اقتباس اس لیے زیادہ موزوں سمجھا ہے کہ اس میں تقریباً وہ ساری باتیں آ گئی ہیں، جو وقتاً فوقتاً بعض اطراف سے مختلف عنوانات کے تحت سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس اقتباس کے بعد آپ انفاس العارفین کے بعض مندرجات دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ تصوف سے متعلق عام مخالفت کا جو رجحان چل نکلا ہے، اس کے بارے میں اگر ایک ذمہ دار شخص کا یہ حال ہے تو پھر کس کس کا رونا روئیں اور اس سے آپ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خود شاہ ولی اللہ کی حکمت و فکر اور اس حکمت و فکر کے نام نہاد علمبرداروں میں کہاں تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مولانا لکھتے ہیں:

جاہلیت خالصہ کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت ہے، جس میں انسان قدیم ترین زمانے

سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ گھٹیا درجے کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رُونما ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے' وہاں سے خداؤں کی دُوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء' اولیاء' صالحین' مجاذیب' اقطاب' ابدال' علماء' مشائخ اور ظل اللّٰہوں کی خُدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی رہی' جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا' جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ ہی کی خدائی ثابت کرنے میں صَرف ہوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پُوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ' زیارات' نیاز' نذر' عرس' صندل' چڑھاوے' نشان' علم' تعزیے اور اسی قسم کے دُوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے ان بزرگوں کی ولادت و وفات' ظہور و غیاب' کرامات و خوارق' اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی' جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسّل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں' ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے۔ (منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہ کا مقام' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' الفرقان بریلی' شاہ ولی اللہ نمبر ص ۴۷' ۱۳۵۹ھ مرتبہ محمد منظور نعمانی)

شاہ ولی اللہ کے منصب تجدید کی تشریح آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب ذرا شاہ ولی اللہ محدث کی خدمت میں چلئے' لیکن شاہ صاحب کی تحریر پڑھنے سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز کی یہ عینی شہادت ملحوظِ خاطر رہے کہ "والد ماجد (شاہ ولی اللہ) جو کچھ بھی لکھتے تھے اس کا طریقہ یہ تھا کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کے سامنے آتی' اسے لکھتے"۔

(تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۲۹۳' مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

حضرت خواجہ خورد (خواجہ محمد عبداللہ فرزند خواجہ محمد باقی و مرشد شاہ عبدالرحیم) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کیا کرتے تھے' جس میں کوئی آ کر کہتا کہ گوشت میں لا رہا ہوں' دوسرا کہتا: چاول میرے ذمے' تیسرا کہتا: فلاں قوال کا بندوبست میں کر رہا ہوں۔

(انفاس العارفین' حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۹' مطبوعہ مجتبائی' دہلی)

آگے فرماتے ہیں:

میرے والد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے شیخ نعمت اللہ المعروف شیخی عرس کیا کرتے تھے، جس میں چھ سات سال کی عمر میں مجھے کئی بار شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ (انفاس العارفین، حضرت شاہ ولی اللہ ص ۲۹، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

ایک دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ آن حضور ﷺ کی وفات کے دنوں میں خزانۂ غیب سے کچھ میسّر نہ آسکا کہ کچھ طعام پکا کر آنحضرت ﷺ کی رُوح پُرفتوح کی نیاز دلوائی جا سکے، لہٰذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنوں اور قندسیاہ پر اکتفاء کرتے ہوئے آپ کی نیاز دلوادی، اسی رات بچشمِ حقیقت دیکھا کہ آپ کی خدمت میں انواع واقسام کے طعام پیش کیے جارہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے، آپ نے انتہائی خوشی ومسرت سے قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور اس میں تھوڑا سا تناول فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرمادیا۔ (انفاس العارفین، حضرت شاہ ولی اللہ ص ۴۲، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

یہی واقعہ الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین میں اس طرح درج ہے:

اخبرنی سیدی الوالد قال اصنع فی ایام المولد طعاماً صلة بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنة من السنین. الخ	مجھے میرے والد گرامی نے بتایا کہ میں میلادُ النبی ﷺ کی خوشی میں ان ایام میں ہمیشہ کھانا پکوایا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کچھ میسر نہ آسکا۔

(الدرالثمین فی مبشرات النبی الامین، شاہ ولی اللہ محدث ص ۴۰، سنی دارالاشاعت، علویہ ڈچکوٹ روڈ، لائل پور)

(آگے واقعے کا مضمون واحد ہے۔)

ایک دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

والد گرامی نے فرمایا: اورنگ زیب عالمگیر نے ہدایت اللہ بیگ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا، وہ میرے پاس بہت رنجیدہ خاطر اور شکستہ دل ہو کر آیا اور عاجزی وزاری کے ساتھ روتا رہا، میں نے اس کے معاملے پر توجہ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے، بالآخر میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ اگر یہ کام میرے حسبِ منشاء نہ ہوا تو میں صوفیانہ

لباس اتار پھینکوں گا۔ چنانچہ قضا مبرم ٹال کر اسے اپنے منصب پر بحال کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ میں نے کہا: اس سے بھی اسے ترقی ملنی چاہیے' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۵۹)

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

اولیاء اللہ سے اس قسم کے واقعات بے شمار روایت کیے گئے ہیں اور ان کی تاویلات موجود ہیں۔

ذرا اور آگے چلئے!

والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں شیخ عبدالاحد (مجدد الف ثانی کے پوتے) کے گھر گیا تو وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے۔ الخ

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۵۲)

ایک دوسری جگہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شاہ وجیہ الدین) جو شہید ہوئے تھے' کبھی کبھی باقاعدہ جسمانی صورت میں میرے پاس تشریف لاتے اور حال و استقبال کی خبریں سنایا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بھتیجی کریمہ کی بیماری میں شاہ وجیہ الدین کی آمد اور بیماری سے اس کی نجات یعنی اس کی موت کی قبل از وقت اطلاع کا واقعہ لکھا ہے۔

(انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۳۷)

مزید لکھتے ہیں:

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت مراقبے میں تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوگئی اور میرے لیے یہ وقت چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغازِ آفرینش سے روزِ قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار مجھ پر ظاہر کر دیئے گئے۔ (انفاس العارفین' شاہ ولی اللہ محدث ص ۶۱)

اور ایک دلچسپ واقعہ جو خود شاہ صاحب کا چشم دید ہے' سُنیے:

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے والد ماجد کو دکھایا' آپ نے اسے تنہائی میں بلایا' اس وقت یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بھی

وہاں موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا تو خوب ہے مگر اس کی عمر کم ہے۔ اس نے عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ میری بدزبان اور بدعادت بیوی کی عمر اس کو مل جائے۔ آپ نے متبسّم ہو کر فرمایا: اچھا ایسے ہی ہو جائے گا۔ تین ماہ کا عرصہ نہ گزرا کہ اس کی بیوی مر گئی اور اس نے گھوڑا بیچ کر خوب نفع کمایا۔ (انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث ص ۶۱)

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یارانِ طریقت سے تفصیل کے ساتھ سنا ہے کہ جن دنوں اورنگ زیب حسن ابدال کی طرف پٹھانوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا تو انتہائی کوشش کے باوجود کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے تھے، بعض مخلصوں نے اس بارے میں والدِ گرامی سے دُعا کی درخواست کی۔ جب متوجہ ہوئے تو فرمایا: ایک معمر بزرگ سامنے آ کر دُعا سے منع کر رہے ہیں، بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار آدم بنوری کے خلفاء میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کمر باندھ رکھی تھی۔ (انفاس العارفین ص ۶۳)

یوں تو انفاس العارفین توسل، استمداد، تصرفات، کشف و اطلاعِ خواطر، ریاضات، اوراد و اشغال، الغرض مسلکِ صوفیاء صافیہ کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے یہ چند حوالہ جات صرف اس لیے پیش کیے ہیں تا کہ اہلِ علم کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں کہ ان باتوں کو محض بریلویت کی توہم پرستی کہہ دینا تو رسمی بات ہے لیکن ذرا سوچئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالرحیم، شیخ ابوالرضا، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز، کیا یہ سارے کے سارے بریلوی تھے؟ ہند کی سرزمین میں ابھی مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دارالعلوم دیوبند کا وجود بھی نہیں تھا کہ یہ بحثیں چھڑی ہیں، برِ صغیر کی خاموش اور پُرسکون فضا میں سب سے پہلے جس چیز نے لوگوں کو چونکا دیا۔ سُوءِ اتفاق سے وہ اسی خاندان کے ایک فرد شاہ محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان تھی، جس کا فکر نامانوس، دعوت میں اجنبیت اور اندازِ بیان جارحانہ تھا۔ اڑھائی سو کتابوں کی ایک ایسی لسٹ میری نظر سے گزر چکی ہے، جو تقویۃ الایمان کے چھپتے ہی مختلف زبانوں میں مختلف علاقوں سے اس کی تردید میں لکھی گئیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت عام مسلمانوں، علماء اور اہلِ خانقاہ نے اس کتاب کو کس حیثیت سے دیکھا، ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت اور جواز نہیں کہ ہم بیک قلم سارے برصغیر کے علماء، صوفیاء،

فقراء اور عوام کے متعلق یہ کہہ دیں کہ وہ نعوذ باللہ سارے کے سارے شرک و بدعات میں مبتلا ہو گئے تھے اور پہلی بار شاہ محمد اسماعیل ان کو حقیقی توحید سے روشناس کرا رہے تھے۔ آخر شاہ ولی اللہ' شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسماعیل میں کتنا فاصلہ ہے۔ کیا اس درمیان عرصے میں سارا برصغیر کفر و شرک کی لپیٹ میں آ گیا تھا؟ اور اگر پہلے سے تھا تو خود حکیم الامت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے یہ تشدد اور زبان کیوں استعمال نہ فرمائی' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سوادِ اعظم کے مسلک سے ہٹ کر یہ وہ پہلی آواز تھی' جو برصغیر میں گونجی' جسے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کی صدائے بازگشت تو یقیناً کہا جا سکتا ہے مگر اسے ولی اللّٰہی فکر اور معمولات کا ترجمان ہرگز نہیں کہا جا سکتا' غور فرمایئے کہ جذبات کی رو میں بہہ جانے والے ہمارے محققین نے کیسے کیسے دھوکے کھائے ہیں' مولانا منظور نعمانی ''تحفۃ الموحدین'' کو شاہ محمد اسماعیل کی تقویۃ الایمان کا متن قرار دیتے ہیں۔ (الفرقان' شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۸۷) لیکن آپ کو یہ جان کر تعجب ہو گا کہ یہ متن یعنی ''تحفۃ الموحدین'' ایک ایسا رسالہ ہے جس کا انتساب شاہ صاحب کی طرف نہ صرف مشکوک بلکہ بالکل غلط ہے۔ (مقدمہ وصایا اربعہ' محمد ایوب قادری صاحب ص ۲۶' شاہ ولی اللہ اکیڈمی) (ہم آگے اس پر تفصیل سے لکھیں گے۔)

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ متن بھی خود ساختہ اور اس کی شروح و تفصیلات بھی من مانی اور ستم یہ کہ پھر بھی اسے فکر ولی اللّٰہی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں پر پروفیسر محمد سرور صاحب کی زبانی مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے' جو بہت برمحل ہے:

مولانا سندھی کہا کرتے تھے کہ گزشتہ صدیوں میں عوامی اور قومی تحریکیں اکثر و بیشتر مذہبی اٹھان اور بیداری کا نتیجہ تھیں' لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھیں' ان کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور وہ عملاً عوامی و قومی بن گئیں' لیکن تحریک ولی اللّٰہی میں اس تاریخی انحراف کے بعد جو موڑ آیا تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی' بجائے اس کے کہ وہ مسلمان عوام کی ایک قومی تحریک بنتی' وہ ایک علیحدگی پسند فرقہ پرستانہ تحریک بنتی گئی۔ سیّد احمد شہید سے منسوب اس تحریک کا یہ حشر تو ہوا ہی' اس کا ردِ عمل اس تحریک کے دوسرے حصے تحریک دیوبند پر بھی ہوا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس برعظیم کے مسلمان عوام کی غالب اکثریت بریلوی ہے' جو اوپر کی دونوں تحریکوں کو کفر سے کم نہیں سمجھتی' اس نوع کی احیا پسندانہ مذہبی تحریکیں اگر قومی اور عوامی خطوط پر نہ چلیں تو لازماً

وہ علیحدگی پسندانہ فرقہ پرستانہ تحریکیں بن کر رہ جاتی ہیں۔

(افادات وملفوظات' مولانا عبیداللہ سندھی' پروفیسر محمد سرور ص ۳۴۹' سندھ ساگر اکیڈمی)

اس اقتباس سے شاہ محمد اسماعیل کے خاص نقطۂ نظر اور سوادِ اعظم سے اس کی بے تعلقی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ ان اختلافات کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ انتہائی غلطی اور برصغیر کی مذہبی تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ برصغیر میں اصل اختلافات کا آغاز مولانا شاہ اسماعیل کی تقویۃ الایمان کی بعض عبارات اور اثر ابن عباس کے مسئلے سے ہوا۔ جس میں مولانا محمد احسن نانوتوی کی بعض علماء نے تکفیر کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی تردید میں کئی رسائل لکھے گئے' جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) الکلام الاحسن' مؤلفہ مولانا ہدایت علی

(۲) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال' مؤلفہ حافظ بخش بدایونی

(۳) قول الفصیح' مولانا فصیح الدین بدایونی

(۴) افاداتِ صمدیہ' مولوی عبدالصمد سہسوانی

(۵) کشف الالتباس فی اثر ابن عباس

(۶) قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس

(محمد احسن نانوتوی' مؤلفہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۹۰ تا ۹۵' روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی)

بعض حضرات نے اس سے بھی بڑھ کر دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ شاہ صاحب کے مسلک اور اُن کے معمولات کا بغور مطالعہ کر کے ذرا اس رائے کی وقعت کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دُھول جھونکی گئی ہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی رقم طراز ہیں:

وقت آیا کہ از سرِ نو پیامِ محمدی کی تجدید ہو' مسجد نبوی کے دو طالب علم خاص طور پر اس منصب سے نوازے گئے' ان میں ایک ہندی نژاد تھا' دوسرا نجد کا بادیہ نشین' آپ سمجھے یہ طالب علم کون تھے: محمد بن عبدالوہاب اور ہندی نژاد ولی اللہ بن عبدالرحیم۔

www.maktabah.org

(الفرقان، شاہ ولی اللہ، ص ۴۰)

مولانا مسعود عالم تو معاملہ ہی صاف کر گئے البتہ شیخ محمد اکرام نے ذرا لگی لپٹی کہی، فرماتے ہیں:

ان (شاہ ولی اللہ) کی اصلاحی تحریک اور شیخ محمد عبدالوہاب کی تحریک میں ایک وجہ امتیاز یہ تھی کہ اگرچہ یہ دونوں بزرگ عہدِ نبوی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور شاہ صاحب بھی تصوّف کی اصلاح کے خواہاں ہیں لیکن وہ وہابی مصلحین کی طرح اس کے مخالف نہیں۔

(رودِ کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۵۳۴ تا ۵۸۰، فیروز سنز)

یہ بات کس قدر تعجب انگیز ہے کہ بعض حلقوں میں ان کے اپنے ہاں یہ ساری باتیں گوارا کی جاتی ہیں اور خوب مزے لے لے کر بیان کی جاتی ہیں، لیکن جب معاملہ دوسروں کا آجائے تو یہ سب کچھ بدعت، توہم پرستی اور قبر پرستی ہو جاتا ہے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے مضمون کا اقتباس، مولانا مسعود عالم ندوی کا نظریہ اور تقویۃ الایمان کے مضامین کے ساتھ ساتھ اگر شاہ صاحب کی فیوض الحرمین، الدر الثمین، انفاس العارفین، القول الجمیل اور انتباہ فی سلاسل الاولیاء کا مطالعہ کر لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ حقیقت سمجھنے میں ہرگز کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ؎

نزلوا بمکة فی قبائل هاشم ونزلت با لبیداء ابعد منزل

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ تصوّف میں غیر اسلامی نظریات و معمولات کے مخالف تھے، لیکن ان کو جائز ٹھہرانے اور اس کی تائید کرنے والا بھی تو کوئی نہیں۔

شاہ ولی اللہ اور بارگاہِ محمدی ﷺ

ہمارے تمام بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام عشق و محبت حضرت ختم المرسلین ﷺ کی جس لازوال دولت کے امین رہے ہیں، حضرت شاہ صاحب بھی اس متاع بے بہا سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ قیامِ حرمین کے دوران آپ نے روضۂ نبوی سے براہِ راست فیوض حاصل کیے، فرماتے ہیں:

''درآں میاں بر روضۂ منوّرۂ حضرت سیّد البشر علیه

افضل الصلٰوۃ واتم التحیّات متوجه شد و فیضها یافت" (انفاس العارفین ص۲۰۴) چنانچہ آپ نے "فیوض الحرمین" کے نام سے اس بارے میں مستقل کتاب لکھی۔

نظم کی صورت میں آپ نے یوں بارگاہِ نبوی ﷺ میں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں:

واذا ما اقلتنی ازمة مدلهة تحیط بنفسی من جمیع الجوانب

"جب مصیبت کی گہری تاریکی مجھے ہر طرف سے اپنے نرغے میں لے لیتی ہے تو"

تطلبت هل من ناصرٍ او مساعدٍ الوذبه من خوف سوء العواقب

"میں بڑی کوشش سے بار بار ایسے مددگار یا معاون کی جستجو کرتا ہوں جس کے دامنِ رحمت میں مجھے بُرے نتائج کے خوف سے پناہ مل سکے"

فلست اری الا الحبیب محمداً رسول الٰه الخلق جم المناقب

"ایسا معاون و مددگار میں کسی کو نہیں پاتا، بجز اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کے جو ساری مخلوق کے پروردگار کے رسول ہیں اور جن کے محامد بے شمار ہیں"

ومعتصم المکروب فی کل غمرةٍ ومنتجع الغفران من کل تائب

"مجھے تو حضور کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا، جس کے دامنِ رحمت میں کوئی غم زدہ مصیبت کے وقت پناہ لے سکے اور ہر تائب مغفرت کے لیے اس کی بارگاہ کا قصد کر سکے"

وقد کان نور اللّٰه فینا لمهتدٍ وصمصام تدمیرٍ علی کل ناکب

"آپ ہمارے درمیان اللہ کا نُور تھے، ہر ہدایت کے طلب گار کے لیے اور ہر روگردانی کرنے والے کے لیے شمشیر بُرّاں"۔

آپ نے اپنے اس مشہور قصیدہ کے شروع میں لکھا ہے:

"در تشبیب بذکر بعض حوادث زماں کہ دراں حوادث لابد است از استمداد بروح آں حضرت ﷺ وتخلص بذکر مناقب آں حضرت ﷺ"۔

پہلی فصل میں ان حوادثات کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے نجات حاصل کرنے کے لیے

حضور کی رُوح مبارک سے مدد حاصل کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور جن سے رہائی حضور کے کمالات کے بیان ہی سے ہوسکتی ہے۔ (اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم' مؤلفہ شاہ ولی اللہ' مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم' اکتوبر' نومبر ۱۹۷۰ء' اپریل ۱۹۷۱ء' مرتبہ پیر محمد کرم شاہ الازہری)

سرکارِ دو جہاں سے آپ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی' اسے مذکورہ اشعار سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

اپنی وصیت میں فرماتے ہیں: ''مارا لابد است کہ بحرمین محترمین رویم و روئے خودرا برآں آستانہائے مالیم سعادت ما ایں است و شقاوت مادر اعراض ایں!''۔

(القالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ از' شاہ ولی اللہ دہلوی' مرتبہ محمد ایوب قادری' ص ۵۳' شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد)

ہمارے لیے ضروری ہے کہ حرمین شریفین حاضری دیں اور ان آستانوں پر اپنے چہرے رگڑیں۔ ہماری سعادت اسی میں ہے اور بدبختی اس بات سے روگردانی میں۔

انفاس العارفین کے بعض واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ رُوحِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس خاندان کے ساتھ خصوصی ربط اور لطف و کرم رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیم کی بیماری میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور انہیں اپنے موئے مقدس کے عطا فرمانے کی جو داستان شاہ صاحب نے لکھی ہے' وہ رُوح پرور ہے۔ اس داستان کو بآسانی ایک وجدانی یا رُوحانی کیفیت کا نام دیا جاسکتا ہے' لیکن شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جب والدگرامی نیند سے بیدار ہوئے تو وہ دونوں بال مبارک ان کے پاس موجود تھے اور بعض منکرین کی اصلاح کے لیے ایک موقع پر جب انہیں باہر نکالا گیا تو فوراً بادلوں نے ان پر سایہ کرلیا۔ تین دفعہ یہ صورت ہوئی' چنانچہ منکرین نے توبہ کرلی' نیز فرمایا کہ ان بالوں کی خاصیت یہ ہے کہ باہم گُتھے رہتے ہیں۔ جب ان پر درود پڑھا جائے تو وہ علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں در آخر عمر تبرکات قسمت میفرمودند یکے ازاں دو موئے

حضرت والد جب آخر عمر میں تبرکات تقسیم فرمانے لگے تو ان دو مقدس بالوں میں سے ایک مجھے عنایت فرمایا' اس پر اللہ رب

بکاتب حروف عنایت العالمین کا شکر ہے۔
فرمودند والحمد للہ رب
العالمین۔ (انفاس العارفین ص ۴۱۔۴۲)

انفاس العارفین کا ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے اپنی تمام تر توجہ حضور ﷺ پر درود پڑھنے پر صرف کی' ایک دن وہ کہنے لگے کہ میں حضور ﷺ کو اٹھتے' بیٹھے' کھاتے' پیتے' خلاؤں میں' دھرتی پر' ہر جگہ' ہر وقت دیکھتا ہوں اور حضور کی کوئی حالت مجھ سے مخفی نہیں رہتی۔ میں نے انہیں کہا کہ تمہیں حضور ﷺ کی رؤیت حقیقیہ نصیب نہیں بلکہ آپ کی صورتِ کریمہ تمہاری قوتِ خیالیہ میں رچ بس چکی ہے۔ الغرض جب بات نے طول پکڑا تو میں نے انہیں کہا کہ فلاں آیت کا معنیٰ حضور سے پوچھ کر بتلاؤ' چنانچہ جب ان کا جواب انہیں نہ ملا تو میں نے انہیں بتایا کہ یہ صورتِ خیالیہ تھی۔

اس پر شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی رُوح انور سے کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے عالم میں حالتِ خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بغیر دقتِ نظر کائنات کے ذرّے ذرّے میں صورتِ محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے اور اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رؤیتِ حقیقیہ کہا جائے گا۔ مذکورہ واقعہ میں اس بزرگ کا حضور سے نہ پوچھ سکنا' کچھ وجوہات رکھتا ہے مثلاً اس بزرگ کی نسبت ابھی خام تھی یا یہ نسبت کسی خاص امر میں تھی' فقیر ولی اللہ کا گمان ہے کہ مذکورہ بالا صاحبِ نسبت بزرگ کے دعوائے مناسبت کو حضرت والد ماجد نے آنحضور ﷺ کی رؤیت حقیقیہ کے ناممکن الوقوع ہونے کے سبب نہیں بلکہ کچھ اور وجوہات کی بناء پر مسترد فرمایا تھا۔ (انفاس العارفین ص ۷۵)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عشقِ رسول ﷺ اور ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے انتہائی قرب کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

www.maktabah.org

شاہ ولی اللہ کی طرف بعض کتابوں کا غلط انتساب اور بعض کتابوں میں الحاقات۔۔۔۔۔۔۔

تاریخ ایسے کئی نامور علماء، مفکرین اور شعراء کی نشان دہی کرتی ہے، جن کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر مخصوص مقاصد کی خاطر بعض لوگوں نے ان کی طرف غلط کتابیں منسوب کر دیں یا ان کی کتابوں میں الحاقات کر دیئے۔ دُور کیوں جایئے، احادیثِ نبوی ﷺ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ افسوس ہے کہ اس وباء سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ بھی دونوں صورتیں روا رکھی گئیں۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس پر خاصا تحقیقی مضمون لکھا ہے، اس کے بعض اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں:

شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب بعض ایسے رسالے بھی ملتے ہیں، جو شاہ صاحب کی تصنیف نہیں ہیں اور لوگوں نے شاہ صاحب سے منسوب کر کے چھاپ دیئے ہیں یا شاہ صاحب کی تصنیف بتاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام مرزا علی لطف مؤلف تذکرہ گلشنِ ہند کا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۰۱ء میں تالیف ہوا ہے۔ مرزا علی لطف نے ولی اللہ سرہندی المتخلص بہ اشتیاق کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سمجھ کر ان کی ہجو کی اور ان سے دو کتابیں منسوب کیں۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء) جب ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں حجاز کو ہجرت کر گئے تو دہلی میں تقلید و عدم تقلید کے مباحث نے خوب زور پکڑا، مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان مناظرے ہوئے۔ اسی زمانے میں بعض جعلی کتابیں بھی وجود میں آئیں۔ قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء اپنی ایک تالیف کشف الحجاب میں لکھتے ہیں:

اور ایسا ہی ایک اور جعل (غیر مقلدین) کرتے ہیں کہ سوال کسی مسئلہ کا بنا کر اور اس کا جواب موافق اپنے مطلب کے لکھ کر علمائے سابقین کے نام سے چھپواتے ہیں، چنانچہ بعض مسئلے مولانا شاہ عبدالعزیز کے نام اور بعض مسئلے مولوی حیدر علی کے نام سے علیٰ ہذا القیاس چھپوائے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان کے ایک فرد اور ان کی تصنیفات کے مشہور ناشر ظہیر الدین سیّد احمد ولی اللّٰہی نواسۂ شاہ رفیع الدین دہلوی جنہوں نے شاہ صاحب کی تصانیف بڑی تعداد میں طبع و شائع کر کے وقف عام کی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس طرف توجہ

دلائی۔ چنانچہ وہ شاہ صاحب کی ایک کتاب ''تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء'' کے آخر میں لکھتے ہیں:

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندہ محمد ظہیر الدین عرف سیّد احمد اوّل گزارش کرتا ہے: بیخ خدمت شائقین تصانیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ومولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہ آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی تھیں اور بعض لوگوں نے جو اُن کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت میں تغیّر وتبدل کر دیا' تو میرے اس کہنے سے یہ غرض ہے کہ جو اَب تصانیف ان کی چھپیں تو اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے۔

اسی طرح یہ ظہیر الدین صاحب نے انفاس العارفین مطبوعہ مطبع احمدی کے آخر میں ''التماس ضروری'' کے نام سے بھی یہی کچھ لکھا ہے' بلکہ اس میں انہوں نے شاہ صاحب کی طرف غلط منسوب کتابوں کی فہرست دی ہے' جو یہ ہے:

(۱) تحفۃ الموحدین' مطبوعہ اکمل المطابع' دہلی (منسوب بہ طرف حضرت شاہ ولی اللہ)
(۲) بلاغ المبین' مطبوعہ لاہور (منسوب بہ طرف حضرت شاہ ولی اللہ)
(۳) تفسیر موضح القرآن' مطبوعہ خادم الاسلام' دہلی (منسوب بہ طرف شاہ عبدالقادر)
(۴) ملفوظات (منسوب بہ طرف شاہ عبدالعزیز)

ایک نامور عالم مولانا وکیل احمد سکندر پوری البلاغ المبین کے متعلق اپنی کتاب وسیلۂ جلیلہ میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب (البلاغ المبین) کسی وہابی کی تصنیف ہے' جسے کافی لیاقت نہ تھی مگر اعتبار و اسناد کے لیے مولانا شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کی گئی' اس کا انتساب ایسا ہی ہے جیسے دیوان مخفی کا زیب النساء کی طرف یا دیوان محی کا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف' دیوان معین الدین ہروی کا حضرت معین الدین چشتی کی طرف رسالہ تحفۃ الموحدین سب سے پہلے اکمل المطابع' دہلی میں طبع ہوا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ادارہ اشاعت السنۃ نے رجب ۱۳۷۳ھ میں اسے دوبارہ شائع کیا۔ طبع ثانی کی اشاعت

ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں تحفۃ الموحدین کے سرِ ورق پر مصنفہ یا مؤلفہ شاہ ولی اللہ تحریر نہیں ہے' بلکہ از افادات شاہ ولی اللہ دہلوی لکھا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ناشر اس سلسلے میں خود متردّد ہے' لہٰذا اس نے اس رسالہ کا اعتبار قائم کرنے کے لیے اس کا مترجم حیاتِ ولی کے مؤلف مولانا رحیم بخش دہلوی کو بتایا ہے' حالانکہ حیاتِ ولی میں مولانا رحیم بخش دہلوی نے شاہ ولی اللہ کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے' اس میں تحفۃ الموحدین یا البلاغ المبین کا ذکر تک نہیں ہے۔

ان دونوں کتابوں کا شاہ صاحب کی تصانیف یا ان کے صاحبزادگان کی تصنیف میں کوئی ذکر و حوالہ نہیں ملتا اور نہ ہی تذکرہ نگاروں کے ہاں ان کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

(یہ ساری تفصیل ہم نے پروفیسر محمد ایوب قادری کے مقدمہ وصایا اربعہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد کے صفحہ ۲۴ تا ۲۸ سے لی ہے)

شاہ صاحب کی طرف بعض تصانیف کے غلط انتساب کے علاوہ خود ان کی اصل کتابوں میں بھی بعض ایسی عبارات موجود ہیں' جن پر ان کے وسیع اندازِ فکر اور معمولات سے مطابقت نہ رکھنے کے سبب الحاقات کا شائبہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس خدشے کو مزید تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ شاہ صاحب کی کتابیں باقاعدگی کے ساتھ سب سے پہلے مولانا محمد احسن نانوتوی (ف ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء) نے اپنے مطبع صدیقی بریلی سے چھاپنا شروع کیں۔ ان کے بعد ان کے رہبیب مولوی عبدالاحد (ف ۱۹۲۰ء) مالک مجتبائی نے یہ کتابیں چھاپیں۔ مولوی محمد احسن نانوتوی' اثر ابن عباس اور بعض دوسرے مسائل میں اپنے مخصوص اندازِ فکر کی وجہ سے اس دور کے مشہور علمی مراکز بدایوں' خیر آباد' بریلی اور دہلی کے علماء کے مسلک سے الگ اور ان کے معتوب تھے' کچھ بعید نہیں کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں کہیں کہیں تغیر و تبدّل کر دیا گیا ہو جیسا کہ اس امر کی طرف سید ظہیر الدین احمد نے اشارہ کیا ہے کہ صرف جعلی کتابیں ہی نہیں بلکہ الحاقات بھی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تفہیمات کی یہ عبارت پیش کی جا سکتی ہے' جو ان کی ساری تعلیمات میں ہمارے محققین کو سب سے پہلے نظر آتی ہے' حالانکہ شاہ صاحب کے دوسرے نظریات سے وہ کوئی لگا نہیں کھاتی۔

''کل من ذھب الیٰ بلدۃ اجمیر او الیٰ قبر سالار مسعود او ماضاھا

لاجل حاجةٍ یطلبها فانه اثم اثماً اکبر من القتل والزنا الیس مثله الامثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعو اللات والعُزیٰ''۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲ تفہیم ۳۴' ص ۴۹' شاہ ولی اللہ اکیڈمی' حیدر آباد)

قطع نظر اس بات کے کہ فی الواقع یہ بات درست ہے یا نہیں' شاہ صاحب کا اندازِ بیان ان کے اور ان کے خاندان کے معمولات اور اس بارے میں دُوسری کتابوں میں اُن کے خیالات اس عبارت کو قبول نہیں کرتے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے تم کی قبروں کو زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں کہتا ہے کہ زیارت کرو کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے' نہی کی بناء اس مصلحت پر تھی کہ زیارتِ قبور کی آزادی دینا' عام طور پر غیر اللہ کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے' لیکن جب اسلامی تعلیمات نے دلوں میں جگہ پکڑ لی اور توحید ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔

(حجۃ اللہ البالغہ' مترجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی ج ۲ ص ۲۵۹' قومی کتب خانہ' ریلوے روڈ' لاہور)

''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں:

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ ''انا فتحنا'' دو رکعت میں پڑھے' پھر میت کی طرف سامنے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے سورۂ ملک پڑھے اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور گیارہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے' پھر میت سے قریب ہو جائے' پھر کہے: یارب یارب! پھر کہے یا روح! اور اس کو آسمان میں ضرب کرے اور یا روح الروح کی دل میں ضرب کرے' یہاں تک کہ کشائش اور نور پائے' پھر دل پر صاحبِ قبر کے فیضان کا انتظار کرے۔ (القول الجمیل' شاہ ولی اللہ' ص ۲۷' سعید کمپنی' ادب منزل)

سراج الہند شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:

بزرگوں سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورۂ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر قبر کی پائینتی کی طرف جائے اور اٰمن الرسُول آخر تک پڑھے اور زبان سے کہے: اے میرے حضرت! فلاں کام کے لیے

درگاہِ الٰہی میں التجا و دُعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا کریں۔

(کمالاتِ عزیزی، شاہ عبدالعزیز، ص ۴۷۔۴۸، سعید کمپنی، ادب منزل)

حضرت شاہ ولی اللہ کی وصیت تو آپ پڑھ آئے ہیں کہ ہماری سعادت اسی میں ہے، حرمین کے آستانوں پر اپنی عقیدت کی پیشانیاں جا کر جھکائیں۔

اصل بات تو مزارات پر حاضری، ان سے استمداد، اکتسابِ فیوض اور کشف قبور وغیرہ ہے، جن پر شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک سارے بزرگ عامل ہیں اور اس قسم کے واقعات سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، باقی رہا مزارات کو مستقل حاجت روا سمجھنا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اسے شرک نہ سمجھتا ہو۔

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ برصغیر کی اس نامور شخصیت کو ہم اپنے اختلافات میں فیصلہ کن اور رہبر بنانے کے بجائے اُلٹا اپنی مخصوص گروہ بندیوں میں لے آنے کی کوشش کرتے ہیں، بلاشبہ شاہ صاحب کے فکر اور ان کی تعلیمات پر ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ کئی اکیڈیمیاں سرگرم عمل ہیں، لیکن ایک صوفی و مرشد کی حیثیت سے یا خانقاہی معمولات کے بارے میں ان کے طرزِ عمل پر ایک حرف تک نہیں لکھا گیا اور یہ سب کچھ دانستہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی جامع تعلیمات و افکار کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے، اس کی تصویر کچھ یوں ہے:

ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

میں یہاں پر جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام کا ایک اقتباس ''الرحیم'' سے نقل کرتا ہوں، آپ اسے پڑھئے اور غور فرمایئے کہ شاہ صاحب کی شخصیت کو دیکھنے کے ہمارے پیمانے کیا ہیں:

جماعت اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام میں یہ اقتباس دینے کے بعد ایک صاحب نے لکھا ہے۔۔۔۔شاہ صاحب کا جو حصہ تصوف سے متعلق ہے، اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے۔

(الرحیم، جنوری ۱۹۶۶ء، شذرات، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، حیدرآباد، سندھ)

ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی جامع کمالات شخصیت کو

ان کے سارے لٹریچر، پس منظر، خاندانی روایات اور معمولات کے تناظر میں دیکھا جائے، حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے شاہ صاحب برصغیر کے مسلمان عوام کی اکثریت کے مستقل امام قرار پاتے ہیں، جنہیں فرقہ پرستانہ اور علیحدگی پسندانہ تحریکوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

لیس علی اللّٰہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحد

کچھ ترجمے سے متعلق

انفاس العارفین کے ساتھ شروع سے جو بے اعتنائی برتی گئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج تک اس کا ترجمہ تو درکنار، اصل صحیح نسخہ بھی کہیں نہیں چھپ سکا۔ ہماری معلومات کے مطابق انفاس العارفین مطبع احمدی، دہلی اور مطبع مجتبائی کی اشاعت ۳۵-۱۳۳۴ھ کے بعد کہیں سے بھی نہیں چھپی۔ گزشتہ سالوں میں ملتان سے انفاس العارفین کا ایک نسخہ شائع ہوا، لیکن اس نے اغلاط اور ناقص چھپائی کی ایک مثال قائم کر دی۔ ہمارے سامنے مطبع مجتبائی کے ۱۳۳۴ھ اور ۱۳۳۵ھ کے دو مختلف نسخے ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی طباعت کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں، تاہم یہ نسخے غنیمت ہیں، چونکہ انفاس العارفین قدیم طرزِ تحریر کے مطابق ایک مسلسل تحریر ہے، جس میں ذیلی عنوانات اور ابواب نہیں ہیں۔ اس مسلسل اندازِ تحریر میں شاہ صاحب کے اس علمی تبحر کا بھی بہت دخل ہے، جسے مفتی عنایت احمد کاکوروی نے بحرِ زخّار سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ انفاس العارفین کا اندازِ بیان بہت جامع ہے، اس لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ چند عنوانات میں اس کے موضوع سمیٹ لیے جائیں، تمام حکایات، علمی مسائل اور بزرگانِ کرام کے اقوال کے لیے علیحدہ علیحدہ مناسب عنوانات قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے کتاب کے مضامین دیکھنے میں آسانی ہوگی۔ ترجمہ حتی الامکان لفظی کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم اُردو زبان و ادب کے روزمرّے اور محاورے کا بھی خیال رکھا گیا ہے، جہاں خالص علمی اصطلاحات اور دقیق فنی پیچیدگیوں سے واسطہ پڑا ہے، وہاں اُردو زبان و ادب کی رعایت چھوڑ کر انہی کی زبان میں مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس بناء پر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس ترجمے میں متن کی پوری پوری رعایت اور حفاظت کی گئی ہے، تاہم اگر اس میں کہیں غلطی واقع ہوگئی ہو تو وہ میری اپنی کمزوری ہے، شاہ صاحب کی شخصیت اس سے بلند و بالا ہے۔ آخر میں مَیں اپنے فاضل دوست سیّد اسرار بخاری، ایم۔اے کا شکریہ ادا کرنا

اپنا فرض سمجھتا ہوں؛ جن کا تعاون اس کتاب کی تکمیل میں مجھے حاصل رہا۔

وما توفیقی الّا باللّٰہ العظیم

(سیّد) محمد فاروق القادری
شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خاں، بہاولپور
۲۵ شعبان ۱۳۹۳ھ

www.maktabah.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِO

الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ علیٰ خیرِ خلقہٖ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ حقیقت اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کی باتیں گویا طائفہ الٰہی کی باتیں ہیں۔ مشائخ صوفیاء کے احوال واقوال' جوان کی کرامتوں اور استقامتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور جن کی بنیاد ان کے ظاہری و باطنی علوم پر ہوتی ہے' نوآموزوں کے لیے اشتیاق وترغیب کا باعث بنتے ہیں اور پختہ کاروں کے لیے نظامِ زندگی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے آباؤ اجداد کے تاریخی آثار سننے سے اولاد واخلاف کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بسا اوقات حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والے اخلاف کی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور عرقِ غیرت کے جوش سے چونک کر وہ کسی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں اور میانہ رو اخلاف ذکرِ اسلاف کی برکت سے اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہوجاتے ہیں' پھر یہ آگاہی ان پر رجوع اور توبہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقیرِ حقیر ولی اللہ (اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اسے سلف صالحین میں شامل کرے) نے ارادہ کیا کہ اپنے والدِ بزرگوار' قدوۃ العارفین' زبدۃ الواصلین' صاحبِ کرامات جزیلہ ومقاماتِ جلیلہ' سیدنا ومولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے) کے علمی ومجلسی فوائد میں سے کچھ نفیس واقعات و حکایات اور نادر کرامات اور تصرّفات جو کہ حضرت والد ماجد اور ان کے مشائخ کرام سے ظہور پذیر ہوئیں' نیز طریقت وحقیقت کے رموز ونکات جو ان بزرگوں کے سینوں کی زرخیز زمین نے بارانِ الہام سے اخذ وقبول کئے اور سالکانِ طریقت کی ہدایت کے لیے مجالسِ صحبت یا گوشہ ہائے خلوت میں جو مقامات وملفوظات ان کی زبانِ گوہر فشاں سے وقوع پذیر ہوئے اور راقم الحروف کے حافظے نے حسبِ استطاعت انہیں محفوظ و منضبط کیا' حیطۂ تحریر میں لائے۔

www.maktabah.org

علاوہ ازیں اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار' اہل ذوق ووجود کے پیشوا' اربابِ معرفت وشہود

کے امام، حلقہ سلسلۂ عارفین، رونقِ چشمِ کاملین، خدائے بے نیاز کے ساتھ پیوستہ و وابستہ سیدنا و مولانا ابوالرضا محمد قدس سرہٗ الامجد کے عرفان وحقائق میں سے جو چیزیں نقلِ صحیح کے ذریعے مجھے معلوم ہوئیں، ان کی ترتیب وتالیف میں مشغول ہوں اور ان دو اہم مقاصد سے فراغت کے بعد اُن بزرگوں کے مختصر حالات بھی بیان کروں، جن کے ساتھ اِس فقیر کو قرابت یا تلمذ کا قدرے تعلق رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہل زمانہ عام طور پر اور اس خاندان کے لوگ خاص طور پر ان فوائد علمی اور مقالاتِ روحانی سے نفع اندوز ہوں اور راقم الحروف کو اپنی نیک دُعاؤں میں یاد رکھیں، اس کتاب کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام انفاس العارفین تجویز کیا ہے۔ پہلے دو حصوں کو میں نے دو علیحدہ رسالوں کی شکل میں مرتب کیا ہے، ایک کا نام ''بوارق الولایۃ'' اور دوسرے رسالے کا نام ''شوارق المعرفۃ'' رکھا ہے، تیسرا حصہ پانچ مقالات پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) الامداد فی مآثر الاجداد (خاندانِ مصنف کے حالات پر مشتمل)

(۲) عطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ (مصنف کے ننہالی جد حضرت شیخ محمد پھلتی رحمہ اللہ کے حالات میں)

(۳) النبذۃ الابریزیہ فی لطیفۃ العزیزیہ (مصنف کے جد اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات میں)

(۴) انسان العین فی مشائخ الحرمین (مصنف نے حرمین شریفین میں جن مشائخ سے استفادہ کیا، ان کا ذکرِ خیر)

(۵) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (مصنف کی خودنوشت)

فقیر خدا سے دُعا کرتا ہے کہ ان مقامات سے اللہ اپنے نیک بندوں کو تسکین حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ بے شک وہ سب سے قریب اور سب کی سُننے والا ہے۔ اللہ ہی میرے لیے کافی اور میرا بہترین ساتھی ہے۔ ہر نیکی کی توفیق اور ہر بدی سے دُوری اس بُلند و بالا ذات ہی کی طرف سے ارزانی ہوتی ہے۔

www.maktabah.org

حصّہ اوّل

جناب کرامت مآب قدوۃ العارفین، زبدۃ الواصلین، سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم کے پسندیدہ رُوحانی تصرفات، نایاب واقعات اور رُوح پرور وارداتِ قلبی کے بیان میں

تمام حمد و ثناء اس ذاتِ الٰہ کے لیے ہے جس نے تجلیات اور واردات کے لطیفوں سے اہلِ عرفان کے دلوں کو منور کیا اور ان کے سینوں کو بارانِ معرفت سے سیراب فرمایا اور عرفان کے نفیس نکتوں سے اور اسماء و صفات کی باریکیوں سے ان کو وہ مقام عطا فرمایا، جو نہ کسی کی چشم تصور میں آ سکتا ہے اور نہ ہی دید و شنید میں اور نہ ہی بجز ان پختہ کار مردانِ احرار کے، اس مقام تک کسی کے قلب و نظر کی رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لُطف و کرم کی بناء پر ان مردانِ خدا کو ہر سمت و ہر جہت اور ہر حیثیت سے گوناگوں انوار و تجلیات اور برکاتِ ایزدی نے گھیر رکھا ہے اور ان مقبولانِ خدا کی زبانیں وصولِ حق، سلوک طریقت کے نکات اور حکمت و اسرارِ الٰہی کی باریکیاں، کلماتِ ربّانی کے نادر حقائق بیان کرنے میں بول اُٹھیں اور ان کے ہاتھوں وہ وہ آثار و کرامات اور خلافِ عادت واقعات رُونما ہوئے، جن کے سبب انہیں عامیوں سے ممتاز گردانا گیا، سو پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہے اور جو چاہے عطا کر دے، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تقدیر پھر سکتی ہے، تحیات اور حمد و ثناء اسی کو زیبا ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہی معبودِ برحق ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے عبدِ خاص اور رسول ہیں۔ یہی شہادت میری زندگی و موت کا سرمایہ ہے۔ ازل سے ابد تک صلوٰۃ و سلام ہوں، اس نبی اقدس پر، ان

کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور بندگانِ خدا کے قائد' بعد ازیں فقیر ولی اللہ عفی عنہٗ عرض پرداز ہے کہ یہ چند کلمات حضرت والد بزرگوار' قدوۃ العارفین' زبدۃ الواصلین' صاحبِ کرامات جزیلہ مقاماتِ جلیلہ سیّدنا ومولانا شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ العزیز کی کرامات' وقائع اور احوال واقوال پر مشتمل ہیں' جن کا نام میں نے ''بوارق الولایۃ'' رکھا ہے۔ اللہ ہی مجھے کافی ہے' جو میرا بہترین ساتھی ہے' وہی نیکی کی توفیق دیتا ہے اور بدی سے باز رکھتا ہے۔

زندۂ جاوید

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے آغازِ کار میں (اپنے نانا) شیخ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ کے مزار مبارک کے ساتھ موانست و رغبت پیدا ہوگئی تھی' چنانچہ میں وہاں جا کر ان کے مزار کو مرکزِ توجہ بنایا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر غیبت کا ایسا حال طاری ہوتا کہ مجھے سردی وگرمی کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیتا تھا۔

میراثِ ولایت

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدین رحمہ اللہ نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اثاث البیت جمع کیا اور وارثوں میں تقسیم کر دیا' اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے حسب ضرورت دیا۔ جب سب سے چھوٹی اولاد (یعنی والدۂ حضرت شیخ عبدالرحیم) کی باری آئی تو انہیں مشائخِ کرام کا شجرہ' خاندانی اوراد اور فوائد طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ عنایت فرمایا۔

شیخ کی رفیقۂ حیات نے کہا کہ یہ بچی غیر شادی شدہ ہے' اسے تو جہیز اور اسبابِ خانہ چاہیے' نہ کہ رسائلِ تصوف۔ فرمایا: یہ رسائل ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں' اس عفیفہ کے بطن سے اس معنوی میراث کا مستحق ایک بچہ پیدا ہوگا۔ ہم نے یہ روحانی میراث اسی کے لیے دی ہے۔ باقی رہے' اسبابِ خانہ تو وہ خدا میسّر کر دے گا' ہمیں اس کا غم نہیں' بہت عرصے بعد جب میں (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جدہ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی اور انہوں نے وہ رسائل مجھے دے دیئے۔ کچھ دنوں بعد وہ کھو گئے' اگرچہ بشارت کا لفظ مشترک تھا لیکن ان رسائل سے نفع اندوزی نے اس بشارت کی تفسیر اور مقصود بشارت کو متعین کر دیا کیونکہ حضرت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ (حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے بڑے بھائی) اُن دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے اور بھائی عبد

الحلیم (حضرت شاہ عبدالرحیم کے چھوٹے بھائی) ابھی تک متولد نہیں ہوئے تھے۔

آثارِ سعادت

فرماتے تھے کہ میرے خالو شیخ عبدالحی رحمہ اللہ نہایت نیک مرد تھے، جو دنیا سے روگرداں اور طریقِ اسلاف پر گامزن تھے، وہ اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں رہے، مگر اولاد ان سے متاثر نہ ہو سکی، جس کے سبب وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے مجھے دیکھا کہ میں نے باوجود کم عمر ہونے کے سر سے پگڑی اُتار کر گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی اور تمام سنتوں اور نوافل کی رعایت کے ساتھ وضو کر رہا تھا، مجھے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کھل اٹھا اور خدا کا شکر کرنے لگے، کہنے لگے کہ جب میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اولاد میں نہ دیکھا تو ڈرا کہ شاید ہمارے اسلاف کا رُوحانی سلسلہ ہمارے بعد منقطع ہو جائے، مگر ابھی معلوم ہوا کہ اس میراث کا حامل ہمارے خاندان میں موجود ہے، جو اگرچہ سلسلۂ فرزندان میں سے نہیں، مگر یہ کیا کم ہے کہ دخترِ نیک اختر کے نسب سے تو ہے۔

کاتب الحروف (مصنف شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر بانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔

شہبازِ قُدس

فرمایا کہ میں نو یا دس برس کا تھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق ایک بزرگ خواجہ ہاشم[1] نامی بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلّہ میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ مجھ پر اکثر توجہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں ایک درود جانتا ہوں، جس کے پڑھنے سے آدمی دولت مند ہو جاتا ہے۔ میرا دل اس وقت تمام تعلقات سے بیزار تھا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ والد ماجد کے ذریعے میری ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ مزید احتیاج نہیں رکھتا، یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

---

[1] غالباً خواجہ ہاشم سے مراد حضرت شیخ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ ہیں، جو حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے برکات الاحمدیہ الباقیہ کے نام سے حضرت مجدّد اُن کے پیر و مرشد اور خلفاء و صاحبزادگان کے حالات پر نہایت جامع اور مستند کتاب لکھی ہے۔ کشم بخارا کے علاقے میں ایک قصبہ کا نام ہے۔

www.maktabah.org

چند دنوں بعد پھر فرمانے لگے: مجھے بزرگوں سے ایک دعا ملی ہے' جسے کوڑھی پر دَم کیا جائے تو کوڑھ فوراً کافور ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے اور اگر کوئی کوڑھی نظر پڑا تو آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد فرمایا کہ درود اور دُعا سے ہماری غرض تمہیں شکار کرنا تھا' کیونکہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو' مگر معلوم ہوا کہ تم انتہا درجے کے بُلند ہمت ہو۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ اشغالِ صوفیاء میں سے کسی شغل کو اپنا مطمحِ نظر بناؤ۔ جس پر میں نے کہا: سَر آنکھوں پر! اس پر انہوں نے مجھے شغل ''استکتاب'' کی تلقین فرمائی' یعنی اسم ذات (اللہ) کو لگاتار کسی تختی یا کاغذ پر لکھتے رہنا چاہیے تاکہ کثرتِ نگاہ کے سبب قوتِ متخیلہ میں جاگزیں اور پیوست ہو جائے۔ یہ مشغلہ میں نے شروع کیا' جو مجھ پر حاوی ہو گیا۔ ان دنوں میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھوں۔ جب لکھنے لگا تو کم وبیش ایک کاپی کے بقدر اسم ذات لکھتا رہا' مگر مجھے کوئی شعور نہ رہا۔

تاثیر فیضانِ نبوّت

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں اندازاً بارہ تیرہ برس کا تھا کہ حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجسّم سامنے دیکھا' انہوں نے ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی۔ قوتِ نبوت کے سبب ان کی اس تلقین نے اس قدر تاثیر دکھائی کہ اس عمر میں تحصیلِ علم کی مشغولیت اور قلّتِ توجہ کے باوجود برکاتِ ذکر اس انداز میں ظہور پذیر ہوئیں کہ کامل اور قوی الطلب طالبانِ حق سے دیکھنے میں نہیں آئیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا' فرمایا: اے بیٹے! ارادت کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ تجھے قبول فرمائیں' اس کے بعد تجھے اختیار ہے۔ یہ واقعہ میں نے خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں ذکر کیا اور اس کی تعبیر چاہی اور عرض کی کہ اس شہر کے اہلِ عرفان میں بجز آپ کے اور کوئی خواجہ کے لقب سے مشہور نہیں۔ فرمانے لگے: اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ وایمن التحیات کی بیعت نصیب ہو گی اور اس فقیر کا مرتبہ اس سے کمتر ہے کہ شیخ عبدالعزیز مجھے خواجہ سے تعبیر کریں۔

فقیر (مصنف) کو اسی طرح یاد ہے۔ بعض احباب شیخ عبدالعزیز کی جگہ خواجہ نقشبند رحمہ

اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

سیرِ ولایت

اس کے بعد میں ظہورِ تعبیر کا منتظر رہا اور اکثر درود پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات درود پڑھ رہا تھا کہ ایک نورانی شبیہ چاند کی شکل میں ظاہر ہوئی حالانکہ اس رات چاند نمودار نہیں تھا اور آہستہ آہستہ پوری روئے زمین پر پھیلنا شروع ہوئی' اس کے بعد وہ میرے سر اور جسم پر وارد ہوئی' جب تک وہ نورانی شبیہ میرے سر سے قدرے پَرے تھی تو میں ذوق و شوق میں سرمست ہو رہا تھا۔ جب عین سَر پر آئی تو بے ہوش ہو گیا اور نظر بہ ظاہر میرا وجود غائب ہو گیا۔ واللہ اعلم' کیونکہ میرے والد نے مجھے بہت ڈھونڈا' مگر نہ پایا جس کے سبب ان پر اضطراب اور پریشانی چھا گئی۔ اسی غیاب اور گمشدگی کی حالت میں' میں نے آسمان پر آسمان طے کرنا شروع کئے' یہاں تک کہ ان سب کو پار کر گیا' حتیٰ کہ بارگاہِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جا پہنچا' جہاں انہوں نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر نفی واثبات کی تلقین فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا اور اپنی پہلی حالت میں آ گیا۔ چند دنوں بعد خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا' وہ انجام پذیر ہو چکا ہے' اب میری اصلاح و تربیت کا کیا سامان ہو گا؟ فرمانے لگے کہ ظاہراً بھی ضرور کسی سے بیعت کرنی چاہیے۔ عرض کی: جی چاہتا ہے کہ آپ سے بیعت کرلوں۔ فرمانے لگے: تمہیں بہت ہی دوست رکھتا ہوں' نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنی بیعت میں لوں۔ عرض کی: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ دوستی' بیعت نہ لینے کا سبب کیونکر ہو سکتی ہے؟ فرمایا: مطلب یہ ہے کہ میں بعض غیر شرعی اُمور کا مرتکب ہوں اور اتباعِ سنّت میں قدرے غفلت و کاہلی کا روادار! کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے تعلق و ربط کی بناء پر تمہارے قدم جادۂ شریعت سے ہٹ جائیں۔ ہاں! البتہ صحبت و مجلس میں آتے رہو' فیض و بخشش سے کبھی دریغ نہ کروں گا۔ عرض کی: تو پھر جس سے فرمایئے توسّل کرلوں۔ فرمانے لگے: اگر شیخ آدم[1] بنوری رحمہ اللہ قدس سرہٗ کے خلفاء میں

---

[1] سید آدم بنوری حسینی رحمہ اللہ آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا' مگر بنور میں سکونت اختیار کر لی تھی' سلوک کی ابتدائی تعلیم حاجی خضر سے حاصل کی' بعد ازاں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ اُمی محض تھے' لیکن باطنی طریق پر قرآن مجید حفظ کر لیا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کوئی مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ کیونکہ یہ لوگ اتباعِ شریعت، ترکِ دنیا اور تہذیبِ نفس میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسروں کو میسّر نہیں۔ عرض کی کہ ہمارے پڑوس میں ان کے خلفاء میں سے سید عبداللہ رحمہ اللہ قیام پذیر ہیں۔ فرمایا: غنیمت ہیں۔ جلد ہی ان سے ربط پیدا کرنا چاہیے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود اس کے کہ تنہائی، عُزلت نشینی اور کم آمیزی ان پر غالب تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی بیعت میں قبول فرمالیا۔ بیعت کے بعد میں حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ اور سید عبداللہ رحمہ اللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا۔

نفی واثبات اور سرورِ کائنات ﷺ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اسم ذات[1] کا شغل جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا، مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت ہی کیف وسرور حاصل کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں شغل نفی واثبات[2] نہیں کرسکتا تھا۔ اگر کبھی کرتا تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی اور اس پر قادر نہ ہوسکنے کی بناء پر میں ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔ حضرت سیّد عبداللہ قدس سرہٗ سے اس کوتاہی کا علاج دریافت کیا۔ بارہا توجہ فرمائی، مگر عقدہ حل نہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور دیگر علوم بھی حاصل کئے۔ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار سے زائد طالبانِ معرفت ہر وقت جمع رہتے تھے۔ ایک دنیا آپ سے فیض یاب ہوئی۔ ایک سو کے قریب نامور خلفاء ہیں۔ خیر البلاد مدینہ طیبہ میں ۱۳ شوال ۱۰۵۳ھ میں انتقال فرمایا، جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب مدفون ہیں۔

[1] اسم ذات کا شغل یہ ہے کہ اسم ذات (اللہ) کا لطیفۂ قلب میں دھیان رکھے، جس کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ بلالحاظ وقت وطہارت، ہاں طہارت اولیٰ ہے کیونکہ طاہر ومطہر کا ذکر طہارت سے ہونا چاہیے۔

[2] شغل نفی واثبات، دَم بند کرے اور لا کو لطیفۂ سرّی خفی اخفی تک۔ وہاں سے اِلٰـہ لطیفہ روحی تک۔ وہاں سے الا اللّٰہ، اور ہائے اللّٰہ دل پر مارے۔ ایک ہی حبس میں اکیس دفعہ، دوسری بار محمد رسول اللہ ملائے۔ اگر اکیس تک نہ پہنچ سکے تو جہاں تک پہنچ جائے۔ یہی عدد، اکیس بار تمام وظیفہ ہے۔

www.maktabah.org

فرمانے لگے کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کے انفاسِ طیّبہ کی توجہ کے سبب استحکام حاصل کرے، ہم اس میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور رجوع کیجئے، اس نقص و خامی کا علاج ان کی بارگاہ سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں التجا کی، جس کے نتیجے میں شغل نفی واثبات مجھ پر غالب آیا اور بہت ہی آسان ہو گیا۔ اس انداز پر کہ میں کم سنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دوسو مرتبہ یہ ذکر کر سکتا تھا۔ میں نے کسی طالبِ حق میں اس ذکر کے لیے ایسی جذب و کشش نہیں دیکھی، باوجود اس بات کے کہ میں تحصیلِ علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانعات بھی حائل تھے، مجھے نفی واثبات میں سُرور حاصل ہونے لگا۔

حضرت خواجہ حافظ سیّد عبداللہ قدس سرہٗ

شوقِ علم و ہدایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ رحمہ اللہ اصل میں قصبہ کھیڑی کے رہنے والے تھے، جو بارہہ کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیڑی وطن بنالیا تھا۔ کم سنی ہی میں ان کے والدین فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اسی وقت سے خُدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جگہ جگہ اولیائے کرام کی تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے، جو علمِ قرأت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے بالکل فارغ البال اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سیّد صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق طلب کرنے لگے، ان بزرگ نے سیّد صاحب سے فرمایا کہ تمہاری تلقین و ہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے، جہاں تم ان شاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ ہاں حفظِ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجئے۔ چنانچہ سیّد صاحب اسی جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا، ان بزرگ کے فیضِ محبت سے گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی

کے انداز حاصل کیے۔

مجالسِ قرآن میں حضور ﷺ کی تشریف آوری

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دن وہ بزرگ اور حضرت سیّد صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ کچھ لوگ عرب صورت، سبز پوش، گروہ در گروہ ظاہر ہوئے۔ ان کا سردار مسجد کے قریب کھڑا ہو کر ان قاریوں کی تلاوت سُننے لگا اور کہا: ''بارک اللّٰہ ادیّت حَقَّ الْقُرآنِ'' (اللہ برکت دے، تلاوتِ قرآن کا خوب حق ادا کیا) یہ کہہ کر واپس پلٹے۔ ان بزرگ کی عادت تھی کہ تلاوتِ قرآن کے وقت آنکھوں کو نیند کی سی حالت میں رکھتے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب زیرِ تلاوت سورت کو آخر تک پہنچایا تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اُٹھا، مگر عظمتِ قرآن کے سبب میں اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکا۔ سیّد صاحب نے کہا: قبلہ! یہ اس وضع کے لوگ تھے، جب ان کا سردار پہنچا تو مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں، مجبوراً اٹھا اور ان کی تعظیم بجالایا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی وضع قطع کا ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کل مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے اس جنگل کے رہنے والے حافظ کی تعریف وصفت فرما رہے تھے اور ساتھ ہی فرما رہے تھے کہ کل علی الصباح ہم اُسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سُنیں گے، کیا آپ تشریف لائے تھے یا نہیں؟ اگر آئے تھے تو کدھر کو گئے۔ ان دونوں بزرگوں نے جب یہ بات سُنی تو دائیں بائیں دوڑے مگر کوئی نشان نہ پایا (اللہ ان دونوں کی قبروں پر رحمت کے پھول برسائے)۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کا گمان ہے کہ حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد مدتوں اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی، جسے لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔

طالبانِ حق کے ادنیٰ مجاہدات

جب حفظِ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رُخصت عطا فرمائی کہ جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحبِ ولایت ملے اس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو۔ یہ سیر کرتے ہوئے ''سامانہ'' میں شیخ ادریس سامانی رحمہ اللہ کی خدمت میں جا پہنچے۔ یہ بزرگ

متوکل تھے اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے فرمایا کہ فقیر بہت سارے ہیں، کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ میرے پاس تو اس مُردے[1] کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا جو طعام، لباس اور تعلقاتِ دنیوی سے بالکل کٹ چکا ہو اور حوائجِ ضروریہ کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔ حضرت حافظ عبداللہ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور ان کے سامنے راہِ سلوک طے کرنا شروع کیا، بلکہ مردانہ وار اس اختیاری موت پر صابر اور رضامند رہے۔ یہ دیکھ کر ان پر حضرت شیخ نے اپنی توجہ بڑھا دی۔ اسی اثناء میں شیخ کا بیٹا ان سے قرآن مجید حفظ کرنے لگا، جس کی بناء پر شیخ کی توجہ دُونی ہوگئی اور انہوں نے بھی شیخ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت حافظ سیّد عبداللہ فرماتے تھے ان دنوں میں نے اپنی عادت بنالی تھی کہ درویشوں کے لیے استنجے کے ڈھیلے پتھر سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا۔ ایک روز اسی حقیقت پر غور کرنے سے اپنے اندر کبر و نخوت اور خود پسندی کا سُرور پایا۔ شیخ میری اس حالت پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میرے چہرے اور جسم پر کوئی نشان یا تبدیلی دیکھتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے لیے استنجوں کے ڈھیلوں کو اپنے چہرے اور بدن سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا اور اس سے مجھے ایک روحانی لذّت ملتی تھی۔ یہ زخموں کے نشانات اسی کی یادگار ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ حضرت شیخ اور اُن کے اہلِ خانہ کے کپڑے ہر جمعرات کو ندی کے کنارے لے جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تاکہ نمازِ جمعہ صاف ستھرے کپڑوں سے پڑھ سکیں۔ ایک بار اتفاق سے جمعرات کے دن میں فاقہ سے تھا اور دستور کے مطابق کپڑے سر پر اُٹھا کر ندی کے کنارے چلا گیا۔ آدمیوں سے ایک طرف ہو کر

---

[1] رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی نیت سے ایسا کرنا مذموم ہے، مگر نفس کشی اور پوری توجہ ایک نقطے پر جمانے کے لیے یہ عمل محمود ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بعثت سے پہلے غارِ حرا میں قیام فرمایا، ذاتِ حقیقی کے عرفانِ خالص کی خاطر دنیاوی آلائشوں سے یکسوئی ہی کا یہ عمل ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا۔ یا حضور ﷺ کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرمانا کہ اپنے آپ کو اہلِ قبور میں سے شمار کر۔ (ترمذی)

www.maktabah.org

کپڑے دھونے میں مشغول ہو گیا۔ جب سورج تیز ہو گیا' بھوک اور پیاس کی شدت نے غلبہ پایا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ناگاہ ایک برقع پوش میرے سر پر پہنچا اور مجھے بیدار کیا' برقعے میں سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور کہا: کیا تو نے یہ نہیں پڑھا: ''ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ'' (اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں شیطان تو نہیں جو مجھے دھوکا دے رہا ہے؟ اس بناء پر میں نے روٹی قبول نہ کی' وہ بزرگ میرے اس اندیشے پر مطلع ہوئے فرمایا: اے فلاں! یہ گمان مت کر۔ یہ لفظ سنتے ہی یہ خیال میرے دل سے دُور ہو گیا۔ میں نے روٹی پیٹ بھر کر کھائی۔ دل میں خیال آیا کہ نہر کا پانی گرم ہے' کاش یہاں ٹھنڈا پانی ہوتا تا کہ سیر ہو کر پیتا۔ وہ اس کھٹکے پر بھی مطلع ہو گئے اور برقع کے اندر سے مجھے پانی کا آبخورہ نکال کر دیا' نہایت ٹھنڈا پانی تھا۔ میں نے جی بھر کر پیا اور پھر کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی مجھے دیکھا' فرمانے لگے: سید! خضر (علیہ السلام) کے ہاتھ سے روٹی لے لی؟ محمدیوں کو خضرؑ کا احسان ہرگز نہیں اٹھانا چاہیے۔

عالمِ استغراق

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے: ایک مرتبہ حضرت خواجہ ادریس سامانی رحمہ اللہ حجرے میں یادِ خدا میں مشغول تھے۔ ان کے اہل خانہ کی عادت تھی کہ ہر سال اسی حجرے میں جانوروں کے لیے گھاس' بھوسا وغیرہ ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی گھڑی اہل خانہ نے حُجرے میں گھاس ڈالنا شروع کی۔ انہیں حجرے میں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہو سکا۔

ؑ حضرت خضر علیہ السلام کے نسب و خاندان اور دیگر حالات کے بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں ملتیں۔ قرآنِ مجید سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ کے ایک برگزیدہ بندے سے ملاقات ہوئی تھی۔ جن کو علم لدنی حاصل تھا اور یہ علم علومِ تشریعی سے جداگانہ تھا۔ حضرت خضر کے بارے میں آبِ حیات کا جو افسانہ لوگوں میں مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے' رہی یہ بات کہ وہ زندہ ہیں اور مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں' اگرچہ یہ بات براہِ راست کتاب و سنت سے مُستند طور پر تو ثابت نہیں ہوئی' مگر اکثر علماء' مشائخ' صوفیاء اور اہل معرفت کے نزدیک ان کا زندہ ہونا متفق علیہ ہے' چنانچہ حضرت خضر کی زیارت' ملاقات' مشکل معاملات میں ان کی دستگیری کے قصے اس کثرت سے زبان زدِ خاص و عام ہیں کہ ان کا شمار اور انکار نہیں۔

نیز شیخ بھی اپنی ہستی سے اس قدر بے خبر اور محو تھے کہ انہیں اپنے اوپر گھاس پڑنے کا احساس تک نہ رہا۔ چنانچہ حجرے کو گھاس سے بھر کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ گچھ کی گئی۔ مسجد میں بھی ڈھونڈا گیا' لیکن کہیں نہ ملے۔ آنے جانے والوں سے پوچھا گیا' کچھ معلوم نہ ہوا۔ مایوس ہو کر تلاش و تجسّس بھی چھوڑ دی۔ چھ ماہ بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھلا اور گھاس باہر نکالنے لگے۔ بالآخر ایک دن گھاس اُٹھانے والے کا ہاتھ شیخ پر جا پڑا تو وہ چونک اُٹھا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ جب اچھی طرح ٹٹولا تو شیخ کو پہچان لیا' یہ سُن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور اس وقت شیخ کو بھی حالتِ سکر سے افاقہ ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نہ تو انہیں درازیٔ مدت کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم و جان پر کچھ نہ کھانے پینے سے کوئی اثر پڑا اور یہ واقعہ عجیب و غریب واقعات میں سے ہے۔

واللہ اعلم

مقام مجدّد رحمہ اللہ تعالیٰ

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ[1] کے ارشادات و کمالات

[1] حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ المعروف مجدد الف ثانی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبدالاحد فاروقی رحمہ اللہ بھی مشہور عالم اور بزرگ تھے۔ مجدد الف ثانی نے سترہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون اور حفظِ قرآن سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے طریقۂ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ سکندر رحمہ اللہ نبیرۂ شاہ کمال کیتھلی رحمہ اللہ اور طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے خلاف و اجازت حاصل کی' احیائے سنت کے سلسلے میں آپ نے بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ اکبر کے دینِ الٰہی اور جہانگیر کے غیر اسلامی رسوم کے خلاف یہ مردِ خدا علی الاعلان ڈٹ گیا۔ ہمارے دینی لٹریچر میں آپ کے مکتوبات کا بہت اہم مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ ہر دور کے مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے اور آپ کی ذات عالمِ اسلام کی مایہ ناز شخصیات میں سے ایک ہے۔ آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ شیخ احمد وہ آفتاب ہے جس میں ہم جیسے کئی ستارے گم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے متقدمین صوفیاء کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا' جو بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا' آپ کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔ سرہند شریف میں مزار مرجع خلائق ہے۔

عام ہوئے تو شیخ ادریس رحمہ اللہ نے ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں تو آسمان کو معدوم پاتا ہوں اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کو بھی موجود نہیں پاتا اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی غیر موجود پاتا ہوں اور وجودِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو بے پایاں ہے' جس کی انتہا کو کوئی نہیں پا سکا۔ تمام مشائخ بھی محض یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں اور اس مقام سے آگے کوئی نہیں جا سکا۔ اگر آپ بھی اسی انتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی دوسری بات اس کمال سے وراء معلوم ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجئے تاکہ ہم اور ہمارے ایک دوست جو اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں' وہاں تک پہنچ سکیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا:

میرے مخدوم! یہ اور اس قبیل کے دوسرے حالات تلوین قلب[1] کا نتیجہ ہیں۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقاماتِ قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا۔ ابھی اُسے تین حصے طے کرنے چاہئیں تاکہ معاملۂ قلب کو بتمام و کمال طے کر کے سمجھ سکے۔ مقامِ قلب سے گزرنے کے بعد مقامِ روح آتا ہے۔ مقامِ روح[2] سے آگے بڑھئے تو مقامِ سر کا دروازہ کھلتا ہے اور مقامِ سر کو طے کیجئے تو مقامِ خفی تک رسائی ہوتی ہے۔ تب جا کر کہیں مقامِ اخفیٰ کے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔ ان چار حصوں کے علاوہ قلب پر کچھ اور اثرات بھی مرتسم ہوتے ہیں' جن کے احوال و کیفیات جُدا جُدا ہیں۔ ان تمام کو فرداً فرداً طے کرنا چاہیے (آخر مکتوب تک)۔

یہ خط پڑھ کر شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی خدمت

---

[1] تلوینِ قلب راہِ سلوک میں ابتدائی منازل کا نام ہے' جہاں ابھی تک سالک صفات کے چکر میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور ذات تک اس کی رسائی نہیں ہوتی' ان حالات کے تعدد کی وجہ سے قلب کو قرار حاصل نہیں ہوتا' اسی کیفیت کا نام تلوین ہے۔

[2] مکتوب گرامی میں لطائف ستہ کی طرف اشارہ ہے جو یہ ہیں: (۱) قلب (۲) روح (۳) نفس (۴) سر (۵) خفی (۶) اخفی۔

www.maktabah.org

میں حاضری دینے اور ان کی عزیمتِ صحبت سے فیض حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا' مگر بعض موانعات کے سبب ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی' یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندی کے ایام رُشد و ہدایت پورے ہو گئے۔

کچھ بعید نہیں کہ یارِ دیگر سے مراد سید عبداللہ شاہ ہوں۔ فقیر (مصنف) کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد یہ قصہ حضرت شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کے سلسلے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

ولی کی وسعتِ نظر

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہر چیز میں ایک خدا نظر آتا ہے اور ہر در و دیوار کو اس ایک نُور کی تجلیات سے بھرپور پاتا ہوں۔ شیخ آدم نے جواب میں لکھا کہ بابرکت اور عجیب حالت ہے' لیکن کاملینِ سلوک کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی! کسی کوچۂ تنگ سے گزرنے کا سوال نہیں کہ راہِ سلوک میں اتنے سمٹ کر رہ گئے ہو۔ یہاں تو ایک شاہراہِ عظیم کھلی ہوئی ہے' جس پر توسنِ فکر و خیال کو بڑھا چڑھا کر دوڑایا جا سکتا ہے۔ یہ پڑھ کر ان پر شیخ آدم رحمہ اللہ کی ملاقات کا شوق غالب آیا' مگر قضائے الٰہی کہ وہ انہی دنوں بیمار ہو کر رحمتِ خداوندی کے سائے میں چلے گئے۔ اور سید عبداللہ اسی واقعے کی بناء پر ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے۔

(نوٹ) معلوم نہیں کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو سہو و نسیان سے ذرا تبدیل ہو گیا یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

حاصلِ کلام سید عبداللہ' شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صورت میں ایک عالی مقام' متبع شریعت' حاملِ عرفان با اثر شیخ کو پا لیا۔ ان کی طرزِ زندگی اور طریقِ فقر کو پسند کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی قوتوں کو شکست دے کر مدتوں ان کی صحبت میں مستحکم اور مقیم رہے۔ واضح رہے کہ سید عبداللہ رحمہ اللہ کے چچا یا چچازاد بھائی جن کا نام نامی سید عبدالرحمٰن تھا' نہایت خوش حال تھے اور ان کا شمار بڑے امراء میں ہوتا تھا' مگر ساتھ ہی دین داری میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت والد ماجد ان کی دین داری کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ امیر نما درویش بھی شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کا مرید تھا۔ اسی بناء پر حضرت سید عبداللہ

انتقالِ شیخ کے بعد ہمیشہ سید عبدالرحمٰن کی صحبت میں رہتے تھے اور آپس میں انتہائی محبت وانس رکھتے تھے۔ حضرت سید عبداللہ عفیف و پاک دامن تھے۔ زندگی بھر شادی نہ کی۔ محلۂ ''کوشک نز'' میں حضرت عبداللہ کی اقامت کا سب سے بڑا سبب سید عبدالرحمٰن موصوف کی رفاقت تھی۔ شیخ آدم کے تمام مکتوبات میں جو سید عبداللہ کے نام لکھے جاتے رہے' سید عبدالرحمٰن کا ذکر بھی متصلاً ملتا ہے۔ شہادت کے طور پر شیخ آدم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو مکتوب بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں' جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوئے۔

نامہ شیخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ

خیرِ خلقہٖ محمّد و آلہٖ اجمعین الاکرمین.

اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق جمعیّتِ خاطر اور اطمینانِ قلب کی توفیق ارزانی کرے اور ہمارے دلوں کو خالص ومخلص رکھے۔

زاں یارِ دلنوازم شکریست نے شکایت گر نکتہ داں عشقی خوش بشنوایں حکایت

(اگر نکتہ داں عشق ہو تو مجھ سے یہ لُطف انگیز بات سنو کہ اس محبوب دلنواز کا ہر حالت میں شکر گزار رہنا چاہیے۔ کسی بھی عالم میں زبانِ شکایت نہ کھولئے۔)

ہمارا یہ فقیرانہ سلام نامہ ان برادرانِ معنوی تک بطریقِ انتباہ مطالعہ سے گزرے کہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا۔ اللہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے ہی راہِ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق' اس کے حبیب' آلِ اطہار' اصحابِ کبار اور تابعینِ ذی وقار کے طفیل نصیب ہوتی ہے۔ ان سب پر صلوٰۃ وسلام ہوں۔ یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تسلیمات مطالعہ فرمائیے۔

حضرت شیخ آدم بنوری کا دوسرا مکتوب جو سیادت پناہ سید عماد' حافظ عبداللہ اور حافظ عبدالرحمٰن کے نام صادر ہوا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ علی خیر خلقہٖ

www.maktabah.org

کے ساتھ تعلق کی محتاج ہوتی ہے' جب ہم ضیائے شمس کی پہلی حالت پر نگاہ کریں تو اسے اشراق اور رفع ظلمت کا نام دیا جائے گا اور دوسری حالت یعنی جب وہ پوری آب و تاب کو پہنچے تو اسے اِبقاءِ نور کا نام دیا جاتا ہے اور اسی کو تجدد کہتے ہیں' تجدد امثال کی حقیقت اسی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔

صفاتِ باری

فرمایا کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ ذات محض صفات زائدہ قائمہ بالذات سے آثار کے ظاہر ہونے میں کفایت کرتی ہے۔

حسن ذاتی اور قبح نسبتی

فرمایا: جو کچھ اس عالم میں ہے' حسن ذاتی اور قبح نسبتی رکھتا ہے' اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش فرمایا کرتے تھے' مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہٖ ایک خوبی ہے جو فولاد کے کمال کا اثر ہے مگر ایک مظلوم شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے تلوار کی یہ خوبی قبیح نظر آتی ہے' اسی طرح اور مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔

مسمّٰی حقیقت

فرمایا: مخلوق کو مسمّی ءِ حقیقت میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کا فہم و عقل اور ادراک و اندیشہ وہاں بار نہیں پا سکتا' ہاں! البتہ مسمّی کو اللہ کی حقیقت میں محض اس قدر دخل ہے کہ وہ اپنے تمام اسماء و صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کا ہندی دوہا

ایک دن اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا ؎

جب جیو نہ تھا تب پیو نہ تھا اب پیو ہے جیو ناتھ رحیم پیاسوں یوں ملے جوں بوند سمندر ناتھ

حضرت والا کے مجموعۂ خاص میں ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا' آپ چونکہ ایسی باتیں بہت کم بیان کرتے تھے' لہٰذا مجھے تعجب ہوا اور حضرت والا سے پوچھا کہ یہ دوہا حضرت نے نظم فرمایا ہے یا کسی اور نے؟ تو فرمایا کہ یہ شعر میرا ہے اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

www.maktabah.org

لطائف ستہ اور ان کے مقامات

ایک دن یہ ذکر چلا کہ لطائف ستہ[1] کیا ہیں؟ اور دورِ آخر کے صوفیاء نے اُن کے لیے کون کون سی جگہیں معین کی ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ۔ جب میں لایا تو آپ نے ایک دائرہ بنا کر فرمایا: یہ قلب ہے' پھر اس دائرے کے بیچ میں ایک اور دائرہ بنا کر فرمایا: یہ رُوح ہے' اس طرح دائرہ کے اندر دائرہ بناتے رہے' یہاں تک کہ مقام انا تک پہنچے تو فرمایا کہ لطائف کی صورت میں ہمیں سب سے زیادہ یہ پسند ہے' باقی سب مختلف رُخ اور اعتبارات ہیں اور پھر خواجہ نقشبند رحمہ اللہ کے اس قول کو کہ ع

آئینہ ما را شش جہت است

(ہمارے شیشے کے چھ رُخ ہیں)

اس مسئلے کے ساتھ خوب مطابقت دی۔

شاہ عبدالرحیم یا ابوالفیض؟

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ حضرت والا کا نام نامی عالم ملکوت میں ابوالفیض ہے۔ اس بارے میں مَیں نے آپ سے خلوت میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں! ایسے ہی ہے اور تمہارا نام عالم ملکوت میں ابوالفیاض ہے۔

مباش در پے آزار الخ

ایک دن حضرت والا نمازِ ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر — خاطر کس را مرنجاں الحذر

در طریقت رکن اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا کہ قلم دوات لاؤ اور لکھ لو کیونکہ حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القاء فرمایا ہے تاکہ تجھے اُن کے ذریعے وصیت کروں' پھر اشارے سے فرمایا کہ یہ بہت

[1] اصل متن میں ''لطائف ستہ'' مرقوم ہے۔ میرے پاس تین مختلف نسخے موجود ہیں' سب میں اسی طرح ہے' میں نے لطائف ستہ سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

www.maktabah.org

بڑی نعمت ہے، جس کا شکر لازم ہے، یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مرقع ہے ؎

اے کہ نعمت ہائے تو از حد فزوں شکر نعمتہائے تو از حد بروں
عجز از شکرِ تو با شد شکرِ ما گر بود فضل تو مارا رہنموں

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے جواہر پارے

اس فقیر کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملات دنیوی کے طریقے اور حکمتِ عملی خوب سکھلاتے تھے، ان میں سے جو کچھ حافظے میں باقی رہ گیا ہے، اس میں سے چند جواہر پارے یہ ہیں:

☆ فرماتے تھے: مجلس میں کسی بھی قوم کی تنقیص مت بیان کرو، یہ نہ کہو کہ پُورب والے ایسے ہیں اور پنجابی ایسے، افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے، ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مرد میدان بیٹھا ہو یا اس علاقے کا کوئی باحمیت آدمی اور وہ اسے بُرا سمجھے اور اہل مجلس کا مزہ کرکرا ہو کر رہ جائے۔

☆ عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیے، چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ سب پھر جائیں اور مجلس بدمزہ ہو جائے۔

☆ اگر کسی آدمی سے کوئی کام ہو تو حاجت پیش کرنے سے پہلے بہت ہی خوب صورت تمہید باندھو اور پھر تدریجاً اپنی حاجت پیش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات کو اس شخص کے سامنے پتھر کی طرح دے مارو۔

☆ مجلس عام میں کسی شخص کی بھی کھلم کھلا تردید ہرگز نہ کرو۔

☆ آدمی کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے جس سے اس کی صفتِ کمال کا اظہار ہوتا ہو مثلاً دانش مند کو دانش مندوں کا سا لباس پہننا اور ان جیسی زندگی گزارنی چاہیے اور فقیر کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریق فقر اختیار کرنا چاہیے۔

☆ بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ اور گنجلک الفاظ استعمال کرنا اور بہت ہی آہستگی سے بات کرنا مناسب نہیں۔

☆ اگر تم سے شجاعت، سخاوت یا جواں مردی کی کوئی بات ظہور پذیر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہیے کہ لوگ تمہارے اس کمال سے باخبر ہوسکیں۔

www.maktabah.org

☆ بیمار پُرسی کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے نہ کہ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے اطلاع پانا' اسی طرح تعزیت' سفارش اور اس قسم کی دوسری باتیں' پس جو شخص یہ سب چیزیں بجالاتا ہے اور صاحبِ معاملہ کو اپنی محنت سے مطلع نہیں کرتا تو سمجھ لیجئے! اس کی ساری محنت ضائع گئی۔

اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو' اسی قبیل میں شمار ہوگا۔

☆ دوسروں کو رخصت کرتے وقت یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

☆ اگر تم سے کمتر درجے کے لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اس بات کو انعامات الٰہی میں سے ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ' ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور اُن کی خیر و عافیت پوچھو' اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری معمولی توجہ انہیں بہت بڑی خوبی نظر آئے اور اس پر وہ ایسے مر مٹیں کہ دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں تو دل شکستہ ہو جائیں

صد ملکِ دل بہ نیم نگاہے تواں خرید خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

☆ بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ لباس یا کسی خاص عادت کو اپنے لیے ایک علامت بنا لیتے ہیں یا کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی ایک طعام سے مصنوعی نفرت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر لوگ ان عادات کی بناء پر انہیں اپنی مزاح و ظرافت کا نشانہ بناتے ہیں۔

☆ بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں یعنی اگر تیری محبت آہستہ آہستہ ان کے دل میں بس جائے تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی' نہ خوشی و مسرت کے عالم میں اور نہ رنج و غم کے حالات میں ایسے دوست کو غنیمت جان کر اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھنا چاہیے۔ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے' اس لیے ہر دوست کی حیثیت پہچاننی

www.maktabah.org

چاہیے اور سب کو ایک مقام نہیں دینا چاہیے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اہل عقل اور اربابِ حکمت کے نزدیک انسان کو ضروریاتِ زندگی کے استعمال میں صرف لذت اندوزی مقصود نہ ہو بلکہ زندگی کی سب نعمتیں دفع حاجت' حصولِ فضیلت اور ادائے سنّت کے ارادے سے حاصل کرنی چاہئیں۔

بول چال' سیر وسفر اور نشست و برخاست میں ضعف ونقاہت کے باوجود مردانِ اولوالعزم کی سی طرز و عادت کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر سوء اتفاق سے کوئی عیب یا مکروہ فعل یا بخل تجھ سے صادر ہو تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہیے اور اس عیب کی مدمقابل صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ عیب یا عادتِ بدطبیعت میں راسخ نہ ہو جائے۔

جب آدابِ سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور ٹھگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفرِ اکبرآباد میں پیش آئے وہ بھی سنایا کرتے تھے۔

سراپائے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت والا شجاعت' فراست' قناعت اور غیرت ایسے اخلاقِ حسنہ سے پورے طور پر بہرہ ور تھے اور اُمورِ آخرت کی سمجھ بُوجھ کے ساتھ ساتھ اس دنیا کے معاشی اور اقتصادی اُمور پر بھی دسترس رکھتے تھے اور ہر کام میں میانہ روی کو پسند فرماتے تھے' نہ اس قدر اُمور دنیا سے غافل اور زہد میں مستغرق تھے کہ عبادات کو رہبانیت سے ملا دیں اور نہ اس قدر آدابِ عبادت اور قیودِ مذہب سے بیگانہ کہ سستی میں شمار ہو۔ آپ کے لباس اور وضع قطع سے ہمیشہ بے تکلفی ٹپکتی تھی' موٹا جھوٹا اور نرم وگداز جیسا بھی میسّر آتا پہن لیتے تھے' یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بغیر طلب کیے ہوئے انہیں ہمیشہ اعلیٰ لباس عنایت فرمایا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے دنیا پہ لات ماری ہے' اب تک اپنے لیے بازار سے بھی لباس نہیں خریدا' نہ دستانہ' نہ جامہ اور نہ جوتے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ یہ چیزیں بوقتِ ضرورت کثرت سے دیتا رہتا ہے' ایک دن آپ نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک خشک صوفی نے اس بارے میں بحث شروع کر دی' آپ فرمانے لگے: میرے لباس کی ہر تار جو شال در شال

www.maktabah.org

ہے' محبتِ الٰہی کی کمند یعنی جال ہے کیونکہ یہ میرے سعی وارادے کے بغیر اس کارساز حقیقی نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ موٹے کھدّر کے دھاگوں پر مشتمل ہے' مگر وہ تیرے لیے اژدہا ہے کیونکہ تو نے اسے اپنی سعی وکوشش سے حاصل کیا ہے۔

حضرت والد ماجد امراء کے گھر نہیں جاتے تھے اور یہ دروازہ اپنے لیے بالکل بند کر رکھا تھا' اگر یہ لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے تو آپ بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور سرداران قوم کو خاص اکرام اور اعزاز سے نوازتے تھے' اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض انجام دیتے تھے' امراء آپ کے امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور ایسے مسائل کو جو قیاسِ ظنی سے ثابت ہیں' انتہائی سعادت مندی سے قبول کر لیتے تھے۔ علم اور علماء کی تعظیم اور جہلاء اور جہالت سے نفرت ہمیشہ آپ کا دستور رہا۔ ہر حال میں آثارِ نبویہ کی پیروی آپ کی زندگی کا مشن تھا' آپ کی مستقل مزاجی کا عالم یہ تھا کہ سوائے عذر شرعی کے اپنی پوری زندگی میں نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی' بزرگوں کا قول ہے: ''الاستقامة فوق الکرامة'' (سنت نبوی ﷺ پر استقامت کرامت سے بہتر ہے) آپ نے اپنے بچپن اور شباب میں بلکہ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی غیر شرعی اُمور کی طرح رغبت نہیں کی' گویا طریقِ محمدی ﷺ کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔

اُمورِ ضروری کے سلسلے میں آپ خرید وفروخت بھی خود کیا کرتے تھے' عمامہ وغیرہ میں نہ تو برخود غلط فقہاء کا نمونہ اختیار کرتے اور نہ رسوم وقیود سے آزاد فقیروں کی طرز' بلکہ مشائخ صوفیاء کی طرح لباس استعمال فرماتے تھے۔

مجموعی طور پر بے تکلّفانہ زندگی بسر کرتے تھے' بجز اشد ضرورت کے قرض لینا ناپسند فرماتے تھے اور ایسے لوگوں سے اظہارِ ناراضی فرماتے' جو مختلف طعاموں اور میوہ جات کھانے کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے' آپ انہیں سرزنش فرمایا کرتے تھے۔

معمولاتِ شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کو ہر علم میں بہرۂ وافر حاصل تھا' کسی فن کو بھی چھوڑنے پر آپ کی طبع رسا راضی نہیں ہوتی تھی' فنِ طب میں تو آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافلِ تہجد بلاقیدِ رکعات نشاط ورغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے' پڑھتے تھے۔ اشراق اور چاشت کے

علاوہ نمازِ مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے' اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ آپ قرآن مجید' قواعدِ تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی سے پڑھتے تھے۔ روزانہ تلاوت کے علاوہ اکثر و بیشتر دوستوں میں ہر دن ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی دو تین رکوع پڑھتے تھے۔ ایک ہزار مرتبہ درود پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذکر نفی واثبات' کبھی نمازِ فجر سے پہلے جہراً اور کبھی ذکر خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات ہمیشہ بلاناغہ پڑھتے تھے۔ باوجود ضعیفی اور بڑھاپے کے یہ وظائف ہمیشہ جاری رہتے تھے' بجز ان اوقات کے جن میں آپ پر روحانی بے خودی طاری ہو جاتی اور یہ بے خودی کبھی کبھی بہت طویل ہو جاتی تھی۔

سیّدنا و مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض احباب کی درخواست پر آپ نے پہلے انداز پر وعظوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا' اکثر مشکوٰۃ شریف' تنبیہ الغافلین اور غنیۃ الطالبین کا درس دیتے تھے اور آخر میں تفسیر قرآن بھی شروع کر دی تھی' جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو ضعف غالب آ چکا تھا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس فقیر نے آپ کی زبان سے بارہا سنا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے درود شریف اور مجرد توجہ کی بدولت پایا ہے' آپ غنائے ظاہری کے لیے روزانہ گیارہ مرتبہ سورۂ مزمّل اور گیارہ سو مرتبہ ''یَا مُغْنِی'' پڑھتے تھے' جس کی بدولت ہر حالت میں بغیر کسی ظاہر سبب کے حق سبحانہٗ و تعالیٰ لوگوں کو دلی طور پر ان کی خدمت میں مصروف رکھتا تھا۔ آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو پرانے دستور کے مطابق صیام و قیام میں مشغول ہو گئے' حالانکہ پیرفانی ہونے کی وجہ سے روزے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور شرعی طور پر بھی آپ رخصتِ افطار کے مستحق تھے۔ یہ فقیر اور سارے گھر والے جب آپ سے پوچھتے کہ رخصتِ شرعی کے باوجود اتنی تکلیفیں کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ تو فرماتے کہ ضعیفی کے سبب زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ بے ہوش ہو جاؤں گا اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے اپنے اندر پیدا کر رکھی ہے' یعنی حالتِ غیبت۔

صحبتِ یار آخر شد

جب شوال کا چاند نظر آیا تو اشتہا بالکل ختم ہو گئی اور کمزوری بڑھنے لگی' جس سے ہیضہ ہو

www.maktabah.org

گیا' چنانچہ زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی اور مُردوں کی طرح گر پڑے تھے' گرتے وقت یہ فقیر بھی حاضر تھا' زبان پر ''استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم'' جاری ہوا' بعد میں آپ رُوبصحت ہونے لگے اور مرض کی شدت گھٹتی گئی' یہاں تک کہ پھر ماہِ صفر کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ کا عزم یہ تھا کہ نمازِ فجر قضا نہ ہو' چند بار حالتِ ضعف میں پوچھا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں؟ حاضرین نے کہا: نہیں' جب موت قریب ہوئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا مگر ہماری نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: مجھے رو بقبلہ کرو' اور یوں اشاروں میں نماز ادا کی' حالانکہ وقتِ نماز میں شک تھا۔ نماز پڑھ کر زیرلب ذکر اسم ذات کرتے ہوئے زندگی مستعار کی امانت خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ الم ناک واقعہ بادشاہ فرّخ سیر کے آخر عہد میں بدھ کے روز ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو رونما ہوا۔ بادشاہ فرخ سیر حضرت والا کے تقریباً ایک ماہ بیس دن بعد قید ہو گیا اور سخت واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ستتر (۷۷) سال تھی۔ فتح چتوڑ کا واقعہ اور جامع مسجد شاہجہان آباد کی عمارت انہیں یاد تھی۔

ہم اپنے سردار اور مخدوم شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کے مناقب میں سے جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے' یہ اس کا حرفِ آخر ہے' اب اس سے متصل ہم سیّدنا و مخدومنا الشیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے مناقب کا ذکر کریں گے۔

www.maktabah.org

حصّہ دوم

درحالاتِ جناب معارف مآب امامِ طریقت وحقیقت،

کاشفِ حقائق مخدومنا

شیخ ابوالرضا محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگرچہ اصولی طور پر اس حصے کو پہلے پیش کرنا چاہیے تھے، مگر سند اور صحت کے لحاظ سے اس حصے کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ حصّہ اول کی اکثر روایات ایسی ہیں جو فقیر (شاہ ولی اللہ) نے بغیر کسی واسطہ کے سنی اور دیکھی ہیں اور اس دوسرے حصے کی اکثر باتیں فقیر کو ایک یا دو واسطوں سے ملی ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے

حمد کامل اس اللہ کی جس نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو منتخب کر کے مقامِ ولایت پر فائز کیا اور انہیں انوار و برکات کے لباس حقیقی میں ڈھانپ لیا اور ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کشادہ کر دیں اور ان کی زبانوں پر علم وحکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور ان کا منتہائے مقصود اقامتِ دین اور وصول الی الحق بنا دیا، جس کے نتیجے میں وہ ہادی ومہدی اور اربابِ تقویٰ کے پیشوا بن گئے، انہی بندگانِ خاص کو اس نے زمین و آسمان میں تمکّن عطا فرمایا، پاک ہے اس کی ذاتِ اقدس جس کے جود وعطا کا یہ عالم ہے اور جس نے اپنی بیکراں نعمتوں اور برکتوں سے ان بندوں کو نوازا ہے، بے شک وہ تنہا معبود برحق ہے۔ جس کا کوئی ہمسر نہیں اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا اور بلاشک وشبہ سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ اس کے رسول اور عبد ہیں، جن کی چمک دمک اور ضیاء ونور تمام انبیاء سے زیادہ کامل اور روشنی بخش ہے، ان پر اور ان کے آل واصحاب پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں گردشِ لیل ونہار تک ہوتی رہیں۔

www.maktabah.org

اس تمہید کے بعد فقیر کثیر التقصیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان سے لطفِ عظیم کے ساتھ پیش آئے) کہتا ہے کہ عمِ بزرگوار بلند قدر اہل ذوق و وجود کے پیشوا صاحبانِ معرفت و شہود کے امام' سلسلۂ اہل عرفان کے لیے رابطہ اور اہل کمال کی آنکھ کا تارا' خدائے بے نیاز کے ساتھ لَو لگانے والے سیدنا و مولانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد کے علم و عرفان سے اخذ کئے ہوئے یہ چند کلمات ہیں' جن کے مجموعے کا نام شوارق المعرفۃ تجویز کیا گیا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حضرت شیخ کے ابتدائی حالات

حضرت شیخ نے بچپن میں علومِ ظاہری حافظ بصیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کئے تھے' جو زمانۂ شاہجہاں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے' ان کے علاوہ خواجہ محمد باقی کے صاحبزادے خواجہ خورد سے بھی تحصیلِ علم کرتے رہے' حقیقت میں آپ کو تمام علوم وہبی طور پر حاصل تھے۔ ظاہری تحصیل علم سے محض سنت الٰہی کی محافظت مقصود تھی' کیونکہ یہ دنیا اسباب و علل کی دنیا ہے۔ تحصیلِ علم کے بعد اپنے والد کے مشورے سے اپنے زمانے کے امراء میں سے ایک کے دربار میں ظاہری نفع اندوزی کے لیے آنا جانا شروع کر دیا۔ آپ کی حقیقی استعداد اچانک پردۂ ظہور پر نمودار ہونے لگی اور آپ نے طریقِ گوشہ نشینی' کامل تنہائی' مکمل توکل' اتباع سنت اور دیگر احوالِ صوفیاء کو اس انداز سے اختیار فرمالیا کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کر سکتا' صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ نے تمام تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا تو اپنی رفیقۂ حیات سے فرمایا کہ ہم نے یہ راستہ تکالیف اور مصائب کی کثرت کے باوجود خود پسند کیا ہے اور کسی طرح بھی اس راہ سے واپس نہیں پھر سکتے' اگر ان تمام مشکلات کو میری طرح پسند کر کے لباس و طعام کے لطف سے اور خویش و اقارب کے میل جول کی لذتوں سے قطع نظر کر سکو تو میری زندگی کی ساتھی ہو' ورنہ تمہیں جدا ہونے کا پورا اختیار ہے' آپ کی رفیقۂ حیات نے ہمت سے کام لے کر معمولی نیلے کپڑے زیب تن کئے' زیورات اور مہنگے لباس اتار پھینکے۔ انہی دنوں حضرت شیخ والدین کا گھر چھوڑ کر مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرہ بنا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ ان ایام میں اکثر و بیشتر دو دو تین تین روز متواتر فاقے سے گزر جاتے اور اگر کچھ غذا میسّر آتی تو وہ جَو کی روٹی کے چند ٹکڑوں اور دہی پر مشتمل ہوتی جو محمد جان طبّاخی

www.maktabah.org

اور ان جیسے دوسرے نیازمند لاتے اور یہ طعام تمام فقراء پر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا اور آپ دوسرے روز کے مقررہ وقت تک تھوڑی غذا پر اکتفاء فرما لیتے تھے۔ آپ کے گھر میں نہ کوئی دیگچی تھی، نہ چولہا، نہ چکی اور نہ دوسرا سامان یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا اور وسیع حویلی اور بہت بڑا لنگر خانہ عطا فرمایا۔ اپنے ابتدائی حالات کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجرید کے انتہائی مقام اور بے اسبابی کی آخری منزل پر فائز ایک درویش جو حضرت خواجہ محمد باقی کے خلیفہ خاص شیخ تاج سنبھلی[1] کا صحبت یافتہ تھا، خواجہ خورد کے پاس آیا، اس پر نسبتِ غیبت بہ تمام و کمال غالب تھی، حضرت خواجہ اس سے جو کچھ پوچھتے، وہ بہت ہی تکلف اور دیر سے جواب دیتے تھے۔ اس موقع پر خواجہ خورد نے فرمایا کہ جو بھی معرفتِ خدا کا طالب ہو، وہ اس مردِ درویش سے مردانہ وار تعلق قائم کرے، جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بیعت کی خواہش اور اس سے حصولِ طریقت کا خیال پیدا ہوا، میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی روح پُرفتوح کی طرف متوجہ ہوا تو خواب میں دیکھا، گویا آپ کشتی پر سوار ہیں اور دریا کی سیر کر رہے ہیں اور میں دریا کے کنارے ان کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہوا ہوں، میری طرف متوجہ ہوئے اور ان کے ہر ہر بال سے اپنی چمک دمک کے ساتھ سورج ابھرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، آپ نے مجھے میرے نام سے بلایا اور اس تمثیلی مشاہدے میں مجھ پر ایسے رموز ظاہر ہوئے کہ اس درویش کی محبت سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور حضرتِ غوثِ اعظم کی بارگاہ سے استفادہ کرنے کا دروازہ کھل گیا۔

فرمایا: ایک مرتبہ میں نے حضرت غوث الاعظم کو بیداری میں دیکھا۔ اس موقع پر آپ نے مجھے عظیم اسرار و رموز تعلیم فرمائے۔

---

[1] شیخ تاج الدین سنبھلی حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ اوّل تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد بلادِ عرب چلے گئے اور وہاں طریقۂ نقشبندیہ پھیلایا۔ انہوں نے عربی زبان میں کئی کتابیں لکھ کر اہلِ عرب کو سلسلۂ نقشبندیہ سے متعارف کرایا، آپ کی ایک جامع تصنیف ''الرسالہ فی سلوک خلاصۃ السادات نقشبندیہ'' ہے، جس کی علامہ عبدالغنی نابلسی نے مفتاح المعیت فی طریقۃ النقشبندیہ کے نام سے مکمل شرح لکھی ہے۔ آپ نے جامع الفوائد کے علاوہ نفحات الانس جامی اور رشحات واعظ کاشفی کا عربی ترجمہ بھی کیا، آپ کی وفات ۱۶۳۰ھ میں ہوئی۔

www.maktabah.org

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وسیلۂ بیعت ہیں

فرمایا: میں نے بچشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اولیائے کرام کی صفوں کے درمیان تشریف لائے جو مربع شکل میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر صف میں ایک ہزار ولی تھا' یہ سب سیرِ روحانی کر رہے تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں مورچھل تھا۔ میں اس جماعت سے باہر ایک کونے میں کھڑا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا جس پر آنحضرت ﷺ مطلع ہوئے اور ان صفوں میں سے ایک صف میں مجھے بھی داخل فرمایا اور اپنے دستِ اقدس کا مورچھل بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر آپ ہوا میں اڑنے لگے۔ باقی لوگ اسی مکان میں ٹھہرے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے تیسرے آسمان کی مسجد عالی میں نمازِ ظہر ادا فرمائی۔

فرمایا: دوسری بار ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بچشمِ حقیقت دیکھا اور عرض کی: یا سیدی! میری خواہش ہے کہ آپ کے طریقۂ عالیہ کے فیض یافتہ کسی مردِ حق سے بیعت کروں تاکہ اس سے ان حقائق کی تفصیل پوچھ سکوں' جو آپ سے حاصل ہوئے ہیں۔ مجھے کسی ایسے مردِ راہ کا پتہ دیجئے' جو اس کا اہل ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیری بیعت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوگی۔ کچھ دنوں بعد دیکھا کہ گویا راستے میں جا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی شخص نظر نہیں آ رہا' مگر راستے سے گزرنے والوں کے نقش قدم پائے جاتے ہیں۔ تھوڑی دور بیچ راہ کے ایک مرد کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے راستہ پوچھا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ادھر آؤ۔ اس سے مجھے انشراحِ قلب حاصل ہوا۔ اس نے فرمایا: اے سُست رفتار! میں علی ہوں اور مجھے رسولِ خدا ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ان کی بارگاہ میں لے چلوں' میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا' یہاں تک کہ بارگاہ رسالت میں پہنچے اور حضرت امیر علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا اور اپنا ہاتھ حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ میں دے کر کہا: یارسول اللہ! **ھذا ید ابی الرضا محمد** (یہ ابوالرضا محمد کا ہاتھ ہے)' یہ سن کر حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر میرے دل میں ایک بات کھٹکی' جس پر حضرت امیر علیہ السلام مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میں اسی طرح اولیاء اللہ کے حق میں وسیلۂ بیعت رہتا ہوں' ورنہ اصل میں تمام سلاسل کی بیعتوں کا مرکز اور

www.maktabah.org

مرجع تو آنحضرت ﷺ کا دستِ حق پرست ہوتا ہے۔ اس کے بعد مجھے اشغال و اذکار کی تلقین فرمائی اور علوم و اسرار سے نوازا اور مجھ پر ان سب کا حصول آسان ہو گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں ذکر قلبی وہبی میں مشغول تھا۔

برکاتِ قربِ نبوی

فرمایا: حضرت پیغمبر ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا' جیسے مجھے اپنی ذاتِ مبارک کے ساتھ اس انداز سے قرب و اتصال بخشا کہ جیسے ہم متحد الوجود ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا عین پایا۔ کسی نے اس وقت آنحضرت ﷺ سے کوئی سوال کیا' تو آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا' میں نے اسے وضاحت سے جواب دیا۔ بعد میں آپ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس واقعہ سے پہلے مجھے نیند میں آنحضور ﷺ کی زیارت کا بہت شوق رہتا تھا۔ جب اتحاد و اتصال کی یہ دولت نصیب ہوئی تو وہ شوق پورا ہو گیا اور وہ بھرپور لذت و کیفیت حاصل ہوئی کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

www.maktabah.org

آپ کی پاکیزہ زندگی' تصرفات اور مخفی امور پر مطلع ہونے کا بیان

معمولات شیخ ابوالرضا

آپ کے معتقدین کا ایک گروہ راوی ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے حضرت شیخ کی زیارت کے لیے کئی بار خواہش ظاہر کی' مگر آپ نے انکار کیا۔ اربابِ اقتدار اور سرمایہ داروں کو آپ ہمیشہ ہیچ سمجھتے تھے۔ ان کی پیش کشوں اور ان کی ذات کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوئے۔ کبھی کبھار کوئی امیر حد سے زیادہ اصرار کرتا تو نذرانہ قبول کر لیتے تھے۔ ہاں! البتہ اگر کوئی غریب اور مفلس کفش دوز' طباخی' کنجڑا وغیرہ چار پانچ پیسے بھی نذرانہ پیش کرتا تو کشادہ دلی کے ساتھ قبول فرما کر اپنے ہاتھ سے لے لیتے تھے۔ مستند روایات سے معلوم ہوا کہ آپ جید عالم' فصیح اللسان' حد درجہ متقی' ماہر علوم معرفت' براق' نورانی چہرے' دراز قامت' گورے چٹے' چھدری ڈاڑھی والے اور خوش گفتار تھے۔ نمازِ جمعہ کے بعد ہمیشہ وعظ کہتے تھے۔ اپنے وعظ میں تین حدیثیں صحتِ لہجہ اور ترتیل کے ساتھ زبانی پڑھتے تھے اور پڑھتے وقت مجلسِ وعظ کے تمام گوشوں پر پوری توجہ سے نظر ڈالتے تھے۔ پھر ان احادیث کا فارسی میں ترجمہ کرتے تھے' وہ بھی پوری وضاحت' ترتیل اور آہستگی کے ساتھ بیان کرتے تھے' پھر ہندی (اردو کی ابتدائی شکل) میں احادیث اور موضوع کی مناسبت سے تقریر فرمایا کرتے تھے' جس میں مبالغہ نام کو نہیں ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو آپ مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے تھے۔ آخر میں آپ کا درس دو اسباق پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک تفسیر بیضاوی اور دوسرے مشکوٰۃ شریف باقی وقت توجہ الی اللہ یا خواصِ معتقدین سے معرفت کی باتوں میں گزرتا تھا۔ آپ وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس موضوع پر ایک محقق کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنی مجالس میں آپ نے کلامِ صوفیاء کے بہت سے مشکل مقامات حل فرمائے۔ شیخ معظم پھلتی کہتے ہیں کہ عہدِ اورنگ زیب کے اوائل میں مملکت کے ایک حصے

www.maktabah.org

پرستنامی ہندوؤں نے قبضہ کرلیا' بادشاہ نے مقابلے کے لیے مسلمان فوجیں بھیجیں' مقابلہ اس قدر طویل ہوگیا کہ ان میں سے کوئی فریق مغلوب نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کے دل پریشان ہونے لگے۔ بعض معتقدین نے اس بارے میں حضرت شیخ سے دعا چاہی' جونہی آپ نے دعا کی تو قبول ہوگئی' کچھ وقت بعد آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اور ہندو پسپا اور ذلیل ہوئے ہیں۔ معتقدین نے اٹھ کر پورے شہر میں یہ خبر پھیلا دی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر اورنگ زیب تک پہنچی' حیران ہوا کہ ہرکارے ابھی تک خبر نہیں لائے اور یہ افواہ کس نے پھیلائی ہے۔ تحقیق کرنے پر جب صحیح علم ہوا تو اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ آپ نے فتح کی پوری تفصیل اور واقعات بتلا دیئے' کچھ دنوں بعد اسی تفصیل سے لشکریوں نے بادشاہ کو آکر فتح کا واقعہ بیان کیا۔

مَبنیٔ حقیر گدایانِ عشق

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ ایسا موٹا کپڑا پہننا چاہیے جو ایک دو سال تک چل سکے' کیونکہ یہ تقویٰ اور وساوس کو دور کرنے میں بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک کشمیری کو آپ نے ایسا کپڑا لانے کو کہا' وہ انتہائی سخت اور موٹا پشمینہ لایا' آپ نے اسے آٹھ پہر پہنا' دوسرے دن نماز چاشت پڑھ کر بیٹھے تھے اور مجلس پر سکوت طاری تھا کہ آپ ہنس پڑے۔ راوی نے تبسم کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے الہاماً یہ پیغام بھیجا ہے کہ کیا ہمارے خزانے میں کمی ہوگئی تھی جو یہ کپڑے پہنے ہیں؟ تمہارے سارے مصارف ہمارے ذمے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ناز ونعمت سے رکھیں۔ یہ پشمینہ اتار دو' ہم ابھی ابھی ایک لباس بھیج رہے ہیں' جو تمہارے لائق ہوگا۔ آپ نے وہ پشمینہ اتار دیا اور وعدۂ الہامی کے مطابق انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ راوی کو باہر بھیج کر کہا کہ اگر دوہری بُنائی کا' اس رنگ کا اور ایسے پھولوں والا کپڑا ہو تو لے لینا اور کہنا کہ قبول ہوگیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لوٹا دینا' وہ کپڑا آپ کے فرمان کے مطابق نکلا' اسی وقت اسے پہنا اور شکر بجالائے۔ اس واقعے کے بعد آپ بغیر قصد وارادہ کے ہمیشہ اعلیٰ لباس پہنتے رہے۔ شروع شروع میں دو تین روز فاقہ بھی رہا' کھانے کو کچھ میسّر نہ ہوا۔ اس وقت ایک مخلص آیا اور عرض کی کہ میرے گھر میں طعام تیار ہے۔ قدم

www.maktabah.org

رنجہ فرمایئے' آپ اٹھ کر چل دیئے۔ جب اس مخلص کے گھر پہنچے تو وہ اندر جا کر مستورات کو ایک طرف کرنے لگا' اس آدمی نے دروازے کے ساتھ چارپائی کھڑی کر رکھی تھی' جس کے گرنے سے حضرت شیخ کو سخت چوٹ لگی اور بے ہوش ہو گئے' افاقہ ہونے کے بعد جلدی اپنے گھر واپس لوٹے اور فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے مجھے تنبیہ ہے کہ آئندہ حصولِ رزق کے لیے سعی و تلاش نہیں کرنی چاہیے۔ کفیلِ حقیقی پر بھروسہ کر کے اس کی نعمتوں کا منتظر رہنا چاہیے۔ اس واقعے کے بعد انتہائی ضرورت کے علاوہ آپ کسی کے گھر بھی دعوت میں نہیں جاتے تھے۔

جسے اللہ رکھے

حضرت شیخ ابتدائی ایام میں ایک دن مراقبہ صبح کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیے میں جا کر گم سم بیٹھ گئے اور چاہا کہ ظہورِ عصمتِ حق کی کیفیت کا تماشا دیکھیں' جب بھنگ فروش نے بھرا ہوا پیالہ آپ کی طرف بڑھایا تو اہلِ مجلس میں سے ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ انہیں مت دو۔ دو چار مرتبہ یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ نماز کا وقت آ گیا تو آپ کے دل میں اضطراب اٹھا' مگر ضبط کر کے بیٹھے رہے' اس نواح کی مسجد کا امام بھی وہاں موجود تھا' جو خیر سے خود بھی بھنگ نوش تھا' فوراً اٹھا اور آپ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ آپ نے بہت چھڑانا چاہا' مگر اس نے نہ چھوڑا اور کشاں کشاں مسجد میں لے گیا اور وضو کرا کے آپ کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس واقعہ سے آپ کا دل مطمئن ہوا کہ یہ عفت و تقویٰ ایسا امرِ معلوم ہے کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے' بغیر اختیار کے اسے کاتبِ تقدیر اس حالت پر قائم رکھے گا۔

بادشاہِ حقیقی کا انصاف

سننے میں آیا ہے کہ رستم اور اسد اللہ نے جب پھلت والوں کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں تو انہوں نے ان کی تباہ کاریوں کی کچھ باتیں حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیں اور چاہا کہ آپ عاقل خاں کو ان کی مدد کے لیے رقعہ لکھ دیں' ایک دن نمازِ اشراق کے بعد آپ کی حالت بدل گئی اور جوش میں آ کر کہنے لگے کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری تکالیف عاقل خاں تک پہنچاؤں۔ مگر تمہاری حالت بادشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض کروں۔ یہ کہہ کر آپ نے

www.maktabah.org

توجہ فرمائی اور ان دونوں شخصوں کی ہلاکت کا مژدہ سنایا' راوی دکن میں بادشاہ سے ملا تو ان دونوں کو قید کر کے بادشاہ نے لشکر کے حوالے کیا ہوا تھا' کچھ دنوں بعد وہ دونوں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے' پہلے رستم بیمار ہو کر مرا اور پھر اسد اللہ مبتلائے مرض ہوا' لشکر خاں نامی ایک مرد مشہور نے راوی سے کہا کہ فلاں کے حق میں دعا کرو۔ راوی نے کہا: مجھے تو دونوں کو دفن کرنے کا حکم ملا ہوا ہے' کچھ دنوں بعد دوسرا بھی کیفر کردار کو پہنچا۔

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مظفر بہتکی سے سنا ہے' وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھ پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں روتا اور آہیں بھرتا تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بابا! طالبانِ خدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے طالبین کو وہ فرحت و شادمانی کی راہ سے اپنی طرف بلاتا ہے اور ایک گروہ کو غم و اندوہ کی منزلوں سے گزار کر قرب بخشتا ہے۔ گویا غم و اندوہ ازلی دین ہے۔ حضرت شیخ پر غم و اندوہ اور رونے دھونے کی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ ہمیشہ خوش دل اور باغ و بہار رہتے تھے۔

ان سے یہ بھی سنا کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی سالک کے باطن پر اپنی صفاتِ زجر و توبیخ کی تجلیات کا ظہور فرمائے اور وہ راہِ طریقت کے سالک سے معمولی اور بڑے اُمور میں مواخذہ شروع کر دے اور صبر و برداشت کی قوت اس میں باقی نہ رہے تو اسے چاہیے کہ دنیوی امور اور تلاش معاش میں مشغول ہو جائے۔ اسی طرح اس کے عتاب کی کیفیت ختم ہو جائے گی۔

مدارِ شریعت ظاہر پر ہے

شیخ مظفر بہتکی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ میں شروع شروع میں جب رہتک سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو تحفۃً نبات بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا تھا' جسے آپ قبول نہیں فرماتے تھے' کہتے تھے کہ دیہاتوں اور قصبات کی خرید و فروخت اور ماپ تول شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے یہ تحفہ لانا چھوڑ دیا۔ البتہ آپ کے بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ تھما دیتا تھا اور تھوڑی سی نبات بھی رسمِ ہدیہ پوری کرنے کی خاطر ان بچوں کو دیا کرتا تھا۔ آخر میں ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبات کے دو مرتبان

www.maktabah.org

حضرت والا کے بچوں کو دیئے۔ وہ آپ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اس میں سے کچھ نکال کر تناول فرمائی۔ اس واقعے کے بعد ایک دن مجھے فرمانے لگے: ہم نے تمہاری نباتیں کھائی ہیں' ہاتھ اٹھائے اور حسب حکم شرع وسوسہ مٹانے کے لیے اس پر ہلکا سا تھوکا۔[1] اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم اس تورّع اور تقویٰ سے گزر چکے ہیں' جو انسانی امکان سے بھی زائد تھا' اب ہمیں ظاہر شریعت جو کچھ حکم دے گی' اس کے لینے میں عار محسوس نہیں کریں گے۔

دستِ پیراز غائبان کوتاہ نیست

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ روگ داس کے واقعے سے جب رہتک کا گردونواح ویران ہو گیا تو میں کئی خاندانوں کو لے کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ ان دنوں تمام دیہاتی لوگ درندے بن چکے تھے۔ میرے قافلے کے بہت سارے خاندان' عورتوں اور مال ومتاع کے ساتھ بجز میرے اور کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا۔ خلافِ توقع ہمارا سارا سفر امن سے گزرا۔ ہاں! البتہ ایک مقام پر دیہاتی لٹیروں نے جمع ہو کر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو میں نے کمان کا چلّہ چڑھا کر ان پر حملہ کر دیا' وہ شکست کھا کر اپنے خیموں یا چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ جب میں حضرتِ والا کی خدمت میں پہنچا تو خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا کہ ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ تھے' تمہاری حفاظت اور مدد کرتے رہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ جب دیہاتیوں نے حملہ کرنا چاہا' اس وقت تم اکیلے تھے اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے فلاں آفت کو ان کے منہ میں دیا' جس سے وہ ہیبت زدہ ہو کر اپنے چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

یہ رہتکی معتقد یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اکثر اوقات لوگ آپ سے واضح مسائل کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے۔ ایسے میں حضرتِ والا اپنی آنکھیں بند کر کے سوچنے لگ جاتے اور کچھ دیر کے بعد جواب بیان فرماتے' کسی ہم مجلس نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا کہ جب یہ لوگ سوال کرتے ہیں تو' بے حد وحساب جوابات میرے سامنے پیش ہو جاتے ہیں۔

---

[1] اصل نسخے میں عبارت یوں ہے: ''وبراء وقف زدند'' میں نے اسے براوُقف زند سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ (سیّد فاروق)

www.maktabah.org

اس وقت میں اسی سوچ و بچار میں لگ جاتا ہوں کہ کون سا جواب سائل کی سمجھ کے مطابق ہو سکتا ہے۔

اتباعِ سنت میں آپ کا مقام

یہی راوی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ جب مسجد میں داخل ہونا چاہتے تھے تو مسجد کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنا بایاں قدم مبارک جوتے سے نکال کر اس کے اوپر رکھ دیتے۔ پھر دایاں قدم نکال کر مسجد میں رکھتے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس صورتِ حال سے مقصود یہ تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''الیمنی اولھما تنعل واخرھما تنزع '' (بخاری، کتاب اللباس: ۱۳، ج ۴، مطبوعہ مصر) (جوتا پہنتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کیا جائے اور اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالا جائے)۔ دوسری حدیث یہ کہ'' کان النبی ﷺ یحب التیامن فی شانہ کلہ '' (آنحضرت ﷺ ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے) حضرت شیخ کا یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

برکاتِ نسبت

یہی راوی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کے سلسلۂ عالیہ میں منسلک ہو گیا اور مجھ پر توجہ فرمانے لگے تو مجھ پر اسرارِ توحید کھلنے لگے، انہی ایام میں کم و بیش تین روز میرا علم اَنَا مظہر مقید سے علیحدہ ہو کر بظاہر ہستی مطلق کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ حضرت شیخ نے شیخ عبد الحفیظ سے فرمایا کہ مجھے حجرے میں بند رکھ کر میری حالت کی نگرانی کرے، میں ان ایام میں کہا کرتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو بارش برسا دوں، چاہوں تو مار دوں، چاہوں تو زندہ کر دوں۔ حضرت شیخ اس عالم میں انتہائی ادب و انکساری کا مظاہرہ فرماتے تھے اور کہتے کہ جن لوگوں پر یہ عالم طاری ہو ان کا یونہی ادب کرنا چاہیے۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرتِ والا نے مثال کے طور پر ہندی دوہا پڑھا

کنتھا رن موں تیہ کہ کھانداباہ نسنگھ! بامچہ چربھی ژندا پانا نچہ چڑھ کلند

یہی شیخ مظفر رہتکی کہتے ہیں کہ اہل رہتک کا ایک گروہ کسی تقریب سے دہلی آیا تو ایک دن ارادہ کیا کہ جماعت کی صورت میں حضرت شیخ کی زیارت کو جائیں۔ راستے میں ایک

www.maktabah.org

شخص نے حضرت کی کرامتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دوسرے نے کہا کہ ایسی کرامتیں تو بہت سے لوگ سنایا کرتے ہیں' لیکن جب تک آنکھ سے نہ دیکھیں تصدیق نہیں کر سکتے اور مثال میں یہ ہندی دوہا پڑھا:

جب لگ نہ دیکھوں اپنی پنا تب لگ نہ بچوں کر کے بنیا

اور کہا کہ میں تو جب مانوں کہ آج مجھے نان وحلوہ دیں' جب یہ لوگ پہنچے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ حسبِ ضرورت ہر ایک سے لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آئے اور پھر گھر سے حلوہ روٹی منگوائی اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ خاص اسی کا حصہ ہے اور وہی دوہا زبان پر لائے کہ ؎ جب لگ الخ۔

بارگاہِ اولیاء میں حاضری کے آداب

فقیر ولی اللہ نے سید عمر حصاری سے سنا ہے کہ ایک دن آپ خوبصورت سی ملیح رنگ چادر اوڑھے ہوئے ہرن کی خوشنما کھال پر تشریف فرما تھے۔ وہ چادر اور کھال میرے دل میں کھب گئیں' ویسی چادر اور کھال کی تلاش وتجسّس کا شوق میرے دل میں اٹھا۔ اس خیال کو جس قدر جھٹکتا دور نہ ہوتا۔ حضرتِ والا جب مجلس سے اٹھے تو مجھے فرمایا کہ بیٹھو تم سے ایک کام ہے۔ اس کھال پر شیرینی کے دھبے لگے ہوئے تھے' انہیں اپنے ہاتھ سے دھویا' چادر اور ہرن کی کھال کو تہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا: اولیاء کی مجالس میں ایسے خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں۔

یہی راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ' شیخ عبدالاحد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر شیخ عبدالاحد نے پوچھا کہ فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں فرشتوں کو جھگڑتے دیکھا ہے۔ ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ فلاں صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے اور دوسرے نے کہا: وہ شریعت پر کاربند نہیں' ایسا دل کس کام کا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ شخص ایک بزرگ تھا' جو اپنے زمانے کے بہت سے بزرگوں کا مُعتقد تھا' مگر اس کی باتوں میں پھکڑپن زیادہ ہوتا تھا۔

www.maktabah.org

شاعر گلشن[1] دہلوی کا واقعہ

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اپنے زمانے کے شاعر گلشن سے سنا ہے کہ شورشِ عشق اور طلب سلوک کے ابتدائی ایام میں ایک دن میں اپنا منہ کالا کر کے کوچہ و بازار میں پھرنے لگا۔ جب محلّہ فیروز آباد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جوتیوں میں جا بیٹھا۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح رسوائی کے خطرات مول لیتے ہیں اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ خدا کے لیے کر رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ اولیاء کی مجلس میں آتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اس گروہِ روشن ضمیر پر ان کے سارے بھید آشکارا ہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: سرِ دست چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دلی خیالات کی قباحت بھی محسوس کی۔

تصرّف شیخ

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو زمانۂ طفولیت میں جب جھولے میں سلاتے تھے تو بغیر کسی ہلانے والے کے آپ کا جھولا چلتا رہتا تھا، لوگ یہ دیکھ کر تعجب کرتے تھے، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبداللہ نامی ایک جن آپ سے علوم و معارف کی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا ہے، اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر روشن کر

---

[1] آپ کا پورا نام شیخ سعد اللہ گلشن دہلوی ہے۔ برہان پور کے رہنے والے تھے، مگر بعد میں دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی، خود شاعر اور استاذ الشعراء تھے۔ آپ شیخ عبدالاحد سرہندی المعروف بہ شاہ گل موحدت کے خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے عُرف شاہ گل کی مناسبت سے اپنا تخلص گلشن رکھا۔ تارک الدنیا بزرگ تھے، آپ کی وفات ۱۷۲۶ء/۱۷۲۷ء میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے، نمونہ کلام یہ ہے:

بدرش رفتہ سجدہ ہا ہر کردم — منت پائے ماست بر سرما

(رودِ کوثر)

سخت جاناں نیستند از چارہ سازاں کامیاب — مومیائی نفع کے بخشد شکست سنگ را

سید محمد فاروق غفرلہٗ

www.maktabah.org

دیئے جاتے ہیں' ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصے میں اپنی تلوار نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا' میں نے اس پر اپنے قہر وغضب کا تصرّف ڈالا تو اسے آگ نظر آئی' قریب تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو جاتا کہ اس نے توبہ وزاری کی اور میں نے اسے ہلاکت سے بچالیا۔ یہ بھی سنا ہے کہ مسجد میں نماز کے لیے ایک عورت کا جنازہ لایا گیا' تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی روح ابھی بدن سے جدا نہیں ہوئی' ایسی صورت میں اس پر نماز جائز نہیں۔ ورثاء نے اصرار کیا کہ یہ مر چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں مری' آخر الامر اس کا منہ کھول کر دیکھا گیا کہ زندگی کے آثار باقی تھے۔ اسے واپس لے گئے اور وہ دوسرے دن فوت ہوئی۔

وسعتِ علوم اولیاء

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بُری عادت میں مبتلا تھا' آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی' مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادتِ بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا: تجھے بارہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی' شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا!! اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے میں دل میں سو خیالات آئیں' تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی بُرائی سے توبہ کی۔

ھو یطعمنی

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں روزے سے تھا کہ بھوک اور پیاس نے مجھے سخت تنگ کیا۔ اسی حالت میں ذکر کرتے ہوئے مجھ پر غیبت اور استغراق کا عالم طاری ہوا۔ میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا اور میں نے وہ پی لیا' جب ہوش آیا تو اپنے منہ سے دودھ کے قطرات ٹپکتے ہوئے محسوس کئے۔ یہ دیکھ کر روزہ ٹوٹنے کا خوف پیدا ہوا تو دل میں الہام ہوا کہ یہ غذا تیرے اختیار کے بغیر محض ارادۂ الٰہی سے ملی تھی اور یہ عالم شہادت کی نہیں بلکہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے' اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

www.maktabah.org

غرورِ علم سے سرشار عالم بارگاہِ فقیر میں

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث وتکرار اور مذاکرہ سے انتہائی دل چسپی رکھتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام فاضل علماء کو مغلوب کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا: سنا ہے کہ وہ عوام کو تفسیر حسینی پڑھ کر سناتے اور اسی سے وعظ کہتے ہیں۔ وہ کوئی صاحبِ فضیلت نہیں ہیں۔ میں نے کہا: نہیں، ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کا کمال علم اور سیرت تم پر واضح ہو سکے۔ اگلے جمعہ وہ مجلسِ وعظ میں آیا اور اس کے دل میں یہ خیال گزرا کہ مناظرہ کرے۔ حضرت شیخ نے اس کے خیالات سے مطلع ہو کر تاثیر کے ذریعے اس کا علم سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ اور علوم بجائے خود صَرف ونحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظے میں نہ رہا اور آپ کا کلام سمجھنے سے عاجز ہو گیا۔ سمجھ گیا یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے۔ نادم ہوا، توبہ کی اور خلوصِ دل کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گریہ وزاری کی۔ حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا اور پہلی حالت بحال کر دی۔ اس نے اظہارِ نیاز مندی کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عالم نہیں، صرف تفسیر حسینی سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ نیاز مندی کرنے لگا اور کہا کہ اپنی بات اور عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت کر لوں۔ حضرتِ والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آ سکتیں۔

کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

رحمت اللہ کفش دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوتِ جذب اور شیخ کی گرمی نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔ آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں، مگر کسی کی قوتِ باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحیں نکال تو لیتے ہیں مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیرِ سایہ ایسی تربیت اور قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں

www.maktabah.org

کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں۔ عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی اور میں زمین پر گر کر مر گیا اور مجھے اس عالم کا کوئی شعور نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔ آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ؟ اس نے سوچ کر کہا کہ مردہ ہے۔ فرمایا: اگر تو چاہے تو اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو اسے زندہ کر دوں۔ کہنے لگا: اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہوگی۔ آپ نے مجھ پر دوبارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام حاضرین مجلس حضرت شیخ کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔

خطرات قلب پر اطلاع

حضرت شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ آپ کی مجالس اور صحبت میں ہم لوگ تصوف و عرفان کے بارے میں کثرت سے زبان پر سوالات نہیں لاتے تھے بلکہ اپنے اپنے سوالات دلوں میں لے کر بیٹھ جاتے تھے' جب بھی کسی کے دل میں کوئی شبہ' سوال' یا خیال وارد ہوتا تو آپ اس سے مطلع ہو کر فوراً جواب دیتے' پھر بھی اگر شک باقی رہتا تو دوبارہ جواب دیتے یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

علم ظاہر اور علم باطن کا فرق

سننے میں آیا ہے کہ محمد عاشق نے ملا یعقوب اور حضرت شیخ دونوں سے استفادہ کیا تھا اور مسئلہ توحید کے بارے میں وہ مطمئن نہیں تھا۔ اس بارے میں مُلّا یعقوب کی باتیں آپ تک پہنچاتا اور آپ کی باتیں ملا یعقوب تک' جب اس معاملہ نے طول پکڑا تو ایک دن ملا یعقوب نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور بالمشافہ گفتگو کر کے مسئلہ توحید کے بارے میں آپ کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہوں' جب وہ حضرت شیخ کی مجلس میں پہنچا تو ایسا چپ ہوا کہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ جب مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تو لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ ملا نے کہا: جب میں آپ کی مجلس میں پہنچا تو میرے تمام علوم سلب ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں ابجد بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

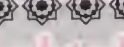

www.maktabah.org

حضرت شیخ ابوالرضا کے حقیقت و معرفت سے معمور ملفوظات

رؤیتِ نبوی ﷺ

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مجلس ذکر میں بیٹھا ہوا تھا' وہاں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں' جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا۔ آنکھ کھلنے پر کچھ محسوس نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ مجھے یہ مشاہدہ عالم مثال میں کرایا گیا اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی کیفیت مختلف حالات میں دیکھنے والوں کے مختلف احوال کے سبب مختلف ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں' ہر شخص کو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے' لہٰذا بدعتی آنحضرت ﷺ کو ایک مریض کی شکل میں دیکھتا ہے گویا بدعتیوں کو دیکھ کر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں' حالانکہ اسی لمحے ایک خالص سنّی آپ کو جواں صورت اور انتہائی خوش و خرم شکل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا مشاہدہ جو اپنی ذات میں ترقی و تنزلی بلکہ ہر قسم کی قید سے پاک ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ جب بھی کوئی شخص حقیقت یا خواب میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کسی صورت اور ہیئت میں دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ شیشہ شکل و صورت کی قید میں آ گیا ہے' نہیں نہیں شیشہ تو اپنی اصلی حالت میں ہے' یہ سب اشکال اور صور کی قیود دیکھنے والے کی خود پیدا کردہ ہیں۔

نکتہ شیخ اکبر

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی قدس سرہٗ کو ان چار راتوں میں متواتر خواب میں دیکھتا رہا ہوں اور ان کے عجیب مقامات اور پسندیدہ نکاتِ معارف سے مطلع ہوتا رہا۔ ان

www.maktabah.org

صحبتوں میں ان سے سنا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا اس کی ذات کے رعب داب کے اعتبار سے یعنی اس کے تصرفات کی وجہ سے ایک اسم ہے اور وہ ہے کہار' آپ نے فرمایا: میں نے اس واقعے سے پہلے یہ اسم کہیں بھی نہیں سنا تھا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک کہر اپنے عربی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے' اور ایک قرأت میں ''اما الیتیم فلا تکھر'' بھی پڑھا جاتا ہے اور حدیث میں آتا ہے ''فو اللہ ما کھر نی و لا ضربنی'' اور لفظ قہر کا مرجع اور حقیقی منشا اپنی تمام مدد و اعانت سے ہاتھ کھینچ لینا اور تباہی کی عمیق غاروں میں کسی کو گرا دینا ہے۔ لہٰذا اس تحقیق کی بناء پر کہر ذات (بکاف عجمی) ہی مناسب رہے گا' جو ذاتِ حق کے رعب و تصرف کا لازمی خاصہ ہے اور کافِ عجمی کے ساتھ اسم کہار کا اطلاق ذاتِ باری پر صحیح ہوگا اور صیغۂ کہارۃ کا استعمال محض اس جہت سے کیا جائے گا کہ اسے لفظ صرافت یعنی تصرف و رعب حق پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

بعض دعاؤں کے عجیب اثرات

فرمایا: ایک دفعہ میں دعا میں مشغول تھا کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ میری طرف پیٹھ کر کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے' میں یہ دیکھ کر حیران ہوا تو میرے ضمیر میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے' جو تیری اس دعا پڑھنے کے نتیجے میں تیری حفاظت کرتا ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ فرشتے نے آپ کی طرف پیٹھ اس لیے کی ہوئی تھی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف ہے اور عالم ناسوت کا دوسری جانب۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

فرمایا: میں نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ ''قال رسول اللہ ﷺ حسنات الابرار سیات المقربین'' (طبقہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں)۔ کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ جمہور علمائے محدثین نے اس حدیث کو قولِ سلف قرار دیا ہے' مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔

منازلِ ایمان

فرمایا: ایمان کی بھی ایک حد مقرر ہے یعنی مؤمن جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اس کا

www.maktabah.org

ایمان ہرگز سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اعمال کی بھی ایک حد مقرر ہے۔ جب اعمال اس حد تک پہنچتے ہیں تو وہ مردود قرار نہیں دیئے جا سکتے اور ایمان کی کم سے کم حد یہ ہے کہ مؤمن اپنے سینے میں نور ایمان کو ظاہراً محسوس کرے۔ پھر فرمایا کہ ایک رات میں نے اپنے سینے میں نور دیکھا جو چراغ کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی نور کی روشنی میں میں نے اپنے گھر کا ساز وسامان اور کونے کھدروں کو بخوبی ملاحظہ کیا۔ اسی اثناء میں خداوند تعالیٰ نے الہام کیا کہ ایمان کا وہ ادنیٰ درجہ جو میرے نزدیک مقبول ہے' یہی ہے' اسے میں سلب نہیں کرتا' اس لیے کہ کفر ونفاق کے بعض دبیز پردے اس قدر نور ایمان سے اٹھ چکے جاتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک نورِ ایمان طہارتِ کاملہ اور اطاعت حق کے نور سے عبارت ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے موقع ومحل پر بیان کیا ہے۔

مقامات بایزید اور سید الطائفہ رحمہما اللہ

فرمایا: ایک دفعہ میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میرا دایاں پاؤں شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرا بایاں پاؤں سید الطائفہ جنید بغدادی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا ہے۔ اسی عالم میں مَیں نے شیخ بسطامی رحمہ اللہ کی طرف نگاہ کی تو انہیں غیبت کاملہ کے مقام پر پایا اور شیخ جنید رحمہ اللہ کی طرف دیکھا تو انہیں بے خودی و مدہوشی سے بے نیاز زمان ومکان پر حکمران (ابوالوقت) پایا اور میں نے اپنی حالت ان دونوں کے درمیان (غیبت وحضور سے معمور) پائی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذب و سلوک کے منازل پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ حضرت شیخ بسطامی اہل سکر سے تھے اور شیخ جنید اہل صحو سے' سکر کو جذب کے ساتھ اور صحو کو سلوک کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔

مقام فنا فی اللہ

فرمایا: ایک مرتبہ مَیں اپنے اسماء وصفات کی طرف متوجہ ہوا تو نت نئے ناموں سے بھی زیادہ پائے' کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے' پھر اور تجسّس کیا تو اپنے اسماء وصفات کی کوئی حد وشمار نہ پائی' جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو پیدا بھی کر رہا ہوں اور مار بھی رہا ہوں' اربابِ ولایت کبریٰ پر ایسی حالتیں اکثر گزرتی رہتی ہیں۔

www.maktabah.org

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا وجود تمام قسم کی استعداد اور قابلیت کا جامع ہے، جس انسان کے اندر نقطۂ وجود زندہ و بیدار اور تدبیر کلی جو تمام اُمور کونی پر غور وفکر کرنے والی طبیعت کا مقتضیٰ اور خاصہ ہے، موجود ہو اور وہ انسان صاحبِ دل ہونے کی وجہ سے روئے روشن بھی رکھتا ہو تو اس کی زبان سے اس نقطۂ وجود کے معارف اور تدبیر کلی کے انکشافات عیاں ہوتے رہیں گے اور وہ اس حاسۂ خاص سے تمام کائنات کے مخفی گوشوں کو دیکھتا رہے گا۔

خواب اولیاء

فرمایا: میں بیس سال سے نہیں سویا، لیٹ جاتا ہوں، چادر اوپر تان لیتا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں سو رہا ہوں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس بات کی تاویل یہ ہے کہ عرف عام میں خواب، غفلت اور ذہنی تعطل کو کہتے ہیں اور آپ سے یہ دونوں چیزیں دور کر دی گئی تھیں۔

اتباع سنّت ہی ذریعۂ نجات ہے

فرمایا کہ آدمی کی نجات عقائد میں کمی بیشی کے بغیر انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں ہے جیسا کہ متقدمین اہل سنت کا مذہب ہے، بجز اس آدمی کے جسے کوئی صاحبِ کشف بعض عقائد واعمال کی تفصیل اور تحقیق سے متنبہ کر دے۔

علوم صوفیاء

فرمایا: صاحبِ تحقیق متکلمین (فلاسفہ) حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان تبائن سے ایک ایسا معنیٰ مراد لیتے ہیں جسے قبول کر لینے سے صوفیاء کی تحقیقات پر کوئی زد نہیں پڑتی اور اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف ہے۔ فلاسفہ قدیم کے کلام کو حقائقِ صوفیاء پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیاء کے علوم جمع وفرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفاء کرنا ہے اور اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ نے صرف چند چیزوں پر اکتفاء کر لیا ہے اور بعض سے صرفِ نظر کیا۔

www.maktabah.org

اعتقادِ توحید

فرمایا کہ توحید کے اعتقاد سے جو یقینی وجدان اور قطعی برہان سے ثابت ہے' اسیرانِ وہم وگمان کے اختلاف اور شکی الطبع لوگوں کی ناسمجھی و بے غوری کے سبب پھرنا نہیں چاہیے۔

ولایتِ حقیقیہ

فرمایا: عاداتِ بد سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور تہذیب اخلاق سے اگرچہ آدمی فرشتہ بن جاتا ہے' مگر کمال ولایت کی نسبت یہ کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذکر میں فرمایا: ''وما منا الا لہ مقام معلوم'' (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ مقرر ہے) مذکورہ صفات والا آدمی عنایاتِ الٰہی کا مستحق اور خوارقِ عادات کا مظہر بن سکتا ہے کیونکہ ایسی کرامات عادتِ بد سے بچنے اور اطاعت الٰہی کے اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں مگر ایسا صاحب کرامت ابھی ولایتِ حقیقیہ سے بہت دور ہے کیونکہ یہ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے اور ایسا آدمی جو خود بین ہو' سالکانِ طریقت میں کیسے شمار ہو سکے گا؟

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک آیۂ کریمہ ''وما منا الا لہ مقام معلوم'' کی رو سے ملائکہ کے مقامات و مدارج محدود اور مقرر ہیں اور صاحب ولایت خاصہ کا مقام جو تجلی ذات کے شرف سے مشرف ہو' کوئی حد و نہایت نہیں رکھتا۔

بہترین مجاہدہ توجہ الی الحق

فرمایا: بہترین مجاہدہ و ریاضت کھانے پینے میں حدِ اعتدال قائم رکھنے کے ساتھ علی الدوام توجہ الی الحق میں پوشیدہ ہے' یہاں تک کہ اس عمل کو عادت بنالیں۔

العلم حجاب الاکبر

فرمایا کہ جب حضور قلب حاصل ہو تو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے یہ نعمت زائل نہیں ہوتی' ہاں! البتہ تعلیم و تعلم اور باریک علوم میں مشغول ہو جائے تو حضور قلبی میں کچھ خفیف سا حجاب واقع ہو جاتا ہے۔

فرمایا: جسے حضور قلب کا ملکہ بایں طور حاصل ہو' جیسے آنکھ میں بصارت تو اسے علوم و فنون کے شغف سے بھی کوئی حجاب واقع نہیں ہوگا۔

www.maktabah.org

شیخ یاقوت عرشی کی وجہ تسمیہ

فرمایا: شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہے کہ انہوں نے ارض و سمٰوات اور حدوث و امکان سے گزر کر عرشِ وَحدَت (مقام وحدت) سے دائمی وابستگی حاصل کر لی تھی، ورنہ دل کا مستقل طور ہی سہی عرش کی طرف متعلق اور متوجہ ہونا کوئی کمال نہیں کیونکہ اہل تصوف کا پہلا قدم ماسوائے حق اور جملہ عرش و مافیہ کے خیالات سے گزر جانا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت عرش کے ساتھ اس سبب سے نہ ہو کہ ان کے علم کا حدود اربعہ ان کی بلند ہمتی کے سبب عرش حق ہے کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی کرتی ہے بلکہ یہ نسبت ان معنوں میں ہو کہ تجلی ذاتِ کے بعد وہ اور عرش ایک ہو کر رہ گئے، اس مناسبت سے کہ عرش حق کی طرح ان کا وجود بھی انوار و تجلیات حق کا مظہر اتم بن گیا۔

آپ اس مشہور شعر کے معنیٰ میں فرمایا کرتے تھے:

اگر تو پاس داری پاس انفاس بسلطانی رسانندت ازیں پاس

(اے سالک! اگر تو پاس انفاس کی حفاظت کرے تو اس مجاہدہ کی بدولت تجھے سلطنتِ حقیقی پر فائز کیا جائے گا) یعنی سالک کو چاہیے کہ ہر سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور بارگاہِ وحدیت سے دوسری طرف نہ پھیرے اور یہ مقام اس طرح حاصل ہوگا کہ سالکِ میدان توحید میں خوب غور و فکر کرے، یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات اتار کر حق سبحانہٗ کی ذات کا وہ قرب حاصل کرے کہ مقام بقا پر فائز ہو کہ بادشاہ کہلائے۔ نفی سے مقصود غیریت متوہمہ (ماسوائے حق کی وہ شکلیں جو وہم کی بدولت صورت پذیر ہوتی ہیں) کو دور کرنا ہے اور یہ نعمت سالک کو بحر وحدت میں مستغرق ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مشاہدۂ حق

فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ کے نزدیک منزل سلوک میں تمام اُمور سے اہم یہ امر ہے کہ سالک ہر لمحہ اور ہر حالت میں حق سبحانہٗ کا مشاہدہ مظاہر کائنات میں کرے، یعنی وہ یہ تصور کرے کہ وجودِ باری کی حقیقت، مختلف اور کثیر صورتوں کے ذریعے قید و اطلاق کی صفات میں منعکس ہو کر جو دکھائی جا رہی ہے، اس کا وجود حقیقی نہیں، بلکہ اعتباری ہے، کیونکہ قابل اعتنا

www.maktabah.org

اور لائق توجہ امر یہ ہے کہ تمام حجابات ختم کر کے سالک' احدیت کے سورج کو تعینات کے پہاڑوں میں طلوع ہوتا دیکھ سکے۔ اسی مقام سے سالک پر حقیقتِ مخفی کے تمام رموز منکشف ہونے لگ جاتے ہیں۔ ہاں! اگر اس منزل میں سالک پر مایوسی اور رنج وغم کے آثار ہویدا ہوں تو کوئی بات نہیں' البتہ مظاہر میں معیت حق کا مطالعہ اس انداز سے کرتا رہے کہ ایک بسیط نور نظر آ رہا ہے جو ہر چیز سے اوّل ہے اور مثالی صورتوں اور خیالی ہیولوں سے تجاوز کر کے وہ نورِ بسیط' ایک حقیقتِ ثابتہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اَنا کی اوٹ میں شمسِ احدیت کا نظارہ دراصل مقاماتِ جذب کی روح اور جان ہے اور مظاہرِ کائنات میں معیتِ حق کا مشاہدہ مقاماتِ سلوک کی نسبتوں میں سے ایک نسبت۔

بشری خصوصیات کی وجوہات

فرمایا: لڑائی' جھگڑا' صلح پسندی' غصہ اور اس قسم کی تمام بشری خصوصیات مختلف قویٰ کے باہمی امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں اور سلوک اور مراتب ولایت بھی انہی قوتوں کے ٹکراؤ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انسانی مزاج کی انہی مختلف النوع قوتوں سے کام لینے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر انسانوں کو تکالیف شرعیہ کا پابند بنایا گیا۔ اس کے ثبوت میں کہا جا سکتا ہے کہ عارف بعض اوقات تلخ اور بدبودار چیزوں کو بھی انتہائی لذت اور خوشی سے استعمال کر لیتا ہے' اس وجہ سے کہ اس وقت وہ اپنے بعض بشری قویٰ سے دستبردار ہو چکا ہوتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک قویٰ سے مراد مختلف النوع مخلوق اور افراد انسانی کی استعداد اور کارکردگی کی قوتیں ہیں' مثلاً انسان کی صورتِ نوعی' نطق' راست قامتی اور قابل توجہ چہرہ کی مقتضی ہے اور گھوڑوں کی صورت نوعی' ہنہنانے' خمیدہ قامتی اور بال دار چہرے مہرے کی مقتضی تھی۔

الصوفی ھواللہ

فرمایا کہ عالم امکان کے حجابات اور قوت وہمیہ کی انانیت سے چھٹکارا پانا منزلِ عرفان کا پہلا قدم ہے اور کہنے والے نے اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

www.maktabah.org

الصوفی ھو اللہ جب ممکن اپنے وجود سے اپنے امکان سے گردوغبار جھاڑ دے گا تو ذاتِ واجب الوجود کے سوا اس میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔

فرمایا: وجودِ حق ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوتا ہے اور جو کچھ بھی سمع و بصر اور تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے' وہ ان تمام (قویٰ وصفات) کی صلاحیت کی مقدار سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے مقام پر جب کوئی مبتدی خود کو علیحدہ سمجھتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے تو وحدت میں متردد ہو جاتا ہے اور جوں ہی اسماء وصفات کے سایوں سے خود کو نکال لیتا ہے تو تمام تر اعتراضات وخیالات رفع ہو جاتے ہیں' جو خود محجوب نہیں وہ بغیر اعتبار قویٰ کے حقیقتِ وجود کو پا سکتا ہے۔

بصارت اور بصیرت

فرمایا کہ بصارت (ظاہری بینائی) دراصل بصیرت روح (حقیقی بینائی) ہی کا اثر ہے' مگر مخصوص فاصلے اور جہات میں مقید ہے کہ یہ فاصلہ و جہت نہ تو غایت درجہ دور ہے اور نہ قریب' یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص نے سبز رنگ کا چشمہ لگا رکھا ہو اور اسے تمام ماحول سبز دکھائی دے۔ جب بصیرت کی قوت وادراک حاصل ہو جائے تو یہی بصارت اس کے تابع فرمان ہو کر جہت ومسافت کی تمام قیود سے بری ہو جاتی ہے۔

علمائے ظاہر کا نزاع لفظی

فرمایا کہ معتزلہ اور شیعہ رؤیت باری کا انکار کرتے ہیں' وہ سمجھتے ہیں کہ رؤیت جہت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ مکمل انکشاف حجابات کے اٹھنے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے' (گویا ظاہری بینائی محدود ومقید ہے اور حدود وقیود کے اٹھنے پر ہی دیدارِ حق ہو سکتا ہے) اور اہل سنت بغیر کیف وجہت رؤیت کے قائل ہیں اور اسی کو عین انکشاف گردانتے ہیں' نتیجۃً دونوں گروہوں کے ہاں لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اولیاء اور دیدارِ باری

فرمایا کہ اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کہ دوسروں کو قیامت میں عطا ہوگا' وہ ذات باری کو واشگاف اور اشکال سے منزہ بالکل روزِ قیامت میں دیدارِ حق کی طرح (دنیا ہی میں) اچکتی ہوئی بجلی کی صورت میں دیکھتے ہیں اور ان میں سے بعض اس سے بھی زیادہ

www.maktabah.org

اور کچھ تو متواتر دیدار عالم کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ''لم اعبد رباً لم أرہ'' (میں جس خدا کی پرستش کرتا ہوں اسے دیکھتا ہوں)۔

حقیقتِ بیعت

فرمایا: اولیاء اللہ کے سلسلے میں داخل ہونے سے مراد عمل اور تسلیم کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جب تک کوئی ان کی ریاضتوں اور اطوار کو نہ اپنائے' چاہے کوئی کتنا بھی ظاہری ارتباط پیدا کر لے' اسے داخل سلسلہ نہیں کہا جاسکتا۔

تجلی ذات کی دولت

فرمایا کہ ہمارے زمانے کے عرفاء کا یہ حال ہے کہ انہیں تجلی ذاتی کی دولت حاصل نہیں' ورنہ وہ کبھی اپنی اور آل اولاد کی اغراض کی خاطر سلاطین وامراء کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہ سمجھتا ہے کہ تجلی ذاتی کا اطلاق بعض جگہوں پر اس کے متعلقات وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ تجلی ذات سے مراد کمالِ تدبیر کا انکشاف ذات باری کے قہر اور ارضی وسماوی اسباب کی تدبیر کا جان لینا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ جب چاہے اور جس چیز کو جہاں چاہے ظاہر فرما سکتا ہے۔ اس (عارف) کو توکل علی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

تعصب راہِ خدا میں بڑی رکاوٹ ہے

فرمایا کہ راہِ وصول کی سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے۔ حضرت شیخ صوفیاء کے اس قول کہ جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو' افادہ واستفادہ کا ظہور نہیں ہوسکتا کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب سے اخذ کیا جائے اور بغیر اس کے دوسری طرف التفات نہ کرے' چاہے وہ غوث وقطب ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی قیاس آرائی سے اس کی (مرشد) افضلیت سب پر مقدم جانے۔

فرمایا کہ یہ بات عارف کے شایانِ شان نہیں کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف پھیر لے اور اس کی توجہ اس کے اپنے شیخ سے ہٹا دے اور اگر اس موقع پر مرید التجاوزاری کرے تو بھی اسے اس کے شیخ کے حوالے کر دے لیکن اگر اس کا شیخ کسی دوسرے شہر چلا

www.maktabah.org

جائے یا واصل بحق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا کہ صحابہ کرام کا انکار یا ان کو بُرا بھلا کہنا ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں بلکہ یہ ان پر افتراء ہے۔ ابن عبد البّر کے اس قول کی توجیہ میں کہ بعض تابعین کی بعض صحابہ رسول پر فضیلت جائز ہے' فرماتے تھے کہ روحانی صحبت کی فرمانبرداری جسمانی صحبت کی فرمانبرداری سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ابن عمامہ بھی صحابہ میں سے ہیں اور ان کی صحبت روحانی ہے جو کہ مؤثر تر ہے۔

لفظوں کے پجاری علماء

فرمایا کہ میں نے عرفاء وعلماء کی ایک بہت بڑی محفل میں مسئلہ وحدت الوجود ثابت کر دکھایا۔ عقائد متکلمین پر مبنی عبارات کے حوالے پیش کئے اور عقلی ونقلی دلائل دیئے مگر اس تمام بحث کے دوران ''وحدۃ الوجود'' کی اصطلاح کو لفظاً ذکر نہ کیا۔ انہوں نے یہ تمام دلائل قبول کر لئے' گویا خلاصہ یہ نکلا کہ لفظوں کے پجاری علماء کا اکثر تعصب لفظوں سے ہوتا ہے۔

مسئلہ توحید خالی کتابوں سے حل نہیں ہوتا

فرمایا کہ توحید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ ریاضت وانجذاب کے بغیر فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ کتابوں کا مطالعہ عملی مشق کے بغیر تیر' کمان کے سوا تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان رسائل سے مطلوب کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔

اولیاء ابوالوقت ہوتے ہیں

فرمایا کہ تمام زمانے میرے نزدیک بحیثیت آنِ واحد کے ہیں۔

فرمایا کہ ایک روز میں نے وضو کرنا چاہا کہ اسی دوران کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی' بعد میں میرے دل میں یہ القاء ہوا کہ یہ مدتِ غنودگی نو سو ہزار برس کے برابر تھی۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ طویل تر زمانوں کو ایک پل کی صورت میں پانا دراصل فنا کے حقیقت میں مل جانے سے پیدا ہوا۔ کیونکہ زمانہ فنا ہے اور حقیقت اس سے ماوراء اور ایک ساعت کو طویل تر زمانوں کی حیثیت میں پانے سے ان کی مراد یہ ہے کہ زمانہ مقدار حرکت کو کہتے ہیں اور عالم مثال میں کوئی ایک ایسی حرکت موجود ہے جو اس (زمانہ) کی حرکت سے تیز تر ہے۔ اگرچہ یہ حرکت

www.maktabah.org

ظاہر نہیں ہوتی مگر بعض اوقات ظاہر بھی ہو جاتی ہے اور حرکات مالوفہ سے تیز تر مقدار طویل زمانوں کے گزرنے سے منکشف ہوتی ہے۔

فرمایا کہ اگر کسی بُرے کام کے مرتکب کو دیکھو تو جان لو کہ وہ قصداً ارتکاب نہیں کر رہا' لہٰذا اسے نصیحت کرو کیونکہ ''فان الذکریٰ تنفع المؤمنین'' (نصیحت مؤمنین کے لیے نفع بخش ثابت ہوتی ہے) اور مؤمنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں ایمان کا بلند تر مقام حاصل ہوتا ہے' شاید کہ نصیحت ان سو میں سے کسی ایک کو نفع پہنچائے جو امرِ ارادی کے موافق ہو' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی بچی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ہر کوچہ و بازار میں پکارتا پھرے حالانکہ اس کی بچی کسی خاص مقام میں موجود ہو اور اس کی خبر رکھنے والا ہزاروں میں سے کوئی ایک ہو۔ (جب وہ آواز لگائے گا تو ہزاروں میں سے کوئی ایک جو جانتا ہوگا سامنے آجائے گا' اسی طرح لوگوں کو نصیحت اور بھلائی کی بات بتانی چاہیے ممکن ہے کوئی اس سے فائدہ اٹھالے)۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ دنیا ساری تقدیر کی رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے' اگر کوئی فاسق ہے تو اس کا فسق اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ اگر صالح ہے تو اس کی نیکی اس کی تقدیر تھی اور واجب بالغیر کے لیے علتِ تامہ کی ضرورت ہے' جبکہ ہدایت مرشد جو کہ علتِ مرشد کا جزو ہے' اکثر نفوس کی اصلاح کا سبب بنتی ہے' لہٰذا تدبیر کلی بعثت رسل اور کتب آسمانی کے نزول کا تقاضا کرتی ہے اور تمام اسباب کے وجود کی متقاضی ہوتی ہے۔

ذوقِ مشاہدہ

فرمایا کہ جب کسی کو ذوقِ مشاہدہ حاصل ہو جائے تو کوئی معصیت اسے زائل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ چاہے صالح ہو یا فاجر دونوں کے نزدیک شیرینی محبوب تر ہے اور گناہوں سے حفاظت محض ذاتِ باری کی عنایت پر مبنی ہے۔

خدا کا دشمن کون ہے؟

فرمایا کہ بایزید (حضرت شیخ کے ایک ہم عصر بزرگ) نے مجھ سے کہا کہ میں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا: اے شیخ! تم کون ہو اسے دیکھنے والے؟ انہوں نے کہا: تو کیا دوست کو دوست سے حذر کرنا چاہیے؟ میں نے کہا: تو اس کا دشمن کون ہے؟ اس پر ان کا

www.maktabah.org

غصہ فرو ہو گیا کیونکہ منصفانہ طبیعت پائی تھی۔

فرمایا کہ ولی اس دنیا میں بوجہ غلبہ عناصر روح آگ میں جلایا جاتا ہے اور تلوار سے قتل کیا جاتا ہے مگر روزِ قیامت معاملہ اس کے برعکس ہو گا کہ آگ بزبانِ حال پکارے گی: ''جزیا مؤمن فان نورک یطفا لھبی'' (اے مؤمن! جلدی گزر جا کہ تیرے نور کی لپٹ میرے شعلے کی بھڑک کو ٹھنڈا کر رہی ہے) مگر یہ مقام ان اہلِ کمال کا ہے جن کے سامنے سے پردہ ہائے امکان اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

ریاضاتِ صوفیاء

فرمایا کہ ایک عالم نے عارف سے سوال کیا کہ صوفیا یہ تمام مجاہدات و ریاضات کاہے کو کرتے ہیں؟ عارف نے کہا: اگر تمہیں کہا جائے کہ اس طرح اس طرح کی مشقت کرو جس کے معاوضے میں تمہیں سلطنت دی جائے گی یا بادشاہ تمہارے تابع فرمان ہو جائے گا تو وہ تمام مشکلات اور مشقتیں تمہیں گوارا ہوں گی کہ نہیں؟ اس نے کہا: ہر شخص خوشی سے ایسا کرے گا۔ عارف نے کہا: اسی طرح ریاضات و مجاہدات کے نتیجے میں ذاتِ حق نہاں خانۂ قلب میں اپنی شانِ الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہاں (مؤخر الذکر عبارت میں) آمدِ حق (یعنی قلب عارف میں ذات حق کی جلوہ گری) سے مراد صورتِ الٰہیہ کی بقاء کا حصول ہے اور اس کا اصل اس نقطۂ وجود کی روشنی اور جلوہ گری ہے جو سالک کے نفسِ ناطقہ کے نقاط میں سے ایک ہے۔

عین القضاۃ ہمدانی کے قول کی تشریح

عین القضاۃ ہمدانی کے ظاہراً غیر شرعی قول کہ

اے پسر لا الٰہ الّا اللّٰہ — خود ز شرک خفی است آئینہ دار
چیست شرک جلی رسول اللّٰہ — خویشتن را ازیں دو شرک برآر

کی تاویل میں فرمایا کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور معبود کے لیے عابد کا ہونا ضروری ہے' اس میں دوئی کا تصور نمایاں ہے جو کہ اصلِ شرک ہے اور شرکِ خفی اس میں یہ ہے کہ عابد عبادت میں مذکور نہیں اور محمّد رسول اللّٰہ کا معنیٰ یہ

ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے' یہاں اس میں شک نہیں کہ مضاف جو کہ رسول ہے' وہ مضاف الیہ یعنی اللہ کا غیر ہے اور یہ شرک جلی ہے اور جب تو وحدت کی حقیقت کو پالے گا اور تعینات کی غیریت کو اعتباری جانتے ہوئے رسولِ خدا کو بھیجنے والے کا مظہر دیکھے گا تو ان تمام اقسامِ شرک سے نجات پالے گا۔

لامحدودیتِ واجب الوجود

فرمایا کہ وجودِ عالم عدمِ واجب کو مستلزم ہے' اس لیے کہ وجودِ عالم کی صورت میں اگر تو واجب' وجودِ عالم سے خارج ہے' تو وہ محدود ہو گیا اور واجب کبھی محدود نہیں ہو سکتا اور اگر واجب' وجودِ عالم میں داخل ہے تو حلول لازم آتا ہے اور ذاتِ حق حلول سے پاک ہے اور اسی طرح ضروری ہے کہ ہر طرح سے عدمِ ممکنات کی تردید کی جائے تو ثابت ہو گیا کہ عالم تعیناتِ اعتباری سے عبارت ہے اور حقیقتِ وجود کہ دُوسرے لفظوں میں یُوں بیان کرتا ہوں کہ وہ معدوم ہے جو کہ اپنی ذات میں خود قائم ہے۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے ایک قول کی تشریح

فتوحاتِ مکیہ کے باب:۱۶۱' میں شیخ اکبر رحمہ اللہ کے اس قول کہ ''لامن العالم من اللہ'' کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ وجودِ عالم بمنزلۂ وہم ہے اور وجودِ باری' وجودِ حقیقی ہے' ایک عارف نے کہا ہے کہ ''الوجود فی الکل ساری والتعینات امور اعتباریة'' (وجودِ حقیقی تمام اشیاء میں جاری وساری اور تعینات صرف اعتباری امور ہیں) لہٰذا عالم خدائے لم یزل سے دُور کی چیز ہے' کیونکہ موجودِ حقیقی (ذاتِ حق) اور موہوم (عالم) میں باہمی تضاد ہے اور ان کے مابین کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو انہیں جمع کر لے۔ اس کی مثال اس سراب کی سی ہے' جو شعلۂ آفتاب کے پرتو سے دریا دکھائی دیتا ہے' مگر فی الحقیقت دونوں (سراب و دریا) میں تبائن کلی موجود ہے اسی طرح خداوند بزرگ و برتر کی یکتائی کا سورج عالم پر چمک رہا ہے' جس کے نتیجے میں عالم وجود میں آیا' جسے بحرِ ذات کے ساتھ ایک مناسبت تو پیدا ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ خود اپنی ذات میں وہ معدومِ محض ہے۔

شیخ اکبر کے اس قول ما فی احدٍ من اللہ شیئاً کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکابرین طریقت کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود

www.maktabah.org

نہیں ۔

کجا غیر کو غیر کو نفسِ غیر سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے ذاتِ حق اور اس کے شیونات کے مظاہر ظاہر ہیں۔ پس اس کی ذات وصفات کس طرح غیر میں حلول کرتی ہیں' یا غیر سے متعلق ہو جاتی ہیں اور یہ تو مستلزم اثنینیت ہے' پس معلوم ہوا کہ خدا کے سوا میں خدا نہیں جیسا کہ اس کے سوا کوئی چیز اس میں موجود نہیں' چنانچہ صوفیاء کے اس قول کہ ''لیس فی ذاتہ سواہُ ولا ذاتہ فی سواہُ'' (اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں اور نہ وہ خود اپنے غیر میں موجود ہے) معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدتِ وجود کے بارے میں ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتیں۔

عظمتِ قرآن

فرمایا کہ عارفین میں سے کسی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میرے لیے بحر اور آیاتِ قرآنیہ موجوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں' جب میں ایک آیت پر غور کرنے لگا تو بے انتہا پوشیدہ معانی مجھ پر آشکارا ہوئے اور میرے دل میں یہ آیا کہ یہی ہے وہ قرآن جو آں حضرت ﷺ پر نازل کیا گیا تھا' اس طرح میں نے عظمتِ قرآن کو جان لیا۔ جب کوئی ولی خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حضور بعض آدمیوں کے لیے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسے حسبِ مطلوب ایک دو آیات قرآنیہ الہام کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جب وجودِ حق صُوَرِ امکانیہ میں ظاہر ہوا تو صفاتِ واجبیہ پردہ ہائے امکان میں پوشیدہ ہو گئیں جیسا کہ نشہ استعمال نہ کرنے والا کاریگر اچانک نشہ آور چیز استعمال کرنے سے اپنے اوصاف کاریگری سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مظاہر ممکنہ میں وجود جلوہ گر ہوتا ہے' تو اس وقت صفاتِ کاملہ ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔

مقاماتِ سلوک

ایک صوفی کے اس قول کہ ما بعد المقام الذی وصلناہ مقام (یعنی جس مقام تک ہم پہنچے ہیں اس کے بعد بھی ایک مقام ہے) اور ایک دوسرے عارف کے اس قول کہ فوق کل مقام مقام مالا یتناھی (ہر مقام کے درے ایک اور مقام ہے اور یہ سلسلہ وراء ہے)

www.maktabah.org

کی تشریح میں فرمایا کہ پہلا قول اہل شہود (جو تمام مراتب طے کرنے کے بعد رؤیت حقیقیہ کی دولت سے شاد کام ہوں) کی نسبت درست ہے' جیسے شیخ بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اذ لیس وراء عباد ان قریۃ والی ربک المنتھیٰ اور دوسرے قول کے قائل کی مراد اگر مظاہر اسماء کی سیر ہے جیسے ملائکہ' عالمِ مثال وارواح وغیرہ مسلم ہیں' لیکن یہ کمال نہیں کیونکہ عارف ذاتِ حقیقی تک رسائی کے بعد ان (سیر مظاہر اسماء) سے بے نیاز ہو جاتا ہے' اور اس وقت ان پر لفظ مقام بھی تسامح کے ساتھ صادق آتا ہے۔ اگر سالک یہ سمجھتا ہے کہ وصولِ ذات کے بعد بھی مقاماتِ غیر متناہیہ واقعۃً موجود ہوتے ہیں تو اس کی فاش غلطی ہے۔

تشریح شعر عطار رحمہ اللہ

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کے اس شعر

عشق را با کافری خویشی بود　　کافری را مغز درویشی بود

کی تشریح میں فرمایا کہ اس میں کفر سے مراد نسب اور دیگر اضافی چیزوں کا مخفی رکھنا ہے۔

شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ ابوسعید خراز کے اس قول کہ اکثر العارفین حتّٰی ابی یزید ما توافی الوھم والظن (اکثر عارفین یہاں تک کہ ابو یزید نے بھی وہم وگمان میں یکسانیت روا نہیں رکھی) کے بارے میں فرمایا کہ ولایتِ کبریٰ جہتِ دوئی کو مٹانے کا نام ہے' شہود اور وصول باذات بھی اس سے عبارت ہے۔ اکثر عارفین کہ شیخ ابو یزید بھی ان میں سے ایک ہیں واقعی اسی مقام پر فائز ہیں' مگر اس مقام شہود کے کئی مراتب و مدارج ہیں' بعض اوقات تو یہ (شہود) تجلی صفاتِ وجوبیہ جبکہ امکان بھی ساتھ باقی رہتا ہے۔ اکثر عارفین پر اسی مرتبے کا غلبہ تھا اور یہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ شہود خالصتاً تجلی ذات کی صورت میں ہوتا ہے اور امکان بھی نہیں ہوتا' یہ بالکل غلط ہے اور یہی تجلی برقی آنی ہے جو اس جہان میں دائم نہیں رہتی اور اس میں اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں۔ روح بدن سے بچھڑ جاتی ہے جو اس طرح شہود ذات کو نہیں پالیتا وہ درحقیقت اصل توحید سے دور رہتا ہے اور اس پر وحدت کا غلبہ نہیں ہونے پاتا جیسے شہود کے کچھ مراتب بایزید بسطامی رحمہ اللہ پر غالب آ گئے تھے اور امکان میں سے کچھ بقیہ کے سبب یہ فقرہ ان کی زباں سے صادر ہو گیا سبحانی ما اعظم شانی اور یہ الفاظ اس شخص کے لیے مناسب نہیں جو طریقۂ مذکورہ کے مطابق وحدت

www.maktabah.org

کی اصل تک پہنچا ہو۔

ایک لطیف نکتہ

واضح رہے کہ ما اعظم صیغۂ تعجب ہے اور اس مقام پر کوئی تعجب ہوتا ہی نہیں، وہ اس طرح کہ حق تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ ایسا نعرہ لگانے کے بعد شیخ بسطامی رحمہ اللہ نے زنار گلے میں ڈال کر بعد میں اُسے کاٹ دیا اور کہا: اللھم ان کنت قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فکنت مجوسیاً زندیقاً وانا اقطع زناری واقول لا الٰہ الا اللّٰہ (یا اللہ! اگر میں نے کبھی سبحانی ''ما'' اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندیق تھا۔ اب میں اپنی زنار اتار پھینک کر کلمۂ لا الٰہ الا اللّٰہ کا اقرار کرتا ہوں) حالانکہ قرینہ یہاں یہ ہے کہ ابھی اُن کے ہاں امکان میں سے کچھ باقی تھا اور آخر میں اس کی خبر ہوئی۔ اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ ان کے مندرجہ بالا قول کا مطلب ہدایت وارشاد تھا تو اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ آئندہ اس کی تقلید میں کوئی ایسا نعرہ نہ لگائے۔

مقامِ ابنِ منصور رحمہ اللہ

جہاں تک ابن منصور کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ابوسعید خرّاز نے یہ رائے دی: ''کان اوحد زمانہ لم یکن فی عھدہٖ من الشرق الی الغرب مثلہ'' (ابن منصور میدانِ وحدت میں یگانہ روزگار تھے اور ان کے زمانے میں مشرق سے مغرب تک ان کے پائے کا کوئی آدمی نہیں تھا) اسی وجہ سے ان پر سرِ توحید کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ پیچھے نہ ہٹے، مگر مناسب بات تو یہ ہے کہ ابنِ منصور نے خود توحید حقیقی کے راز کو نہیں پایا تھا، کیونکہ وہ اپنے قول انا الحق پر ہمیشہ قائم رہے جبکہ تجلی برقی آنِ واحد کی طرح ہے۔

اکثر عرفاء جو شہود کی کسی ایک قسم سے مشرف ہوئے، اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انہیں شہود ذاتی حاصل ہو گیا ہے، حتیٰ کہ وہ اسی زعم میں چل بسے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ تجلی، متجلیٰ لہٗ (جس کو تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز محدود کے لیے ہو وہ حد و حساب سے خالی نہیں ہو سکتی لیکن ان نفوس کہ جن پر قویٰ اطلاقیہ غالب آ جائیں اور ان نفوس میں کہ قویٰ تقییدیہ ان پر غلبہ رکھتی ہوں، فرق ہے۔ لہٰذا نفوس تقییدیہ میں معرفت کی غایت ظہور صفات

www.maktabah.org

ہے نہ کہ ذات اور یہ بھی ایک طرح کا امتزاج و اختلاط ہوتا ہے جیسے کہ ہر آئینہ اپنی وسعت کے مطابق اجسام کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ زمین و آسمان ایک چھوٹے سے آئینے میں آجاتے ہیں، مگر جب یہی آئینہ سبز یا زرد رنگت کا ہو یا اس کی شکل لمبوتری یا مثلث ہو تو کئی اور تبدیلیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں، گویا ہر تبدیلی ایک حجاب ہے۔

نظارۂ جمالِ حقیقی

فرمایا: اگر انا الحق کہنے والا امکان کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو وہ جھوٹا ہے اور دائرۂ فرعونیت میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی جہتِ امکان مغلوب ہو گئی ہے تو وہ معذور ہے۔ اس مقام پر فرمایا کرتے تھے کہ تجلیِ برقی باطل دعووں اور امکانی جہت سے بے نیاز ہوتی ہے، کیا یہ بات کسی سے مخفی ہے کہ جب ایک شخص کسی حسین و جمیل کا نظارہ کرتا ہے تو خود کو اور اپنی تمام تر صفات کو فراموش کر بیٹھتا ہے بعینہٖ یہی حال خواتینِ مصر کا رُخِ یوسف کو دیکھ کر ہوا تھا، یہاں سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ نظارۂ جمالِ حقیقی سے کیا حال واقع ہوتا ہوگا؟

ظلمتِ عدم سے وجودِ خارجی تک

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃٍ ثم رش علیھم من نورہٖ'' (خداوند بزرگ و برتر نے مخلوقات کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی) کہ اس نے خلق کو اعیانِ ثابتہ کی حیثیت میں اس طرح پیدا کیا کہ وہ ظلمتِ عدم کا لباس پہنے ہوئے تھے، واضح ہو کہ ایسے میں وجودِ خارجی منتفی تھا، اس کے بعد ذاتِ حق نے ان پر وجودِ خارجی کا نور ڈالا تو وہ تمام اعیانِ خارجی بن گئے اور اس موجودیت کے ساتھ انہوں نے ذاتِ حق کو پہچانا۔

فرمایا کہ انسان کا مراتبِ امکانی کی طرف توجہ کرنا حدِ ذات میں خود کمال ہے۔ اس رو سے کہ یہ تمام شیونِ ذات ہیں اور یہ جو مراتب کو غفلت کا نام دیا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ بعض اوقات صفاتِ واجبیہ کی طرف توجہ کرنے میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ذاتِ حق تک پہنچنے سے محروم، اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور موت کے بعد (اس کی روح) پریشان، غمزدہ اور اذیت رسیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کمال کو نہ پا سکا اور اپنے مالوف سے جدا ہو گیا۔

www.maktabah.org

فرمایا کہ ذات اپنے اعتبار نفس کے لحاظ سے خود تمام تر منفی و مثبت اعتبارات سے قطع نظر ذات خاص' ذات ساذج' لاتعین' احدیت صرفہ اور وجود مطلق کے ناموں سے موسوم ہے۔ یہ وجودِ مطلق اس معنیٰ میں کہ نسبت تقیید و اطلاق سے خالی ہوتا ہے' نہ یہ کہ اطلاق کی پابندی میں مقید ہو۔ صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ذات بحت (خاص) موجود ذہنی اور محض عقلی ہے' اس کا خارجی وجود نہیں۔

اور اس گفتگو سے مراد یہ ہے کہ مقید سے مراد یہاں امرِ ذہنی ہے کیونکہ اعتبارات' ذات کے اسماء وصفات ہیں جو کہ ذات کا لازمہ ہیں اور انہیں ذات سے خارجی طور پر جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ذات اِن کمالات کے رُوپ میں ازلی و ابدی طور پر ظاہر ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اپنے بعد آنے والی وحدت اور دیگر تمام قابلیات سے پہلے ہے' یہاں پر احدیت سے مراد احدیت ذاتی ہے کہ جہاں کوئی اعتبار نہیں پایا جاتا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ احدیت اس وحدت کے بعد ہے' اس سے مراد احدیت صفاتیہ ہے اور وہاں ذات کے علاوہ کی نفی مقصود ہے' لہٰذا اختلاف باقی نہ رہا' الغرض ذات کے علاوہ جملہ اعتبارات و اضافات وغیرہ کو ذات سے ساقط کر دینے کا نام احدیت ہے اور ذات کے ساتھ جملہ اشیاء کو ثابت سمجھ لینا احدیت ہے اور یہ واحدیت کمالات وجوبیہ و امکانیہ دونوں کو شامل ہے' لفظ واجب کا اطلاق تجلی وجودِ مطلق کے اعتبار سے صفاتِ واجبیہ مؤثرہ پر اور لفظ ممکن کا اطلاق باعتبار تجلی صفاتِ امکانیہ متاثرہ پر ہوتا ہے۔

احدیت و واحدیت

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ احدیت و واحدیت میں تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ رتبے کے لحاظ سے ہے جب کہ کچھ غیر حقیقت پسند لوگوں کے گمان میں یہ تقدم و تاخر زمانی ہے۔ تقدم رتبی کی مثال یوں ہے کہ ایک ہی وقت میں زید اپنے خارج میں زید بھی ہے اور انسان بھی' عالم بھی ہے اور پارچہ باف بھی' مگر جب اس کی ذاتِ خاص پر نظر ڈالی جائے تو اسے صرف انسان کا نام دیا جاتا ہے اور اگر صفات کی نفی کریں تو صرف انسان کہلائے اور اگر ان تمام صفات کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے تو اسے باصفات انسان کہا جائے گا۔ پھر اگر فرداً فرداً جملہ صفات کی تفصیل بیان کی جائے تو علم کی صفت کے اعتبار سے وہ انسان عالم ہے اور

www.maktabah.org

پارچہ بافی کی صفت کو اس سے جوڑا جائے تو وہ پارچہ باف ہوگا اور زید ان تمام حالات میں واحد ہے کہ خارج میں اس کی جملہ صفات اس سے منفک نہیں ہیں اور بعض اعتبارات کے ناموں کا اختلاف عقلی ہے اور ایک اعتبار کا دوسرے پر تقدم رتبی ہے نہ کہ زمانی۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خارج میں ذات بحت موجود ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ جسے ذات بحت فرض کرتے ہیں وہ بعینہٖ مظاہر میں بھی موجود ہے اور کج فہموں کے اوہام کو دُور کرنے کے لیے یہ کچھ کہا گیا ہے جو ذاتِ خاص کو علم سے خارج قرار دیتے ہیں اور نسبتِ ظاہریت و مظہریت ثابت کرتے ہیں۔ تعالیٰ اللّٰہ عمّا یقول الظالمون علوّاً کبیرا۔

اصلیتِ شطحیات

فرمایا: جس نے سبحانی ما اعظم شانی یاانا الحق کہا' غالباً غلبۂ حال اور اپنی نظر سے جہتِ امکان کی نفی کرتے ہوئے کہا' وگرنہ اسمائے الوہیت کا اطلاق سوائے تمام معلومات کے عالم کی کسی چیز پر روا نہیں اور یہ علم ''ان سبحانی'' اور ''انا الحق'' کہنے والوں میں موجود نہ تھا اور درحقیقت یہ علم کسی بھی مظہر میں نہ تو پایا گیا ہے اور نہ ابد تک پایا جائے گا' کہتے ہیں: اگر تجلی برقی اپنے خواص کے ساتھ دائم ہو جائے تو یہ احاطۂ جمیع معلومات ہوگا مگر تجلی ذاتی کا دوام کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ رُوح بدن کو چھوڑ جاتی ہے اور بدن متفرق و پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

تجلی برقی

فرمایا کہ پردوں کے اٹھنے کے بعد کشفِ ذات کہ جس کا نام رؤیت ذات اور تجلی برقی ہے۔ اس جہان میں تجلی امکانات کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ یہ تجلی برقی نہیں ہوتی مگر موت کے بعد ایک اعتبار سے ہوتی ہے تو اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ حُبِ نوعی سے چھٹکارا پالینا موت سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ قولِ باری تعالیٰ ہے:

''او من کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً''۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: ''من مات فقد قامت قیامتہ'' (جو مر گیا تو اس کے لیے قیامت قائم ہو گئی) لہٰذا اہلِ شہود کے لیے قیامت قائم ہے پس وہ ان حالات کو اسی طرح دیکھتے ہیں جو کہ لوگ قیامتِ موعود میں دیکھیں گے۔

www.maktabah.org

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''او من کان میتاً الخ'' سے مراد یہ ہے کہ ''او من کان فانیاً رفع عنه الحجب فاحییناه ای ابقیناه لا یریٰ الا باللّٰه فلا یسمع الابه وجعلنا له نوراً یعنی التجلی البرقی الأنی'' (جو فانی تھا ہم نے اس کے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے بقا عطا کر دی' اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اپنے رب کی آنکھوں سے اور جب سنتا ہے تو اسی کی سماعت سے اور ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی عطا کر دی)۔

لذّتِ عشق

ایک دن حضرت شیخ نے مشاہیر میں سے کسی کا نام لے کر فرمایا کہ وہ مقام معشوقیت پر فائز ہیں اور میں اس مقام پر ہوں کہ عاشقیت و معشوقیت کو وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ وہ جو یہ کہتا ہے کہ عاشقیت میں جو لذت ہے وہ دُوئی کے اُٹھ جانے میں نہیں' غلطی پر ہے کیونکہ عاشق دوئی کے سبب آتشِ عشق میں جلتا رہتا ہے اور ایسے میں وہ شرکِ خفی کا مرتکب ہوتا ہے اگرچہ یہ مرتبہ حسنات الابرار کا ہے' مگر سیئات المقربین میں شمار ہوتا ہے جب کہ صاحبِ شہودِ عظمت استغناء اور جلال و جمال سے لذت یاب ہوتا ہے اور اس لذت کا درجہ لذتِ عاشقیت سے کہیں بلند ہے۔

کشفِ ذات

حضرت شیخ نے فرمایا: جس کے سامنے سے پردے اُٹھ گئے تو وہ اپنے پروردگار کو اپنی رُوح میں دیکھتا ہے اور اسی کو کشفِ ذات کہتے ہیں اور ایسے میں عارف عدم تناہی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفات میں سے ہے۔

علومِ عارف

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری اَنا کے ساتھ حقیقت الحقائق سے متعلق ہے اور اَنا محدود ہے جبکہ حقیقت الحقائق لامحدود تو ان میں تنافی بایں وجہ نہیں ہے کہ انا کا نفوذ حقیقت الحقائق میں اس طرح ہے کہ ہر طرح کے اعتبارات سے بَری ہے اور تناہی اور نا تناہی دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔

www.maktabah.org

اقسامِ حدیثِ قدسی

فرمایا: حدیثِ قدسی کے دو اقسام ہیں: ایک وہ جسے جبرئیل لاتے تھے اور قرآن میں داخل نہیں کیونکہ یہ کلام معجز نہیں اور اپنی غایت میں محدود و مخصوص ہے جبکہ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لیے شفاء ہے' دوسرے وہ کہ خداوندِ کریم نے براہِ راست آں حضرت ﷺ پر اتاری۔

استغاثہ باصحاب القبور

حدیث ''اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور '' (جب تم دنیوی امور میں غلطاں و پریشاں ہو جاؤ تو اصحابِ قبور سے مدد طلب کرو) کی وضاحت میں فرمایا کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مُردوں کے احوال کو یاد کر کے عبرت پکڑنا ہے جو امورِ دنیوی سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔

حقیقتِ دنیا

حدیث ''ان الدنیا اقبح من جیفۃٍ منتنۃٍ'' (دنیا گلی سڑی لاش سے بدتر ہے) کی تشریح میں فرمایا کہ دُنیا حق کی طرف توجہ کو روکتی ہے کیونکہ دل کا تعلق اس سے ہو جاتا ہے نہ کہ گلی سڑی لاش سے۔

حقیقتِ کذب

فرمایا کہ اقوال میں سے جھوٹا قول وہ ہوتا ہے جو خلافِ شریعت کہے اور جھوٹے افعال وہ ہوتے ہیں جو خلافِ شریعت ہوں اور جھوٹے احوال یہ ہیں کہ کوئی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائے جبکہ سچا حال ایک ہی ہے اور وہ شہود ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ تلوّن سے مراد یہاں سرِّ توحید کا ایک بار ظاہر ہونا اور دوسری بار پوشیدہ ہونا ہے یا یہ کہ ایک بار جو چیز ظاہر ہوتی ہے تو دُوسری بار اس کے برعکس کوئی اور چیز سامنے آتی ہے۔

مشابہت یہود و نصاریٰ سے ممانعت

فرمایا: لمبی ٹوپی اور ریشمی پیٹی کمر سے باندھنا جسے ہندی میں سیلی کہتے ہیں' علاماتِ یہود

www.maktabah.org

ونصاریٰ میں سے ہے۔ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں پر خفگی کا اظہار لازم فرمایا تھا' بعد میں جاہل لوگوں نے اسے پسند کر کے اپنا لیا۔

پردہ ہائے امکان و وجوب

فرمایا: پردہ ہائے امکان غفلت کی تاریکیوں سے عبارت ہیں جو دوئی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں' ان کا تعلق کھانے پینے یا سونے سے نہیں جو کہ لوازمِ زندگی ہیں' بلکہ غصہ' حسد' بغض اور تمام اوصافِ ذمیمہ سے ہے جو غفلت کو بڑھاتے ہیں اور پردہ ہائے وجوب صفاتِ واجبیہ کو کہتے ہیں۔ سالک جب خدا کے فضل سے ان تمام حجاباتِ امکانیہ کو قطع کر لیتا ہے تو ذاتِ حق کو حجاباتِ وجوبیہ سے وراء اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی دیکھنے والا آفتاب کو ہوا' کرۂ آگ اور آسمانوں کے وجود جو کہ زیرِ آفتاب ہوتے ہیں' دیکھتا ہے اور یہ جملہ اشیاء اس کو دیکھنے سے مانع نہیں ہوتیں' اسی طرح سالک کے لیے حجاباتِ وجوبیہ مشاہدۂ ذات سے مانع نہیں ہوتے اور اس کے بعد اولیاء میں سے مخصوص افراد کے لیے تو حجاباتِ وجوبیہ کو بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔

تعریف مشاہدہ

فرمایا: مشاہدہ سے مراد ایسی توجہ قلب ہے جو کہ حقیقت الحقائق کی طرف مبذول ہو' چاہے ایک ساعت کے لیے ہی کیوں نہ ہو اور جس نے ذاتِ حق کو نہ پہچانا اور اس کے مظاہر کو نہ جانا وہ مشاہدۂ حق سے بے خبر ہے۔

حصولِ شہود

فرمایا کہ مشاہدے کو عالم مثال و ارواح کے طے کرنے کی حاجت نہیں اور ایک شہود وہ ہے جو محض جذبۂ الٰہیہ سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کے شہود کی بقاء کا اعتبار نہیں بخلاف اس شہود کے جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے چونکہ یہ عبور کے بعد ہوتا ہے لہٰذا اس کی بقاء کا اعتماد موجود ہوتا ہے۔

فرمایا: عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ سراپا عشق ہو جائے کیونکہ عشق معشوق کا مادۂ اشتقاق ہے اور اس جگہ یہ بھی فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو بھی عشق سے موسوم کیا جاتا ہے۔

www.maktabah.org

اہل سلوک کے اس قول کہ ''ریاضتوں سے دل پستی سے بلندی پر آجاتا ہے'' کی تشریح میں فرمایا کہ دل کا پستی سے بلندی پر آنے کا مقصد یہ ہے کہ سفلیات سے کنارہ کر کے علویات کی طرف مائل ہو جائے ورنہ دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ شریانیں دل کے ساتھ جُڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

العلم اوسع من الحال

شیخ اکبر کے اس قول کہ ''العلم اوسع من الحال ''(علم حال سے وسیع تر ہے)اور ابوسعید کے اس قول ''الحال اوسع من العلم ''(حال علم سے وسیع تر ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ وسعتِ علم تب ہے جب کہ وہ حال اور اس کے علاوہ کیفیاتِ نفسانیہ کے دائرے میں داخل ہو جائے لیکن حقائق خارجیہ حال کے نزدیک کیفیت مخصوصہ ہے کہ اس کا غیر اس میں نہیں سما سکتا اور وسعتِ حال اس جہت سے ہے کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ علم کے برعکس اس حال کے سبب عجیب کیفیات اور انوکھے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا: ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک جن نے کنکری پھینکی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لڑھکتی جارہی تھی' یہ جنوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو چیز وہ پھینکتے ہیں سیدھی جاتی ہے۔

فرمایا: شمال کی جانب ایک کونہ ایسا ہے کہ جہاں ارضی فرشتے رہتے ہیں اور ان کے ہاں توالد وتناسل بھی ہے' برعکس دوسرے آسمانی وزمینی فرشتوں کے۔

فرمایا: جب وجود ماہیات پر قابض ہو جائے تو ماہیات کی استعداد کے مطابق خوشبو' بدبو' لذت' تھکاوٹ' الم' راحت' ٹوٹ پھوٹ اور اجزاء کی پراگندگی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں ورنہ صرف نوری بسیط تو ان کیفیات سے منزہ ہوتا ہے' یہاں مزید فرمایا کہ میل خود اور اس کا مزہ و بو دونوں کھانے والے اور سونگھنے والے کی قوتِ ذائقہ وقوتِ شامہ کے مقابلے میں بُرا ہے اور خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی قوتِ شامہ وذائقہ کے مقابلے میں اچھا ہے کیونکہ خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی وہ استعداد جس کے نتیجے میں قباحت ظاہر ہوئی ہے' میل کچیل کی نسبت زیادہ بُری ہے اور جہاں تک الم کا تعلق ہے تو وہ مزاج سے ناموافق چیز کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور یہ مختلف قسم کا ہوتا ہے' جیسے سانپوں کا زہر سانپ کے کاٹے کو موافق ہے' لہٰذا اس کے لیے نفع بخش اور دوسروں کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے اور اس کے باوجود حضرت وجود تو ہر

www.maktabah.org

ذرّے میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔ اگر کوئی شخص بعض ادویات صرف اپنی زبان سے چکھے تو وہ مفید و مضر میں تمیز نہیں کر سکتا' اسی طرح اگر کوئی زمان و مکان کی قیود سے چھٹکارا حاصل کر لے تو کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں رہتی۔

ہمہ اوست

قدماء میں سے کسی کا شعر ہے: ؎

رق الزجاج ورقت الخمر

(شیشہ و شراب دونوں شفاف اور باریک ہیں)

یعنی مظاہر جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہیں صاف و شفاف ہیں اور محبوبِ مستور جو کہ بمنزلہ شراب کے ہے' وہ بھی غایت درجہ شفاف ہے پس: ؎

فتشابها وتشاكل الامر

(تو دونوں میں مشابہت پیدا ہو گئی کہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا)

اور صفائی و باریکی کے لحاظ سے ایک' دوسرے کے رنگ میں اس طرح ظاہر ہوا کہ لوگوں کی نظروں کے لیے مشکل آن پڑی ع

فكانّما خمرٌ لا قدح

جیسے شراب ہے شیشہ نہیں' گویا شراب ہے جو منجمد ہے اور پیمانے کا وجود نہیں ع

وكانّما قدح ولا خمر

گویا پیمانہ ہے شراب نہیں اور اسی طرح کسی نے کہا ہے ؎

ان شئت قلت حق لا خلق وان شئت قلت خلق لا حق

(اگر تو چاہے تو کہے کہ حق ہے خلق نہیں اور چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں۔)

صفتِ علم

فرمایا: صفاتِ الٰہیہ میں سے سب سے بڑی صفت علم ہے اور حیات' صفتِ علم کے شیون میں سے ہے' جبکہ عدمِ علم عین موت ہے' جو حیات کو صفتِ الٰہیہ میں سب سے بڑی صفت گردانتے ہیں' یہ اُن کا ذاتی گمان ہے جبکہ موجود پر غائب کا قیاس باطل ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے علم اَنا حضوری ہوتا ہے اور تحقق و تقرر کے مشابہ

ہوتا ہے' اگر زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے اور زندگی علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے جبکہ ان اُمور کی نسبت جو کہ موت و حیات کے قابل ہیں پر اسے قیاس کیا جائے۔

ایک قول کی تاویل

کسی نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض متصوفین کا یہ قول نقل کیا کہ اقرب الطرق الی اللہ رویۃ الامارد.

آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام محسوس اشیاء میں امارد کی شکل و شباہت بہت متناسب ہوتی ہے اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے' اس اعتبار سے امارد میں رؤیت حق کا مشاہدہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے اور جن مشائخ نے اُسے بُرا جانا ہے اُن کے پیش نظر یہ خطرہ موجود تھا کہ امارد کو دیکھنے سے سالک عالمِ شہادت ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کئی دیگر آفات کے خدشے کی بناء پر جمالِ حقیقی سے مشرف نہیں ہو پاتا' یہاں حضرت شیخ کچھ مسکرائے اور فرمایا کہ امارد میں خون ہی تو ہوتا ہے جو حسن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اگر ان کا خون خارج کر دیا جائے تو کوئی اُن کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے' اہلِ شہود کی مثال کتاب دیکھنے والے اس شخص کی سی ہے جو عینک لگا کر اسے پڑھتا ہے' اس کی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی' مگر ساری کتاب کو اس کے وسیلے سے ہی دیکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ عینک کے آگے کوئی حجاب آجائے یا کوئی شخص ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

مقامِ عارف

اہل شہود خوب صورت عورتوں' حوروں اور امارد کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر ان تمام سے وراء مقصودِ حقیقی جل جلالہٗ پر ٹکی ہوتی ہے مگر حقیقت ناشناس حسین عورتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بدصورت سے پہلوتہی کرتا ہے جبکہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔

سماعِ سرود

اسی طرح اہلِ شہود سماع سرود سے بھی لذت حاصل نہیں کرتے کیونکہ گانے والے کے

www.maktabah.org

منہ اور سننے والے کے کان کی درمیانی مسافت زیادہ سے زیادہ ایک یا دو تیروں کی مسافت کے انتہائی فاصلے سے زیادہ نہیں ہوتی' چاہے گانے والے کی آواز تیز بھی کیوں نہ ہو جبکہ اہل شہود اِن تمام سے بہت آگے اپنے منتہائے حقیقی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

ولایتِ عامہ وخاصہ

فرمایا: ولایت عامہ کے مختلف مراتب ہوتے ہیں جیسے تقویٰ' ریاضت اور اس شخص کا وحدتِ شہود جسے اپنی ذات کا پتہ ہے اور نہ اپنی ذات کے احاطۂ مظاہر سے باخبر ہے اور جیسے عاشقیت ومعشوقیت کہ یہ ولایت عامہ کے خواص کے مقامات ہیں' ولایت خاصہ واحد بسیط تک پہنچنے کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی' شہود انبیاء علیہم السّلام تو عاشقیت ومعشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے مگر اِن احادیث کے الفاظ سے راہِ سلوک کے کچھ مبتدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام محبّ اور محمد مصطفیٰ ﷺ محبوبیت کے درجہ پر فائز تھے حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حقیقتِ محمّدیہ

فرمایا: کبھی تو تکرارِ کلمہ لا الٰہ الّا اللّٰہ یا محض جذبے سے ہی توحید شہودی کے تصوّر کا معنیٰ حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں' عین القضاۃ ہمدانی کی اس شطح کہ:

''آں را کہ شما خدا میدانید نزدیک ما محمّد است ﷺ و آنکہ شما محمد ﷺ میدانید نزدیک ما خدا است''۔

(جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اور جسے تم محمد ﷺ کہتے ہو وہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ ہے)

کے بیان میں فرمایا: چونکہ آں حضرت ﷺ حضرتِ وجود کا آئینہ اور اُس کا مظہر اتم ہیں اور حقیقتِ محمدیہ تعین اوّل وجامع تعینات ومظاہر ہے اور تمام کا ظہور اُن کے نور سے ہوا ہے' اس اعتبار سے عین القضاۃ ہمدانی نے مذکورہ بات کی' ورنہ حضرت وجود تو ہر ذرّے میں یکساں جلوہ گر ہے اور وحدتِ معنیٰ کے باوجود تکرارِ لفظ تو محض تفنن عبارت ہے۔

www.maktabah.org

فنائے نفس

فرمایا: فنائے نفس یہ نہیں کہ جناب مقدس سے غفلت کے باوجود اسے اپنے نفس کا شعور نہ ہو۔ جیسے ایک قصاب گوشت کاٹنے یا نانبائی روٹیاں پکانے میں مصروف ہوتا ہے تو اس کی توجہ اپنی طرف نہیں ہوتی۔

توجّہِ شیخ

فرمایا کہ جو جذبہ توجہ شیخ کی قوت سے حاصل ہوتا ہے اس میں کمزور اور مضبوط دِل دونوں بالکل برابر ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں مزاج کی درستگی یا محنت و ریاضت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

حقیقتِ کشف وخواب

فرمایا: انسانی رُوح میں ایک قوت پوشیدہ ہے' جسے لوحِ غیب کہتے ہیں' جب نبی اس سے علوم حاصل کرتا ہے تو ایسے اُسے فرشتۂ وحی کی ضرورت پیش نہیں آتی' بعض متکلمین نے بھی اس کی یہی تصریح کی ہے۔ جب ولی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھی فرشتہ الہام کی حاجت نہیں رہتی اور کبھی تو انسانی روح بحالتِ نیند اس مقام تک پہنچ کر کسی چیز سے باخبر ہو جاتی ہے۔ اَب اگر وہ اس معنیٰ کے خیال کو مناسب شکل نہ دے جیسا کہ اس نے دیکھا تو اُسے کشفِ مجرد کہتے ہیں اور اگر کوئی مناسب صورت اس خیال کو مل جائے' جیسے اس کا خیال علم میں مشغول ہوا تو یہی خیال کوئی مشروب پینے کی صورت میں آیا' یا اس کی روح ماہِ رمضان میں اذانِ فجر کے خیال میں مشغول ہوگئی تو اس کی صورت اس کے سامنے یوں نمودار ہوئی' جیسے تمام لوگوں کے کھانے پینے اور خواہشات کی قوتوں پر مُہر لگا دی گئی ہے تو یہ کشف تعبیر و تاویل کا محتاج ہے اور اسے کشفِ مخیل کہتے ہیں اور کبھی تو سونے والے کی رُوح اس مخفی قوت کے بغیر عالمِ خیال میں پہنچ جاتی ہے تو خیالی پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اشکال برہمی طبع کی وجہ سے بھی ظاہر ہوتی ہیں' جیسے بلغمی مزاج آدمی سونے سے پہلے پانی پی لے تو اسے بخارات دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح گرم مزاج آدمی اگر بینگن کھالے تو اسے خواب میں آگ دکھائی دیتی ہے اور یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں جن کی نہ کوئی تعبیر کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دینا چاہیے' تعبیر بتانے والے کو چاہیے کہ خواب کے وقت کا لحاظ رکھے

www.maktabah.org

جیسے نصف شب یا سحر کے اوقات اور خواب بیان کرنے کی ساعت اور دیکھنے والے کے حالات کہ کہیں وہ برہمی مزاج کا شکار یا خوف زدہ تو نہیں' کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ بعض اوقات شرائط کے بغیر اس قوتِ قدسیہ تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے' جیسے کفار کے لیے احتیاط برتی جاتی ہے۔

تعبیرِ رؤیا

خوابوں کی تعبیر کا علم قرآن وسنّت سے ثابت ہے۔ اس فن میں کئی مستند کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس فن میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اور ابن سیرین ایسے ائمہ کبار ہو گزرے ہیں' اگر خواب قوتِ عاقلہ کی کمزوری اور اژدہامِ علوم وخیالات جو کہ قوتِ قدسیہ میں در آتے ہیں کے سبب بھول بھی جائے تو فنِ تعمیر کے ماہرین اسے بیان کر لیتے ہیں' اسی ضمن میں حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ حالتِ نیند میں بعض اوقات انسان کی رُوح غیب کی خبروں کے جاننے کے لیے کچھ عرصے کے لیے جسم سے جُدا ہو جاتی ہے تو اس کی واپسی کچھ مشکل ہو جاتی ہے اور خواب دیکھنے والا اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جن بیٹھا ہے۔

فرمایا کہ کبھی تو مراقبے میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہوں کہ اپنی خبر بھی نہیں رہتی' فرمایا کہ درحقیقت ذاتِ حق قرب ومعیت اور احاطے سے بَری ہے کیونکہ یہ چیزیں دوئی کا تقاضا کرتی ہیں اور ایک طرح کہ مسافت کا اثبات کرتی ہیں مگر خدا تعالیٰ نے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر جو اسے دُور دُور تصور کیے ہوئے ہیں' جہت عرش بیان فرمائی' انہوں نے یہاں یہ بھی فرمایا کہ قرب معیت اور احاطہ سے مراد وہی کچھ ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے یعنی ان صورتوں میں اس کا ظہور ہے۔ صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے اس قول کہ النقصان مقتضی استعدادات الماهيات (نقصان استعداد ماہیات کا تقاضا کرتا ہے) کی تشریح میں فرمایا: چونکہ ان ماہیات کا ایک مستقل وجود ہے' لہٰذا ان کے لیے اقتضاء کا ہونا ضروری ہے اور اگر اقتضاء حقیقت حصرتِ وجود سے ہو تو ان ماہیات سے اقتضا کی نسبت کا کیا معنیٰ فی الواقع کوئی نقصان نہیں ہوتا' یہ صرف لوگوں کی نظر کا دھوکا ہے۔

www.maktabah.org

علمِ توحید و وصول و شہود

فرمایا: علومِ توحید کے مقابلے میں تمام علوم بمنزلہ بھوسی کے ہیں اور علومِ توحید بمنزلہ آٹے کے۔ پھر علمِ توحید اور وصول و شہود کی مثال ایسی ہے جیسے آٹا اور مغز۔ وصول سے قبل علمِ توحید ہی میں محو ہو کر رہ جانے سے سالک ہرگز لذت یاب نہیں ہوتا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیاہ رچانے والا بیاہ کے بعد مشاطہ کی باتوں پر کان نہیں دھرتا۔ اقوالِ صوفیاء کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا یوں ہے جیسے کہ میرے محلے میں ایک قصہ گو رات کو قصے گھڑتا اور صبح لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔

فرمایا: انکار اولیاء اللہ کے سب سے بڑے اسباب یہ ہیں:

(۱) شرکت مکان: وہ یہ کہ ایک ولی کسی ایک محلّے یا شہر میں رہتا ہے۔

(۲) شرکتِ زمان: یہ کہ اس کے زمانے میں اس کے معاصرین بھی ہوتے ہیں۔

(۳) شرکت نسبت: یہ کہ اس کے بھائی بند بھی ہوتے ہیں۔

اس طرح عوام زیادہ تر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے پاس کئی خادم ہوتے ہیں اور عبادت زیادہ کرتا ہے' چاہے یہ عبادت ریاکاری و دکھلاوا ہی کیوں نہ ہو' جبکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی اصلیت پر نظر کی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کو آنحضرت ﷺ نے جنّت کی بشارت دی۔ ایک صحابی اس کی ٹوہ میں لگ گیا اور پورے تجسّس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ بشارت یافتہ شخص کوئی زیادہ نوافل ادا نہیں کرتا تھا' اس نے اس سے حقیقتِ حال دریافت کی تو اس نے جواب دیا: اگر زمین سے آسمان تک جواہرات اور درہم و دینار بھر جائیں اور میں اُس کا مالک ہو جاؤں پھر وہ تمام دولت تباہ ہو جائے تو اس کا مجھے ذرہ برابر دُکھ نہ ہو کیونکہ اس کے ہونے سے مجھے کوئی خوشی بھی نہ تھی' مقصود تو دراصل دل سے ماسوا کا نکل جانا ہے' اگر یہ گوہر ہاتھ آ جائے تو تھوڑی سی عبادت بھی انتہائی سُود مند ثابت ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ طالب صادق کو شیخ کی ظاہری عبادات پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔

بسیار خوری اخلاقِ ذمیمہ پیدا کرتی ہے

حدیث ''قلوب بنی آدم تلین فی الشتا'' (انسانوں کے دل موسم سرما میں نرم پڑ جاتے ہیں) کے بیان میں فرمایا: موسم سرما میں انسانوں کے بدن باہر سے ٹھنڈے ہو جاتے

ہیں اور ان کے باطن گرم ہوتے ہیں اور موسم گرما میں اس کے برعکس اور جب اس قلب صنوبری کی چربی پگھل جاتی ہے تو قلب معنوی شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر فاقہ اور ذکر بالجہر کثرت سے کیا جائے تو بھی اس کی چربی پگھل جاتی ہے' سیر ہو کر کھانا' غصہ و شہوت جیسے اوصافِ ذمیمہ پیدا کرتا ہے۔

حقیقت خوارق عادات

فرمایا کہ غالباً خوارق عادات کا ظہور فقط نشانِ راہ ہے کیونکہ عارف کی اصل منزل تو شہود شہود و وصول ہی ہے مگر جو اس حالت سے فرو آ جائے تو اس سے وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

مقصودِ عارف

فرمایا: عارف خاتمے پر نظر نہیں رکھتا کیونکہ یہ نقصان کے مترادف ہے۔ اگر ہزار بار بھی وہ یہ آواز سُنے کہ ''ہم نے تمہیں شقی بنا دیا'' یا یہ سنے کہ ''تمہارا خاتمہ بالخیر ہوگا'' اس طرح کی تمام باتوں پر وہ توجہ نہیں دیتا اور فوری نفع جو کہ محبوب کے جمال کے دیدار کا نام ہے کہ کبھی دُور کی امیدوں کے برابر نہیں سمجھتا۔

فرمایا: ملائکہ و جن جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حقیقت نفس بُوں کی توں باقی رہتی ہے' مثلاً جبرئیل کہ خود اپنی جگہ پر بھی قائم ہے مگر اس کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں دحیہ کلبی نامی صحابی کی صورت میں حاضر ہوتا ہے۔

تسخیر جنّات

اگر عارف کسی جن کو مسخر کرنا چاہے' تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے عزم کے ساتھ اس کی شکل کی طرف متوجہ ہو تو وہ جن اس شکل سے باہر نہیں آ سکے گا' مگر صرف اسی صورت میں کہ حیلے بہانے کر کے وہ کسی طرح عارف کی توجہ منتشر کر دے مثلاً جن کتّے کی صورت میں ظاہر ہو اور عارف کی توجہ اس کی اسی شکل پر مرکوز ہو تو وہ جن اس صورت سے باہر نہیں جا سکتا' مگر کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کتے کی شکل پر بکری کی صورت کا حجاب ڈال لیتا ہے' اگر عارف اس حجاب والی صورت پر توجہ ڈال کر اسے بند بھی کر دے لیکن اگر اس کی توجہ دفعتاً کتے کی طرف مبذول ہو جائے کہ وہ کہاں گیا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائے گی اور جن کسی دُوسرے

www.maktabah.org

رُوپ میں فرار ہو جائے گا۔

خواصِ فاتحہ

فرمایا: عرفا سے منقول ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اگر ایک ہفتہ تک ایک ہی سانس میں اکتالیس مرتبہ روزانہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ کے آخر کو الحمد کے ساتھ ضم کر لے تو مقاصد حل ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ''فوق کل ذی علم علیم O''

اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فوق کل ذی علمٍ علیم O'' کے بیان میں فرمایا کہ علیم صیغہ مبالغہ ہے جس کا معنیٰ بہت زیادہ علم رکھنے والے کے ہیں' اور وہ خدائے لم یزل کی ذاتِ اقدس کے علاوہ کوئی اور نہیں' لہٰذا استثناء کو یہاں مقدر کیے بغیر معنی درست ہوا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں ایک شبہ ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ شہودِ وحدت سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں جبکہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر علم سے وراء ایک علم ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس شبے کا ازالہ یہ ہے کہ یہاں استثناء ''توحید ذاتی'' مقدر ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے اور شہودِ وحدت سے آگے توحید ذاتی باری ہے' اگرچہ بندے کے لیے مزید ترقی ممتنع ہے۔ واللہ اعلم

اقوال شیخ جنید رحمہ اللہ کی تشریح

شیخ جنید رحمہ اللہ کے قول ''طارت العبارات الخ'' کے ضمن میں فرمایا کہ ''طارت العبارات'' سے مراد اعمال ظاہری ہیں اور ''فنیت الاشارات'' یعنی وہ جو کہ ظاہر سے متعلق ہیں اور باطن سے خالی ہیں۔ ''وما ینفعنا نوافل العبادات'' یعنی مکمل فائدہ ظاہری نوافل کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ ''الارکعات خفیفۃ صلیناھا فی جوف اللیل'' یعنی راحت و آرام کو ترک کر کے ہم نے محنت و مشقت اپنائی اور اس طرح ہمیں حق تعالیٰ کا وصال نصیب ہوا' خلاصہ یہ کہ زبانی عبارات و اشارات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے' اس لیے ضروری ہے کہ جناب اقدس کی طرف پورے خشوع و خضوع کے ساتھ متوجہ ہو' خاص کر ایسے اوقات میں کہ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو۔ اس کے نتیجے میں حضور و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

www.maktabah.org

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میں اس واقعے کو ظاہر پر محمول کرتا ہوں' اگرچہ معیت وجذب خود اپنی جگہ بڑا کمال ہے لیکن ثواب ودرجات تو طاعات کا ثمرہ ہیں۔

حدیث ''الروح ملک له سبعون الف وجهٍ'' (روح ایک فرشتہ ہے کہ جس کے ستر ہزار چہرے ہیں) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد رُوح الارواح ہو' کیونکہ وہ جوہر ملکی ہے جسے بعض اوقات ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ رُوح الارواح تجلی سے عبارت ہے جو حظیرۃ القدس کی اصل ہے اور ہم ارواح اس کے گرد جسم معنیٰ پر روشنی کی طرح ہیں' یا میں سمجھتا ہوں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے کہ تمام روحیں اس سے پھوٹتی ہیں۔

تحقیق لطائف ستہ

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرمایا کہ رُوح کے اختلافِ عبارات کی حیثیت سے مختلف اسماء ہیں' لہٰذا ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

علی المرتضیٰ وزیر رسالت مآب ہیں

حدیث ثعلبی جو کہ تفسیر میں وارد ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں دُعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اللهم اشرح لی صدری ویسّر لی امری واجعل لی وزیراً من اهلی'' (اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے' میرے معاملے کو آسان فرما اور میرے خاندان میں سے میرے لیے وزیر بنا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ہے: ''واجعل لی وزیراً خامساً'' (میرے لیے پانچواں وزیر بنا) کیونکہ شیخین حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دو فرشتے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام آں حضرت ﷺ کے پہلے ہی سے وزراء تھے۔

مقامِ علی کرم اللہ وجہہٗ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اس اثر ''سئل أرایت ربک؟ قال ما کنت اعبد ربّاً لم اره فقال السائل کیف رایته؟ فقال لم تره العیون بمشاهدة العیان ولکن راته القلوب بحقائق الایقان'' (حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے کبھی مشاہدے کے بغیر خدا کی عبادت کی ہی نہیں۔

www.maktabah.org

اس پر سائل نے پوچھا: آپ نے اسے کس طرح دیکھا؟ فرمایا: اسے کھلے بندوں آنکھوں نے تو نہیں دیکھا لیکن اسے قلوب نے حقائق ایقان کے ساتھ دیکھا ہے) کے بارے میں کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس توجیہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں رؤیت کے منافی اس وجہ سے نہیں کہ پہلے ہی سے مقرر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنکھیں جہت والوان کا تقاضا کرتی ہیں' نہ یہ کہ وہ عیونِ مطلق ہیں۔

فرمایا کہ دنیوی آنکھیں جو کہ جہت' الوان اور اشکال کا تقاضا کرتی ہیں' نے ذاتِ حق کو نہیں دیکھا بلکہ وہ تو حق الیقین کی صورت میں دیکھا گیا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

فرمایا کہ علم الیقین یہ ہے کہ دُھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود پر استدلال کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ خود آگ کو دیکھا جائے اور حق الیقین یہ ہے کہ خود آگ کا علم بھی جانے' اپنے نفس کا مشاہدہ عین الیقین میں داخل ہے جبکہ حق الیقین میں وصول اور شہود ہوتا ہے' سُننے اور کتابیں پڑھنے سے اسرار کا جاننا علم الیقین نہیں' علم الیقین یہ ہے کہ کشف حجاب پر اس طرح غالب آجائے کہ احتمالِ شک نہ رہے' ہاں یقین عرفی جو اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے' وہ اس طرح کے اُمور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

العارف لاہمۃ لہٗ

صوفیائے کرام کے اس قول کہ ''العارف لاھمۃ لہٗ'' (عارف وہ ہے جس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف اظہارِ خوارق کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ وہ قدرتِ حق عزّوجل کے حکم پر نظر رکھتا ہے' گویا ظہورِ خوارق کے لیے عارف کے سامنے سوائے منشائے خداوندی کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

مقامِ عارف کامل

لیکن عارف کامل (واصل باقی) کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے کہ جب چاہے قہر وغضب کا مظاہرہ کر سکتا ہے' چنانچہ ایک بادشاہ کسی عارف کامل کے آستانہ میں سوار داخل ہوا تو اسے کہا گیا کہ یہ آداب کے خلاف ہے' اس نے بڑے غرور سے جواب دیا: میں نے بڑے فقراء دیکھے ہیں' کسی میں کچھ تاثیر نہیں' یہ سُن کر عارف کو جلال آیا اور اس کی طرف بنظرِ غضب

www.maktabah.org

دیکھا' اسی وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا' بادشاہ دھڑام سے نیچے آ رہا اور مر گیا۔ عارف نے کہا: میں نے یہ اقدام اس لیے کیا ہے تا کہ لوگ فقراء کو حقیر نہ جانیں' مگر بعض کاملین تو اس طرح کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی اس طرف التفات نہیں کرتے' اس ضمن میں شیخ فرید الدین عطار' عین القضاۃ اور حسین ابن منصور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات خدائے قدوس کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش تھے اور اس میں اپنا تصرف نہیں چاہتے تھے' جیسے شیخ عطار نے اپنے قاتل سے کہا: اے ترک زادے! تو جس روپ میں بھی آئے' میں تجھے خوب پہچانتا ہوں' اور یہ کہہ کر اپنا سر قلم کرانے کے لیے اس کے سامنے جھکا دیا' ایسے حالات سے خوفزدہ ہونا ناقص ہونے کی دلیل ہے کیونکہ تنزل ہی کی حالت میں مظاہر قہر کا مقابلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے۔

فرمایا: تجلی ذاتی میں انوار موجودہ کا وجودِ خارجی کے ساتھ مشاہدہ کرنا ضروری ہے' نہ کہ علمی' ذہنی اور وہمی طور پر' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) یہاں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں ظہور کمال تدلی ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتفاق ہوا اور تجلی آگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حقیقتِ فنا و بقا

فرمایا: یہ سمجھنا کہ فنا سے مراد غیر کی نفی ہے اور بقا اثبات عینیت کا نام ہے' دلیل و کلام کی رُو سے فاش غلطی ہے۔ یہ بات اس شخص کی طرح ہے جس کے پانچ بیٹے تھے اور وہ خود تنہا سفر کر رہا تھا کہ دو چور اس کے سر پر آن کھڑے ہوئے' اُس نے اپنے بیٹوں کو مدد کر لیے پکارا کہ بیٹو! آؤ' ان چوروں کو مجھ سے دور کرو۔ یہ اس کا حضورِ وہمی تھا جو اس کو چوروں سے چھڑا سکتا تھا اور نہ ہی اسے خوف و ڈر سے نجات دے سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف یعنی پانی کی ٹھنڈک' بہاؤ' پیاس دُور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کر دینے کے وصف کو سمجھ بھی لے تاہم جب تک اسے پانی کا پینا میسّر نہ آئے اس کی پیاس نہیں بُجھ سکتی اور اگر سب کچھ جانتے ہوئے کسی کو مٹھائی کھانے کی طلب ہو مگر اسے کبھی دیکھا نہ ہو تو ایسے میں وہ میٹھے کی جملہ کیفیات کو چاہے بہت بہتر طور پر جانتا ہو' تب بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جس نے

www.maktabah.org

صرف توحید رسمی پر اکتفاء کیا اور شرکِ خفی کا اثر بدستور اس کے دل میں باقی رہا تو اس سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا' مزید فرمایا کہ مذکورہ آثارِ تجلیات وصولِ رسمی سے نہیں بلکہ وصولِ شہودی سے حاصل ہوتے ہیں' کہتے ہیں کہ حسین ابن منصور کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے مگر وہ مسکراتے رہے اور اُن کی ہر انگلی سے انا الحق کی صدا آتی رہی' انہیں دار پر کھینچا گیا تب بھی انا الحق پکارتے رہے' جلا دیا گیا تو راکھ کا ہر ذرّہ انا الحق کی صدا بن گیا۔ تین دن بعد راکھ کو دریا بُرد کیا گیا تو وہاں بھی انا الحق کا آوازہ سنائی دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ توحید رسمی پر اکتفاء کی بجائے وہ توحید حالی سے سرفراز ہوئے تھے۔ یہاں فرمایا کہ توحید حالی کے آثار ہوتے ہیں (۱) پہلے یہ کہ توحید ذاتی میں انوار موجودہ کا وجود خارجی کے ساتھ ظہور ہوتا ہے (۲) دوسرے نورازلی کی رؤیت (۳) تیسرے جو کچھ حسین ابن منصور سے ظہور پذیر ہوا (۴) چوتھے یہ کہ توحید صفاتی میں خشوع وخضوع اور سرور دانس پایا جاتا ہے (۵) پانچویں یہ کہ توحید افعال میں توکل اور مدح وذم کا یکساں ہونا پایا جاتا ہے۔

مجذوبِ واصل' کشف اور خوارق سے بلند ہوتا ہے

فرمایا: مجذوبِ واصل سے خوارقِ عادات اور کشف ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ وحدتِ ذاتیہ میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا' لیکن سالک کا معاملہ اس سے مختلف ہے اور مجذوب کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص کو ہودج میں ڈال کر وادیوں اور راستوں سے گزارتے ہوئے ایک شہر سے دُوسرے شہر لے جایا جائے' آخر میں اگر اس سے کسی درمیانی بستی کے بارے میں تفصیلات پوچھی جائیں تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا جبکہ اس کے مقابلے میں سالک اس راہ کے تمام مقامات اور اُن کی تفصیلات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے' یہاں آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجذوبِ واصل حقیقت کائنات سے آگہی (کشف) حاصل کرنا چاہے تو اسے سلوک اختیار کرنا چاہیے' اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے ذات وصفات کی معرفت کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو' ورنہ خانہ زاد مشائخ اپنی دکان چمکانے کے لیے ایسے کلمات بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں' اُن کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے' ہاں ہاں! یہ بات عرفاء وواصلین کے حق میں تو بالکل صحیح ہے' مگر ان جاہلوں کو تو ذات وصفات کی معرفت اور

www.maktabah.org

توحید حالی کے شیونات کا ذرّہ برابر بھی علم نہیں' اس لیے اُن کی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔

تحقیق مسلک محبّ اللہ الٰہ آبادی

شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی[1] صاحب تسویہ کے مشرب کی تحقیق میں فرمایا کہ انہوں نے ذات سے مبداء قائم بذاتہٖ ومقدم بشیوناتہٖ مراد نہیں لیا' بلکہ اُن کی مراد ماہیت ہے جو کہ معقولاتِ ثانیہ میں ہے اور اسی طرح انہوں نے وجود کا معنیٰ مصدری جو کہ کون وحصول ہے' مراد لیا ہے اور ''تسویہ'' میں جو لفظ معقول استعمال ہوا ہے' وہ یہاں پر محسوس کے مقابلے میں مستعمل ہوا ہے نہ کہ موجود کے مقابلے میں۔ چنانچہ شیخ الرئیس نے شفاء میں لکھا ہے کہ معقول منافیِ وجود نہیں اور ملّا جلال دوّانی نے تہذیب کے حاشیے پر یہی بات نقل کی ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر ہم اسے موجود کا مقابل قرار دیں تو اس کا معدوم مطلق ہونا لازم آ جائے اور وہ جو لفظ موجود سے متبادر ذات لہ الوجود ہے' پس اگر وہ موجود کہ اس کا وجود ذات پر زائد نہیں ہے' اس سے لازم نہیں آتا کہ معدوم مطلق ہو' بلکہ اس سے جو بات نتیجے کے طور پر نکلتی ہے' وہ موجود بنفسہٖ لنفسہٖ ہے اور یہ اپنی جگہ درست ہے اور موجود یہی ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ خود ان کی اصطلاح میں لفظ معقول بمقابلہ موجود بنفسہٖ لنفسہٖ کے لیے موضوع ہے چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب صوم میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور انہوں نے اس سے یہی معنیٰ

[1] شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی المتوفی ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء مشہور صوفی بزرگ اور جید عالمِ دین ہو گزرے ہیں۔ آپ نے شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھیں۔ تذکرہ علمائے ہند کے مصنف نے آپ کے بارے میں لکھا ہے: ''دانش مند متبحر از مشاہیر علمائے صوفیاء در علومِ ظاہر و باطن سرخیل امثال واقرانِ خود بود''۔ مآثر الامراء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے: ''عالم است تعلیم ظاہر و باطن''۔ داراشکوہ آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ نے وحدۃ الوجود پر عالمانہ بحث کی ہے' آپ کا رسالہ تسویہ ایک مشہور تصنیف ہے' جس پر علمائے ظاہر نے کافی اعتراضات کیے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ عالمگیر نے آپ کے ایک مرید شیخ محمدی کو جب رسالۂ شیخ جلا ڈالنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے کہا: جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی نہیں' اگر رسالہ جلانا ہے تو میرے گھر سے مطبخ شاہی میں زیادہ آگ موجود ہے۔

www.maktabah.org

مراد لیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے' لفظ معقول اگرچہ ان (صوفیاء) کی اصطلاح میں موجود بنفسہ لنفسہ کے لیے وضع کیا گیا ہے تاہم یہ موجود ''من غیر مدخلة الغیر'' ہے اور حضرت محب اللہ قدس سرہٗ نے تسویہ میں شیخ اکبر کے تتبع میں لفظ معقول استعمال کیا ہے اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی کی ہے' جو میں نے ازالۂ شبہ کے لیے نقل کی ہے' معقول محض' ماہیۃ محضہ اور وجود محض ''کما ان ذات زید هو الحیوان الناطق حیث لا وجود له الا فی ضمن الافراد ''(معقول محض' ماہیۃ محضہ اور وجودِ محض جیسے کہ ذات زید حیوان ناطق ہے کہ اس کا وجود افراد کے ضمن میں موجود ہے) نیز فرماتے ہیں: ''افراد الانسان من زید و عمر و بکر و خالد ینتزع منهم مابه اشتراکهم وهو الحیوان الناطق الذی هو من المعقولات الثانیة فکذلک ینتزع من الشیونات وجود الحق ''(جس طرح افرادِ انسان یعنی زید' عمرو بکر اور خالد سے قدرِ مشترک یعنی حیوانِ ناطق کو حاصل کیا جاتا ہے جو کہ معقولاتِ ثانیہ میں سے ہے بلکہ اسی طرح شیونات میں سے وجودِ حق کا اثبات کیا جاتا ہے) اور یہ کفر صریح ہے کیونکہ مظاہر کا وجود تو خود قیوم حقیقی جل شانہٗ سے منتزع اور اس طرح اس کا محتاج ہے جس طرح شمع سے مصنوعی اشکال وصورتیں اپنے وجود میں شمع کی محتاج ہوتی ہیں اور جو موجود ومشہود ہے وہ تو ذاتِ حق جل شانہٗ ہے اور خلق کی حیثیت طلسم معقول کی سی ہے کیونکہ یہ عالم تو وجود کے فانی اشکال واطوار کا نام ہے اور حق حضرتِ وجود کا نام ہے اور یہ اُن کے اپنے اس قول کی بناء پر کہ حق معقول محض ہے' اگر اس سے مراد یہ ہے کہ عقل کی رسائی اس کی کُنہِ ذات تک ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ کُنہِ واجب تک کسی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد معقولات ثانیہ ہیں جیسا کہ سیاق وسباق اس پر دلالت کر رہا ہے تو یہ بھی کفر صریح ہے جو کہ دہریوں کے باطل مذہب کی طرف جاتا ہے اور اگر اس سے اُن کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ ذات بحت' اعتبار لا یقین معقول محض ہے' اس لیے کہ اس کا کمالات اور اس کے عدم یقین سے خالی ہونا عقلی مفروضے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا' اگرچہ مظاہر فانیہ میں موجود بھی حضرتِ حق ہی ہے لیکن یہ جملہ مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اس کے محتاج ہیں اور نسب ذات کی حقیقت اور اس کے اعتبارات ومعانی کے بھی محتاج ہیں' یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ حق محجوبین کے احساس سے بلند وبالا ہے' تو یہ بات

www.maktabah.org

اپنی جگہ درست ہے' لیکن ان کی تصریحات سے خود اس بات کی نفی ہوتی ہے' چنانچہ ان کے خطبے کے ابتدائی جملوں سے ہی احتیاجِ حق کا مفہوم نکلتا ہے' فرماتے ہیں: ''الحمدُ للّٰہ لمن وجد بکل ما وجد'' (سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو کائنات کی تمام موجودات میں موجود ہے) لیکن انہوں نے یوں نہیں کہا: ''الحمد لمن وجد بہ کل ما وجد'' (تمام تعریفیں اس ذاتِ باری کے لیے ہیں کہ تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے)۔

حق اور عالم

فرمایا: حق حضرتِ وجود کا نام ہے جو خارج میں موجود اور خود اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے جیسے پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود اپنی اصلیت پر برقرار رہتا ہے اور عالم' وجود کے اطوار' شیونات اور فانی اشکال وصورتوں کا نام ہے' جو ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلتی رہتی ہیں' پس کفر وفسق اور نجاستیں وغیرہ اپنی تعریف ذات کے لحاظ سے کمالات ہیں' لیکن ان کا حضرتِ وجود سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ یہ اوصافِ عالم میں سے ہیں' اگرچہ قیّومِ کُل (خالق حقیقی) حضرتِ حق ہے' اس لیے کہ اگر وہ کفر وفسق کا قیّوم (خالق) نہیں تو ان کا وجود کہاں سے آیا' اسی طرح تولد وتولید بھی اوصافِ عالم سے ہیں' یعنی یہ بدلنے والی اشکال وصور حضرت وجود کے اوصاف میں سے نہیں' اس میں شبہ نہیں کہ اس کے تعینات واوصاف محض اعتباری اُمور ہیں' کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات واضافات ہیں اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود منزّہ ہے۔

فرمایا کہ رسمی مُتعرّف کا کلام قلوب پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف کلام عارف کے اور عارف ومتعرّف کے نزاع کی مثال نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کرام کے کافروں کے ساتھ مباہلے میں موجود ہے' متعرف عارف کے ساتھ گفتگو کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔

مبدأ مکاشفہ محبّت ذاتیہ ہے

فرمایا کہ مکاشفہ حجابات کے اُٹھ جانے کا نام ہے اور اس کا مبداء محبتِ ذاتیہ ہے' عارف ایسے میں کائنات کو اس حد تک ترک کر دیتا ہے کہ بادشاہانِ جہان اور امرائے دنیا اسے کتے' خنزید اور شیطان کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ اس مقام پر خداوند تعالیٰ دل میں

www.maktabah.org

محبت ذاتیہ کو جاگزیں فرما دیتا ہے اور خلق سے نفرت، خلوت اور شب بیداری فنا کے مبادیات میں سے ہے، چنانچہ اس مقام پر عارف خود فانی ہو کر باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کثرت، مشاہدۂ وحدت سے مزاحم نہیں ہوتی اور جلوت بھی خلوت ہو جاتی ہے، نیند بیداری سے بدل جاتی ہے اور آنکھیں سُرمۂ عنایت ازلی سے سُرمگیں ہو جاتی ہیں، جس اندھیروں میں بھٹکی ہوئی عقل کی انتہائی منزل صرف یہی ہے کہ مصنوعات کا صانع کامل کے بغیر کوئی چارہ نہیں، وہ ذات وصفات اور اس کے مظاہر کو کیا جانے۔

ظہور حق در مظاہر

فرمایا: جاہل متصوفین عالی مقام صوفیاء کی باتوں کا مفہوم نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ مظاہر میں ظہور حق کی مثال ایسے ہے جیسے کائنات میں سورج کا ظہور یا جیسے زید مختلف آئینوں میں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود جو کہ مظاہر سے جدا ہے کا تصور پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، ہاں! البتہ بعض اسلاف نے راہِ سلوک کے مبتدیوں کو سمجھانے کی خاطر کائنات کو عکسِ ذات یا ظل کی مثالیں دی ہیں، لیکن اس سے مراد مرتبۂ ثانیہ میں ظہورِ شی ہے، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے جیسے دیوار پر درخت کا سایہ (جو اصل میں ایک دوسری چیز ہے) تعالیٰ اللہ عن ذٰلک.

مشہور شعر ؎

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذکر ذکر خفیہ کہ گفتہ اند آنست

''جب تو ذکر کے ذریعے ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکرِ خفی ہے''

کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

فانی کے لیے پردہ ہائے امکان پوشیدہ ہوتے ہیں، چنانچہ وہ ذکر خفی سے کھل جاتے ہیں۔

علامتِ کمال

فرمایا کہ اہل شہود سانپ، بچھو، شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے، اسی بناء پر بعض اکابر صوفیاء نے خود کو آزمایا اور کسی ایسی جگہ فروکش ہو گئے جہاں بکثرت درندے پائے جاتے تھے اور آب و دانے کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا، وہاں جب انہیں کسی طرح کا خوف و خطر لاحق

www.maktabah.org

نہ ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کامل ہو گئے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے اِن عُرفا کا نہ ڈرنا اس وقت ہوتا ہے جب یہ نفوسِ قدسیہ عالمِ کثرت سے بے خبر ہو کر ذاتِ واحد کے دیدار کی تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں، ورنہ بعض حالات میں یہ لوگ عام بشری خصوصیات سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔

ایک تسامح اور اُس کا ازالہ

غوث اعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام تشریف لایا کرتے تھے' کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حقیقت رُوح جو کہ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے سے واصل تھے' اس لیے آپ اسی مرکز و منبع ہدایت سے گفتگو (وعظ و تبلیغ) فرمایا کرتے تھے' جہاں سے دوسرے اولیائے کرام یا انبیاء علیہم السلام فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اسی بات کو تسامح کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام تشریف لاتے تھے۔

حقیقت تعوّذ

فرمانِ باری ''واذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم'' (اور جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور شیطان مردود سے پناہ مانگ) کی تفسیر میں فرمایا کہ تو شیطان سے چھٹکارا حاصل کر اور اس کے شر سے دُور رہ اور یہ اس لیے کہ قرأت قرآن کے وقت دل مالکِ حقیقی کے ساتھ لگا ہوا ہونا چاہیے اور دنیا و آخرت سے بالکل بے نیاز اور درحقیقت یہی تعوذ (پناہ) معتبر ہے' اگرچہ بظاہر الفاظ تعوذ استعمال نہ بھی کیے جائیں۔

قصۂ خالد بن سنان کی تشریح

خالد بن سنان کے اس قصے کہ انہوں نے وصیّت کی تھی کہ مرنے کے چالیس دن بعد انہیں قبر سے باہر نکالا جائے تا کہ وہ عالم برزخ کے بارے میں بتا سکیں' کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور عالمِ برزخ میں پہنچ گیا' اس کا دوبارہ اس بدنِ ناسُوتی میں جو کہ قابل تجزی' تبعیض اور خرق و التیام ہے' واپس آنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کا بدنِ مثالی میں لوٹ آنا

اس لیے ممکن ہے کہ بدن مثالی قابل تجزی اور خرق والتیام نہیں اور یہ رُوح جسدِ ارواح' روح اجساد' شخصِ اعمال و اطلاق' ظہور معانی بصورِ مناسبہ اور اشباح جسمانیہ میں مشاہدہ ذوات مجرّدہ جیسے حضرت جبرئیل' دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے' آسکتی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل رُوحیں اور مشاہدۂ خضر علیہ السلام وغیرہ یہ تمام عالمِ مثال کی نیرنگیاں ہیں' جب اس دنیا میں نفوسِ کاملہ مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں تو عالمِ برزخ میں تو یہ عمل بطریقِ اولیٰ ہوسکتا ہے کیونکہ عالمِ برزخ میں بدنی (مادی) حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے ان کے اندر یہ قوت اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ خالد بن سنان والے قصّے میں اُن کی مراد بدنِ مثالی میں واپسی ہے نہ کہ بدنِ عنصری میں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدنِ عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت ہے جس کے باطل ہونے پر اہل سنّت کا اتفاق ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو' عارف تدلیات ارواح کو اُن کی مثالی صورتوں میں لانے کے لیے اپنے مقام سے نزول کر سکتا ہے اور اِن تدلیات کی مثال اُن صور کی طرح ہے جو بحالتِ نیند متخیلہ میں آجاتی ہیں' چونکہ آنجناب (حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ) کو عالمِ ارواح میں مکمل تمکّن حاصل تھا' اس لیے تدلیات ارواحِ انبیاء واولیاء اپنے آپ وجود مثالی سے آپ پر نزول فرمایا کرتی تھیں۔

منتہائے عابد

فرمایا کہ بیس سال قبل مجھے یہ الہام کیا گیا کہ اگر تُو میری رحمت کی امید پر نماز پڑھتا ہے تو تجھے رحمت سے نواز دیا اور اگر تو میری رضا چاہتا ہے تو میں تجھ سے راضی ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ بارِ خدایا! میرا مقصود تو بس تعمیل ارشاد ہے' لیکن اب تو معاملہ ہی اور ہے' یہاں آپ نے فرمایا: ''الصوفیة عبد الظواهر واحرار البواطن'' (یہ گروہِ صوفیا احکامِ ظاہری میں غلام اور جہانِ باطن کا شہنشاہ ہے)۔

فرمایا کہ اصحابِ شہود کو عبادت کی تکلیف و ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ ان پر عبودیت قائم رکھتا ہے اور یہ نفوسِ قدسیہ نفس بلکہ رُوح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہوتے ہیں' اس لیے زنا اور شُرب خمر ایسی برائیوں کی طرف اُن کی توجہ نہیں ہوتی' اگر شاذ و نادر

www.maktabah.org

کوئی ایسی بات پیش آ جائے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

القید کفر

صوفیاء کے اس قول ''القید کفر ولو کان باللّٰہ'' (قید کفر ہے چاہے خدا کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: عبودیت اثنیت کا تقاضا کرتی ہے اور جہاں تک اہل شہود کی عبادت کا تعلق ہے تو اُن کے مقام کی بلندی کے لحاظ سے ان کی عبادت کا تعلق براہِ راست اقامتِ حق اور اس کے تصرف سے ہوتا ہے' پس عبادتِ عبودیت کی قید کفر صریح ہے' چنانچہ اسی تاویل کی مثال صوفیاء کے اس قول ''محبة اللّٰہ رأس کل خطیئةٍ'' (اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے) میں بھی موجود ہے' چونکہ محبت' محبّ و محبوب کا تقاضا کرتی ہے جو کہ دُوئی ہے اور یہی تو غلطی کی بنیاد ہے' پس جو ان تمام خطاؤں کی سرحد سے نکل گیا اُسے محبتِ خداوندی عطا ہوئی اور جو اس سے بھی آگے نکل گیا تو وہ مقامِ شہود پر فائز ٹھہرا' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عبادت تو مبتدی اور عارف دونوں کرتے ہیں' مگر اُن کے مراتبِ اخلاص میں فرق ہے' پہلا مرتبہ حضور' ترک ریا اور ترک شہرت و فخر ہے' اس کے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ خوفِ دوزخ اور طمع جنت سے بے نیاز ہو کر عبادت خالص محبتِ ذاتی میں ہو' اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جہاں عبادت عابد کی قدرت و قوت کے ساتھ نہیں بلکہ حق جل شانہٗ کی قوت اور قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے' ان تمام کے بعد وہ نازک ترین مرحلہ آتا ہے کہ جہاں عام سمجھ بوجھ کا گزر بھی نہیں ہو سکتا' حضرت شیخ کی مراد عبادت کے مذکورہ مراتب کی طرف اشارہ کرنا ہے' ان کی بات سے امورِ عبادات میں تساہل کا کوئی مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (معاذ اللہ) اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت شیخ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخر عمر تک اُن سے کوئی سنت نبوی اور مستحسن و مستحب نہ چھوٹا اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری اعمال کی ادائیگی اُن کے تکلیفات شرعی کی قیود سے ممتاز ہونے کے منافی نہیں' یہ تو فریضۂ حق ہے جس کی آگے اقتداء کی جائے گی' اس سے معلوم ہوا کہ ''خیریت'' سے انہوں نے وہ معنیٰ مراد لیے ہیں جو انبیائے کرام میں بوجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

www.maktabah.org

قولِ پیر ہرات رحمہ اللہ

پیر ہرات رحمہ اللہ کے قول ؎

از نفی و اثبات برون صحرائے است — کیں طائفہ را دراں میاں سودائے است
اے دوست چوں عاشقی در آنجا برسد — نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست

''نفی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے کہ جس میں یہ گروہِ صوفیا سرگرداں ہے' اے دوست! جب عاشق کی رسائی اس مقام تک ہوتی ہے تو نفی و اثبات تو کجا ایک بال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہوتی'' کی تشریح میں فرمایا:

وصلِ حقیقی

اصل شہود یہ ہے کہ ثابت کا ثبوت اس طرح ہو کہ مُثبِت اور مثبَت ایک ہوں اور اسی طرح عاشق' معشوق اور عشق بھی متحد ہو جائیں۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر وصل کی جگہ نہیں تو ہجر کا کیا کام؟ اور اہل سلوک کے ہاں نفی دراصل توہّم غیریت سے ہوتی ہے جب یہ وہم اُٹھ جائے تو منفی عینِ ثابت ہو جاتا ہے اور لفظ ''نہ مورا جائے است'' سے بساطت اور صرافت ذات کی طرف اشارہ ہے۔

تشریح توحید کوچۂ تنگ است

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ نے بعض اسلاف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توحید کوچۂ تنگ است (توحید ایک تنگ گلی ہے)' اس کی تشریح میں فرمایا: جس وقت نظر عارف سے جمع کثیرہ صفاتیہ پوشیدہ ہو جاتی ہیں اور بجز وحدتِ ذات کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تو اس دوران کوچۂ توحید ایک تنگ گلی ہو جاتی ہے' لیکن بقا کے بعد جب وحدت میں کثرتِ اسماء وصفات کا مطالعہ میسر آتا ہے تو اس مقام پر وہ عظیم وسعت کا مشاہدہ کرتا ہے' خلاصۂ کلام یہ کہ صرف وحدت پر اکتفاء کر لینا کمال نہیں بلکہ کمالِ توحید تو عینِ وحدت میں کثرت کا نظارہ ہے۔

تاویلُ ''حقیقة الواجب لا یدر که احد''

بعض صوفیاء کے اس قول کہ ''حقیقة الواجب اظهر الاشیاء'' (حقیقت واجب تمام اشیاء میں سب سے زیادہ ظاہر ہے) اسی طرح ''حقیقة الواجب لا یدر که احد''

www.maktabah.org

(حقیقتِ واجب کو کوئی نہیں پا سکتا) کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حقیقت واجب کا تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مظاہر میں جو وجود موجود ہے وہی وجودِ حق ہے اور حضرت وجود تمام میں جاری وساری ہے اور دیگر تمام امور کا تعیّن اعتباری ہے اور اس کا عدم ادراک (لا یدر کہ احد) اس اعتبار سے ہے کہ مخلوق مرتبہ مخلوقیت میں ذاتِ حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی' نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کے ذریعے اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ زاہد اپنے زہد اور عالم اپنے علم کے بل بوتے پر اسے پا سکتا ہے' یہاں تک کہ تمام پردہ ہائے امکان اُٹھ جائیں اور ظلماتِ نفسانیہ رفع ہو جائیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کو خود اس کے اپنے نور ہی کی مدد سے پہچانا جا سکتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عرفت ربّی'' (میں نے اپنے رب کو پہچان لیا) یعنی ''لا بنفسی'' (اپنی ذات کے ذریعے سے نہیں بلکہ اسی کے فضل و عطاء سے)۔ یہاں ایک دوسرا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ معرفت سے مراد تمام شیونات کے ساتھ واجب کی معرفت ہے اور یہ اس دنیا میں محال ہے کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے' لہٰذا معرفت کل کی طاقت نہیں رکھتا اور تجلی برقی آنی تو ایک پل سے زیادہ ہوتی نہیں' لہٰذا اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف کہاں متوجہ ہو سکتا ہے؟

تشریح ''اِنَّ لِلّٰہِ سبعین الف حجاب''

معیّت ذاتیہ کی احدیت ''اِنَّ لِلّٰہِ سَبعین الف حجاب'' کے ساتھ موافقت میں فرمایا کہ حضرتِ وجود کا مظاہر کے ساتھ قرب حقیقی ہے۔ اس کی قریبی مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قرب پیش کی جا سکتی ہے' اگرچہ حق تعالیٰ کلیۃ وجزئیت سے مبّرا ومنزہ ہے' اسی اعتبار سے ''حبل الورید'' (شہ رگ) سے بھی زیادہ قرب کی مثال دی گئی ہے اور اس کے بعد حجاباتِ وہمیہ کی کثرت کے سبب جو کچھ ہے وہ اعتباری ہے' یہاں فرمایا کہ حضرتِ وجود کو مظاہر کے ساتھ جس طرح کی نسبت ہے' اس میں کسی طرح کا حجاب موجود نہیں' بلکہ حجاب تو واجب اور ممکن کے درمیان ہے' پس ممکن محجوب جو کہ صفاتِ تاثریہ قاصرہ سے موصوف ہے کا اللہ تبارک وتعالیٰ جو کہ صفاتِ واجبیہ مؤثرہ جیسے خالقیّت ورزّاقیّت اور بقاوقِدم سے متصف ہے' سے وصول بہت مشکل ہے اور یہ اشکال کثرتِ منازل کے سبب ہے لیکن مجذوب کے لیے اللہ تعالیٰ وصول اس طرح آسان فرما دیتا ہے جیسے بے شمار کثیف اجسام اور حجابات کے حائل

ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لیے سورج کا نظارہ آسان اور ہر وقت ممکن بنا دیا ہے اور یہاں پر تو لطیف معنوی حجابات ہیں ورنہ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کا بھی پردہ ہائے جسمانی و امکانی میں محصور ہونا لازم آئے گا اور تعداد (یعنی ستر ہزار حجابات) سے مراد صرف کثرت ہے تحدید نہیں۔

معنی قول خواجہ نقشبند رحمہ اللہ

حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ کے اس قول کہ ''پی بسر حقیقت مے تواں برد امّا بسر معرفت و علم نمے تواں رسید'' (عارف سرِّ حقیقت تک تو رسائی حاصل کر سکتا ہے مگر سرِّ معرفت و علم تک نہیں پہنچ سکتا) کے بیان میں فرمایا کہ جب احدیت کا آفتاب کوہِ عارف سے نمودار ہوتا ہے تو آسمانِ حقیقت روشن ہو جاتا ہے لیکن سرِّ علم و معرفت! تو یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے جو محال ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کا صوفیا کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے یہ سُن لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ وجودِ مطلق ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ صوفیا کی اصطلاح میں وجود سے مراد موجود ہے اور مطلق سے اُن کی مراد یہ ہے کہ ذات میں ذات کی حیثیت سے کوئی اعتبار موجود نہیں' کلیۃً نہ جزئیۃً اور عموماً نہ خصوصاً بلکہ اس میں تو اعتبار کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اور صوفیاء کے اس قول کہ ''کل نبی ولی ولا عکس'' (ہر نبی تو ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولایت اصطلاحیہ شرط نبوت نہیں' یہ ممکن ہے کہ ایک شخص محبت یا محبوبیت کے مقام پر فائز ہو اور خدا اسے نبوت تبلیغ سے مشرف فرما دے' ہاں کامل انبیاء کو ولایت اصطلاحیہ اور نبوت تبلیغ دونوں سے نواز دیتا ہے' مثلاً نبی ﷺ اور تمام اولو العزم انبیاء علیہم السلام۔

توجیہ ''خضت بحراً'' الخ

قول بایزید ''خضت بحراً ووقف الانبیاء بساحلہ'' (میں نے ایک سمندر میں غوطہ لگایا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے) کی وضاحت یوں فرمائی کہ انبیاء کی استعداد کامل ترین ہوتی ہے کیونکہ اُن کے ہاں وہبیت محضہ ہوتی ہے ''یکاد زیتھا یضیء ولم لم تمسسہ نار'' (قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر روشن ہو جائے) وہ تو یقیناً حقیقی

www.maktabah.org

اہل شہود ہیں صرف حکمتِ ارشاد کے تحت خدا تعالیٰ انہیں مقامِ مشاہدہ پر لے آتا ہے' چنانچہ بایزید کے قول کا معنیٰ یہ ہے: ''ای وقفوا بعد الخوض'' (انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے) یہاں بحر سے مراد شہود و وحدت اور ساحل سے مراد مشاہدہ ہے۔

توحیدِ افعال

فرمایا: توحیدِ افعال کو حاصل کرنے کی علامت یہ ہے کہ سالک تدبیرِ معیشت کو ترک کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسے مکمل توکّل حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ہر تکلیف' ایذا اور انعام کو ذاتِ حقیقی کی طرف منسوب کرتا ہے اور توحید صفات کے حصول کی علامات یہ ہیں کہ سالکِ پختہ اپنی سماعت و بصارت کی قوتوں کو مالکِ حقیقی کے سپرد کر دے باوجود اس کے کہ حضرتِ وجود تعیّن و تقیّد میں تعیّن صفات کی قید کے ساتھ موجود ہوتا ہے جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ اور سریان کو نہر یا چھوٹے نالوں میں مشاہدہ کر لے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ سمندر میں موجود لعل و جواہر اور حیوانات کا علم بھی حاصل کر لے۔ اسی طرح جب وہ دیکھتا ہے کہ سمیع و بصر اِن مظاہر میں ذاتِ حق ہی ہے تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسموعات اور مبصرات پر مطلع ہو جائے کیونکہ یہ تو واجب الوجود جل شانہٗ کے خواص میں سے ہے۔

حدیث ''ما تقرّبَ اِلَیَّ عبدٌ''

حدیث ''ما تقرب إلَیَّ عبد احبّ الیّ ممّا افترضت علیه ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتّٰی اکون سمعه الخ'' (کوئی بندہ میرے حضور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے سے بڑھ کر عزیز ترین چیز پیش نہیں کر سکتا اور میرا بندہ بدستور نوافل کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں اس کی قوتِ سامعہ بن جاتا ہوں) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: توحید میں قرب فرائض یہ ہے کہ استغنائے الوہیت افعال و اعمال اور یہ کہ عالم میں سوائے اس کے کوئی مؤثر و قیوم نہیں شامل ہیں اور جس کا ان پر ایمان نہیں' آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا اور یہ قرب فرض ہے اور توحید میں قرب نوافل یہ ہے کہ بندہ حجابات دُور کرنے کی سعی کرے اور یہ قرب نفل ہے' اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا' اس لحاظ سے حدیث کی عبارت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی توحید اجمالی کے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب نہیں پا سکتا کیونکہ اسے ترک

www.maktabah.org

کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے اور توحید تفصیلی میں بندہ برابر حجابات کو دُور کرنے اور سخت ریاضتیں کرنے یا ذاتِ اقدس کی طرف مکمل توجہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے' یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے اس کی خودی سے باہر لے آتا ہے اور دوستی کا مفہوم یہی ہے اور بندہ جب یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اس کی ذات اپنی نفی کر کے ذاتِ حقیقی میں فنا ہو چکی ہوتی ہے' اسی طرح اس کی صفات (انسانی) بھی اٹھالی جاتی ہیں اور جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس وقت بندے کی صفات تو اخذ کر لی جاتی ہیں' لیکن اس کی ذات جوں کی توں باقی رہتی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ جس وقت تمام پردہ ہائے امکان اُٹھ جاتے ہیں' اس وقت کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات ہنوز باقی ہے۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذات نہیں صرف صفات ماخوذ ہو جاتی ہیں' اُن کی ذات سے مراد وجودِ عنصری اور روحی ہے' جو توحید کے اس مقام کے حصول کے بعد بھی تمام مراحل میں اسی طرح باقی رہتا ہے اور اسی طرح خارج میں دیگر تمام طبقات بھی جو علیٰ حالہٖ قائم رہتے ہیں اور اگر کچھ خارق عادات کا ظہور ہو تو یہ بھی تو تبدّل صفات کی قسم شمار ہو گی اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ذات بھی ماخوذ (فنا) ہو جاتی ہے ان کی مراد ذات میں فنا ہونے کا وہی مفہوم ہے جو صوفیاء کے ہاں مسلّم و معتبر ہے' یہ سارا نزاع محض لفظی ٹھہرا۔

راہِ سلوک میں حُزن واندوہ

فرمایا: جسے حضرتِ حق کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ حجابات باقی رہ جاتے ہیں تو اس میں غم اور رونے دھونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں بلکہ کبھی تو وہ عام محجوبین کے مقام پر آ جاتا ہے لیکن وہ صاحبِ حقیقت کہ جس کی رسائی لطائف حقیقت تک ہو چکی ہوتی ہے۔ غم واندوہ اور اثنیت کے چکر میں کبھی نہیں پھنستا' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ حجاب جو غم و بکا کا سبب بنتا ہے یہ دراصل سالک کے اندر کی وہ درشتی اور شدت بہیمیہ سے جو خود اس کے نفس کو اس کی معرفت کے سلسلے میں حجاب بنا دیتی ہے' وصل عرفان نصیب نہیں ہو پاتا' البتہ جس کی بہمیّت لطیف اور حقیقی ہے وہ سرور اور اُنس میں محو ہو جاتا ہے۔

تشریح والعصر الخ

''والعصر انّ الانسان لفی خسرٍ الّا الّذین الخ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں

www.maktabah.org

قسم دہر سے مراد ذات' بقا' سرمدیت اور ذاتِ حق کا دوام ہے' کیونکہ واصلین کے سوا یہاں غیریت اور اثنیت کے توہم کا شائبہ ہے' کسی نے حضرت شیخ سے سوال کیا کہ سالکین کی آخری منزل کون سی ہے؟ فرمایا: رفعِ اثنیت (دوئی) اور شہود وحدت ہی وہ بلند درجہ ہے جس سے بالا کوئی درجہ نہیں۔

تشریح ''توحید راہ کی درمیانی منزل'' ہے

شیخ عبداللہ کھاتی جو اس دور کے مشائخ میں سے تھے' نے کہا کہ توحید تو ایک ایسا مقام ہے جو راہِ سلوک کے درمیان پیش آتا ہے' اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اس سے آگے کی خبر تو دیجئے' انہوں نے کہا کہ ایک چیز ہے مگر بہت مخفی' آپ نے فرمایا: سالک جب وحدتِ محضہ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کی نظروں سے کثرت غائب ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تنزّل کرتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے اور یہ تنزّل ہے' اسے توحید سے بلند مرتبہ کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ لیس وراء عباد ان قریة والی ربک المنتھی.

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کو راستے کی ایک منزل قرار دیا ہے' انہوں نے کثرت سے رؤیتِ جمع و ذہول مراد لی ہے اور یہ سکر و غلبہ کی ایک قسم ہے اور جو شہود وحدت محضہ کو آخری منزل سمجھتے ہیں' ان کا مطلب یہ ہے کہ لطیفہ اَنا اپنی جگہ لطائف میں سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے' جب صاحب جمع الجمع[1] وحدت و کثرت دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے تو اس وقت رؤیت وحدہ محضہ کا اصل منشا لطیفۂ اَنا ہوتا ہے اور رویتِ کثرت کا منشا لطائف سافلہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقام لطیف ترین لطائف کا پالینا ہے۔ واللہ اعلم

رشحات میں بعض عرفاء سے یہ جو منقول ہے کہ ''من در ابتداء میگفتم ممکن عین واجب است ودر انتہا ظاہر شد کہ واجب عین ممکن

[1] اس حقیقت کا انکشاف کہ خلق حق سے قائم ہے' اس مقام پر حق کا جمیع موجودات میں مشاہدہ ہوتا ہے' سالک یہاں حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے اور حق و خلق کو خلق میں دیکھتا ہے یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق دیکھتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا عین پاتا ہے' یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے' سلوک میں اس سے بلند کوئی مقام نہیں۔

www.maktabah.org

است ''(آغازِ کار میں میرا خیال تھا کہ ممکن عین واجب ہے لیکن انجام کار یہ بات مجھ پر ظاہر ہوئی کہ واجب عینِ ممکن ہے) کے بیان میں فرمایا کہ ہر دو عبارات میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات صفاتِ امکانیہ میں حصرِ واجب کو مستلزم ہے اور دوسری بات کا معنیٰ یہ ہے کہ تعینات امور اعتباری اور اعدامِ محضہ ہیں جب کہ موجودِ حقیقی بجز واجب تعالیٰ کے کچھ اور نہیں' فرمایا: جب خدا تعالیٰ ہر دورہ میں شیونات کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے افعال کو پیدا کرتا ہے کہ جو کہ باب انواع سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں اور یہ خلق کا سلسلہ ہر نوع میں جاری ہو جاتا ہے جیسے درخت' پتھر' انسان' گھوڑے وغیرہ' پس مثال نوعِ انسانی اس کے مظاہر میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ارواح اور اجسام کو بالترتیب پیدا کیا' بعد ازاں یہ دورہ یہاں پر ختم ہو گیا' یہاں تک کہ یہ رُوحیں فنائے خفی کے پردے میں چلی جاتی ہیں' اس کے بعد سابقہ دورہ کی ترتیب کے مطابق پھر سے انہیں پیدا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ کے افعال وصفات میں تعطّل نہیں ہے' حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ''نحن اناسٌ سرمدیون ''(ہم سرمدی لوگ ہیں) طولِ مدت پر محمول ہے یا اس اعتبار سے کہ خدا تعالیٰ سرمدی ہے' اس لحاظ سے جس پر بھی ازل وابد کی حقیقت کھل جاتی ہے' وہ اپنے آپ کو سرمدی سمجھتا ہے' کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ ظہورِ مثال سے پہلے حقائق کاملہ کے یقین کی صورت انسان ہے اور یہ یقین اشتقاق صورتِ صرف کی رو سے حقیقۃ الحقائق ہے اور یہ اس لحاظ سے کہ حیز بساطت اور تنزلِ مراتب میں یکساں طور پر موجود ہے اور ارادۂ قدیمہ واجبہ سے وہ اشتقاق مراتب کونیہ میں ظہور کی خاطر ہے جیسے کہ وہ ستارے کہ جن کا پانی کے تالاب میں عکس پڑ رہا ہے' اگر پانی ہزار بھی اپنی شکلیں بدلے تو ستاروں پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور وہ ویسے کے ویسے رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے قول کی تشریح

شیخ اکبر رحمہ اللہ کے قول 'العبد عبد وان ترقی والرّبّ رب وان تنزل ''(بندہ بہر طور بندہ ہی رہتا ہے' چاہے کتنی ترقی کر لے اور رب بہر صورت رب ہے چاہے تنزل اختیار کر لے) کی تشریح میں فرمایا: بندہ چاہے مراتب اعلیٰ پر پہنچ جائے وہ اپنی مقدارِ عین سے

www.maktabah.org

خارج نہیں ہوسکتا' لہٰذا اس کے تمام تر کمالات اس کی استعداد عین کے دائرۂ کار کے اندر ہوتے ہیں اور حضرت حق اپنی صرافت اور اطلاق کے ساتھ جلوہ گر ہے' اگر چہ اس نے مظاہر میں بھی اپنا ظہور فرمایا ہے' اس گفتگو کا فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر اجمالاً تجلی فرماتا ہے' اگر چہ وہ تجلّی تجلّی لہٗ (جس میں تجلی کا ظہور ہو رہا ہے) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے' تاہم اس میں سطوت' تسخیر اور قہر و جوب نمایاں ہوتے ہیں اور مقامِ فنا میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بندہ کبھی کبھار اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے' لیکن یہاں بھی انفعال اور تاثر امکان واضح ہے۔ واللہ اعلم

www.maktabah.org

حضرت شیخ ابوالرضا کے چند مُسَوَّدات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحد جو کہ شیخ احمد سرہندی کے پوتے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ مکتوب تحریر فرمایا:

مکتوب شیخ عبدالاحد

آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اوقاتِ مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے کیونکہ معاملہ دشوار، راستہ مشکل اور خوفناک ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان امامکم عقبۃ کوؤدٓ'' (تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاٹی ہے)۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها قلل الجبال ودونهن خیوف
الرجل حافیة ومالی مرکب والکف صفر والطریق مخوف

''میں سعاد (محبوبہ) تک کیسے پہنچوں کہ راستے میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل راہیں، میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری، راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں''

میرے محترم و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی اور غیرِ حقیقت شایانِ بیان نہیں، اس لیے بات ختم کرتا ہوں۔ والسلام

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا: ''ھو الاحد''۔

مکتوب شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سراپا شفقت، عنایت نامہ موصول ہوا اور اس نے خلوص و یگانگت کے رشتے کو استحکام بخشا، اللہ جل شانہٗ آپ کو اس مہربانی اور عزت بخشی کی جزاء عطا فرمائے اور اپنے مقصد تک رسائی بخشے۔ گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ

کیف الوصول الی سعاد ودونها قلل الجبال ودونهن خیوف
الرجل حافیة ومالی مرکب والکف صفر والطریق مخوف

www.maktabah.org

حقیقت یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقہ تک اس کے حقیقی اطلاق سے سیر مستطیل کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے' جبکہ اس سے پہلے اعتبارات محضہ اور اضافاتِ وہمیہ صرفیہ جو کہ عالم خلق و امر سے متعلق ہیں۔ ایسی دشوار گزار پہاڑی چوٹیاں بھی موجود ہیں کیونکہ ان سے سالک خود کو خوف زدہ پاتا ہے اور اپنے شعور و ادراک کو ان کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو اپنی ذات مین وجودِ خاص کی بناء پر بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' اس کا راستہ بہتر و پُر امن ہے اور نہ خوفناک' اس مقام پر ننگے پاؤں کی کوئی بات ہے اور نہ ہی کسی سواری کی' اور نہ ہی اس جگہ کسی تہی دستی کا کوئی وجود ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے مگر لوگوں میں اس کا ظہور نہیں' وہ پاک ذات ہے جو اپنے اشراقِ نور کا حجاب اوڑھے ہوئے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

توهمت قدماء ان ليلىٰ تبرقعت وان لنا فی البين ما يمنع اللثماء

فلاحت فلا والله ما ثم مانع سوی ان عينی كان من حسنها اعمىٰ

''قدماء کا یہ وہم ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہمارے لیے تو یہی جدائی ہے جو حجاب بن کر بوسے سے مانع ہے' جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی' مگر ہماری آنکھیں ہی اس کا جلوۂ حسن دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں''

پردہ برخاست تا بدیدستم دوست بادوست کردہ درآغوش

آں شناسد حدیث دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

''پردہ اٹھا تو میں نے خود کو اس حالت میں دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے اور دل مست کی بات صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی رکھی ہو''

وغنی بی منی قلبی ففنیت کما غنی وکنا حیث ما کانوا حیث ما کنا

روز آں بتو بودم ونمید انستم شب با تو غنودم ونمید انستم

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمید انستم

''ہر دن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا' اسی طرح راتوں کو بھی تیرے ساتھ رہا' مگر بے خبر تھا۔ میرا گمان تھا کہ میں ہی ہوں حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں' تو ہی تو

www.maktabah.org

تھا لیکن مجھے پتہ نہ چل سکا''

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو سخن حقیقی ہوتا ہے بیان میں نہیں آ سکتا۔

اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ بیان میں اس وجہ سے نہیں آ سکتا کہ سننے والوں کی سوجھ بوجھ میں کمی ہے، ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ عینِ گفت ہے اور اگر نفسی ہے تو ''فما من عیانٍ الا وله بیان'' دوہڑہ

کبیرا کا کہر سلہری جہان سلسلی سبل ولٹ بانو پیل کی سواد کون لادی بیل

والسلام علیٰ اہل اللہ الکرام

جب حضرت شیخ کا مکتوب گرامی پہنچا تو جواباً شیخ عبدالاحد نے انتہائی فصیح و بلیغ مکتوب لکھ بھیجا، جس میں صعوبت حصول اور بُعد راہ کے مضامین کو بسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ مکتوب یہ ہے:

مکتوب شیخ عبدالاحد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد! گرامی نامہ سراپا شفقت وتلطف موصول ہوا۔ مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوا۔ مکتوب نکات کا خزینہ اور معارف وحقائق کا گنجینہ تھا۔ اس کی دلکش عبارات پاکیزہ اور لطیف اشارات رُوح پرور تھے۔

نکہتا لیش ہمہ ہمرنگ چمن کردہ بر دفترِ گل مشق سخن

''اس کے تمام نکات رنگ چمن سے رنگین تھے، گویا پھولوں کے کاغذ پر مشقِ سخن کی گئی تھی''

خدائے بزرگ و برتر آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے اور انتہائی مسرتوں سے مالا مال کرے۔ خط میں مرقوم تھا کہ سُعادتک رسائی ایسے ہی مشکل ہے جیسے سیرِ مستطیل کے ساتھ ہویت ذاتیہ کا حصول، ورنہ حق سبحانہٗ بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ آپ نے یہ وجود کے بارے میں کہا مگر جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو ذات سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء اور وراء الوراء ہے

برگِ بیرنگی بساز اے عندلیب بینوا کہ ایں گلِ ما برنتابد از نزاکت رنگ را

www.maktabah.org

''اے بلبلِ بے نوا! کسی بے رنگ پتی سے ناطہ جوڑ کہ یہ میرا پھول انتہائی نزاکت کی وجہ سے رنگ کو بھی برداشت نہیں کرسکتا''

دوہڑہ

پنت نکٹ سنکم اکم بگر مایہ جیوں جہانہ چکہ اکیں مکہ ہن رہی طنہ نہ بہر بہر مانہ

شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

باایں ہمہ نزدیکی جاناں چہ بسی دوری درعین وصال تو گشت ایں ہمہ مہجوری

''اس تمام نزدیکی کے باوجود محبوب کس قدر دُور ہے۔ اے محبوب ازل! تیرے عین وصال میں بھی کتنا ہجر ہے''

آپ نے تحریر فرمایا: اس کی طرف کوئی پُر امن بہتر اور نہ کوئی خوفناک راستہ جاتا ہے اور اس میں ننگے پاؤں چلا جاتا ہے نہ تہی دست ہو کر۔ ہاں! یہاں کوئی اچھا راستہ نہیں مگر اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان سے پہلے نشیب و فراز حائل ہیں' وہاں راہِ حقیقت واسع اور ثابت ہے اور اس راہ کے راہی اس میں پڑے ہیں''سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً''میں اور''انی ذاھب الیٰ ربّی ''میں بھی اسی راہِ حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور''قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ ''بھی اسی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ اسی طرح''ففروا الی اللّٰہ ''بھی اسی معنیٰ کی طرف مُشعر ہے اور وہ دو شعر جو آپ نے نورِ مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائگی کے بارے میں تحریر فرمائے' نے مجھے بہت محظوظ کیا' ہاں! معاملہ کچھ یونہی ہے جیسے کہا گیا ہے:''انت الغمامۃ علی شمسک دع نفسک وتعال ''(تو خود اپنے آفتاب پر بادل کی طرح چھایا ہوا ہے لہٰذا خود کو چھوڑ اور چلا آ) اور فارسی کے جن اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ مطلوب وہم آغوش پردہ پوش محبوب تھا۔ یہ نہایت دل سوز' سینہ افروز اور عرفان و وصلِ بے پردہ سے معمور تھے۔ بہر طور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول اور عالمِ سکر و مستی کے شعبدے ہیں۔ مقامِ تنزیہ جو کہ حضرت ذات سے قریب تر ہے' وہ ان تمام کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہاں تو وہی کچھ ہے جو بیان سے باہر ہے' وہاں مجھے تو سوائے حیرانگی' ناشناسی اور حقیقت کے ادراک کی عاجزی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باز بدست ست دام را

www.maktabah.org

''ما للتراب ورب الارباب'' (چہ نسبت خاک را بعالم پاک)

تو از خوبی نمی گنجی بعالم مرا ہرگز کجا آئی در آغوش

''تیرا حسن تو سارے عالم میں نہیں سماتا پھر تو میرے آغوش میں کس طرح سما سکتا ہے''

یہی وہ مقام ہے جہاں مقربانِ بارگاہ کو ابدی حزن و ملال دامن گیر ہو جاتا ہے اور یاس و حرمانِ سرمدی خاصۂ خاصانِ درگاہ کے حصے میں آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''کان علیہ السلام دائم الحزن متواصل الفکر'' (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ حزیں اور مسلسل فکر مند رہتے تھے)

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون تا چیست حقیقت ز پسِ پردہ برون

''سارے دل حقیقتِ پسِ پردہ کو جاننے کی کدو کاوش میں پگھل کر پانی ہو گئے اور ساری جانیں خون ہو گئیں''

جو دوہڑہ اس راہ کی دشواری کے بارے میں تحریر کیا گیا وہ انتہائی دل نشین اور بے ساختہ تھا۔ اس راہ کی مشکلات تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں، یہاں تک کہ مخبر صادق علیہ السلام نے بھی ان دشواریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ان امامکم عقبة کؤودً'' یہ بھی ہے مگر

گر موج زند عنایت او موراں بکنند کارِ پیلاں

''اگر اس کی عنایت کا بحر موج مارے تو چیونٹیاں بھی ہاتھیوں کا کام کریں''

احادیث میں آتا ہے کہ ''ان اللّٰہ یفعل بالضعیف ما یتحیر فیہ القوی'' (خدا کمزور سے وہ کام کرا لیتا ہے جس میں طاقت ور بھی عاجز ہو جاتا ہے)

عجائب رہِ عشق اے رفیق بسیار ست زپیش آہوئے ایں دشت شیر نر برمید

''اے دوست! جادۂ عشق کے عجائبات بے شمار ہیں، اس جنگل کے آہو سے پہلے شیرِ نر نکلتا ہے''

دوہڑہ:

نیہی گر در پیہم کو بیل جہاں رمنا دیکھو کا برج بہہ کو جو کچیست ہنجی دہارو

اور یہ رباعی:

www.maktabah.org

روز آں بتو بودم ونمید انستم شب با تو غنودم ونمید انستم
ظن بود بمن کہ من جملۂ منم من جملہ تو بودم ونمید انستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے' وصال اور غلبۂ سکر کی کیفیت کی خبر بھی دیتی ہے' ورنہ خدا کے ہاں تو نہ شام ہے نہ سحر' لم یلد ولم یُولد ''اس کے جلال کا صحیفہ ہے اور'' ولم یکن لہٗ کفواً احد ''اس کے توقیع کمال کا دیباچہ ؎

ابروے دوست کے شود دست کش خیالِ من کس نزد است زین کمان تیر مراد بر ہدف

''دوست کے ابرو میرے ذہن سے کیسے نکل سکتے ہیں' کسی نے اب تک اس کمان سے نشانے پر تیر مراد پھینکا ہی نہیں''

اور جو کہا گیا ہے کہ ؎

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی وکنا حیث ما کانوا وکانوا حیث ما کنا

یہ بھی اسی قبیل میں سے ہے ورنہ وہاں تو قیل' قال' حیث کان' انس اور جان کچھ بھی نہیں۔''کان اللّٰہ ولم یکن معہ شی والان کما کان ''اور بشر کو یہ طاقت نہیں کہ وحی یا پردے کی اوٹ کے بغیر خدا سے ہم کلام ہو سکے۔ یہ (آیت) جواہر سالکین کی نقاد ہے اور'' ولا تضربوا للّٰہ الامثال واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون ''معیارِ حلیہ عارفین ہے' کیا آپ نہیں جانتے کہ سرخیلِ محبّان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے'' لن ترانی '' کا زخم برداشت کیا اور دفترِ محبوباں کے سرتاج (سرکارِ دو جہان ﷺ) نے'' لیس لک من الامر '' کی نداسنی' گویا ایک جانب عنایت ہے تو دوسری جانب بے نیازی۔ تحریر تھا کہ آپ نے لکھا ہے کہ جو سخن حق ہوتا ہے گفتگو میں نہیں آتا۔ اس سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ سننے والوں کے ادراک کی کمزوری کی بناء پر گفتگو میں نہیں آسکتا ورنہ اگر سخن لفظی ہو تو عین گفت ہے اور نفسی ہو تو ہر عیاں چیز کے لیے بیان ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود قصورِ متکلم ہے' یہاں سخنِ حق سے حقیقتِ ذات کا بیان ہے اور ذات کی بداہت کرنا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے اور اس سلسلے میں ظن وتخمین سے کام لینا بے ادبی ہے۔ کیونکہ ظن بیانِ حقیقت کو ذرّہ برابر فائدہ نہیں پہنچاتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ درکِ ممکن اور احاطۂ متناہی میں آئے گا' لامحالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی تو اس سے بہت بالا ہے۔ خواجۂ

بزرگ (خدا ان کی لحد پر عطر افشانی کرے) نے فرمایا: جو کچھ بھی دیکھا اور سُنا جاتا ہے سب غیرِ حق ہوتا ہے' لہٰذا اسے کلمہ کے لفظ ''لا'' کی حقیقت سے منفی کر دینا چاہیے

بس بیرنگ است یارِ دلخواہ اے دل قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

''اے دل! محبوب ازل تو بے رنگ ہے' تو کہیں اچانک رنگ پر قانع نہ ہو جانا''

خلاصۂ کلام یہ کہ جو اس کو جانتا نہیں وہ بطریقِ اولیٰ اس کے بارے میں کچھ بیان بھی نہیں کر سکتا' اسے فکر' وہم اور نگاہیں نہیں پا سکتیں۔

چساں نشاں دہم آں بے نشانِ یکتا را مگس چہ شرح دہد آشیانِ عنقا را

''اس بے نشان و یکتا کا کیا نشان بتاؤں کہ شہد کی مکھی آشیانۂ عنقا کا کیا پتہ دے سکتی ہے''

میرے محترم! جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور ''انی اصطفیتک بکلامی وَبِرِسَالَاتِی'' کی نوید سنا کر اعزاز بخشا۔ اس نے بھی یہی صدا بلند کی کہ ''یضیق صدری ولا ینطلق لسانی'' اور جسے اس نے جوامع الکلم سے نوازا اور تاج و معراج اور اوّلیت و خاتمیت سے عزت بخشی' اس نے بھی یہ فرمایا: ''لا اُحصِی ثناءً علیک سبحان اللّٰہ رب العرش عمّا یصفون''

اے از تو گمانِ خلق بس دور جلوائے تو از پرِ مگس دور

''اے کہ تجھ سے لوگوں کا گمان بہت دور واقع ہے اور تیرا جلوہ تو پرِ مگس سے بھی لطیف ہے''

ہر کس کہ ز کنہ تو سخن گفت خود گفت و ز گفت خود بر آشفت

''جس نے بھی تیری حقیقت کے بارے میں کچھ کہا تو خود ہی کہا اور اپنے کہے پر خود ہی پشیمان ہوا''

اے برتر ازاں ہمہ کہ گفتند وآنہا کہ بدید ہم نہفتند

''اے کہ تو اس تمام سے بلند ہے جو تیرے بارے میں کہا گیا ہے اور جنہوں نے دیکھا چھپایا''

توحید تو ہر کہ راند در قیل برمور چہ زد عماری فیل

www.maktabah.org

''جس نے تیری توحید کو لفظوں میں ڈھالا اس نے گویا چیونٹی پر ہاتھی کی ڈولی رکھ دی''

آپ کا یہ فرمان کہ ''فما من عیانٍ الا و له بیان'' اور قول خداوندی: ''الرحمٰن علم القرآن'' اپنی جگہ صحیح ہیں مگر جو عیاں سے بالا ہے وہ بیان سے خالی ہوتا ہے اور آپ علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ محققین میں سے کسی کا قول ہے کہ ''من عرف اللّٰه طال لسانه'' (جس نے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان تیز ہوگئی) اور یہ مرتبۂ صفات' شیون اور اعتبارات ہے اور صوفیہ کا یہ قول ''من عرف اللّٰه کل لسانه'' (جس نے خدا کو جان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی) مرتبہ ذات کی بناء پر ہے جو اضافات اور اعتبارات سے مبرا ہے اور وہ مطلقاً کیف سے منزہ ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ ''الرحمٰن علم القرآن'' میں قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے' اس لیے اسم ذات کی بجائے اسم صفت کے ساتھ آغاز کیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ''فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی'' میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا اور بندے کی اضافت ہُوِیّہ ذاتیہ کی طرف کی جیسے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے: ''ابهموا ما ابهم الله'' (جسے خدا نے مخفی رکھا اسے ظاہر مت کرو) اس سے مراد یہ ہے کہ تم ذات کے بارے میں سرے سے بحث ہی نہ کرو کیونکہ تم رُخِ کبریا سے نقاب اٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

''میں عشق کی جو شرح بھی بیان کرتا ہوں جب عشق اختیار کرتا ہوں تو اپنے کہے پر شرمسار ہوتا ہوں''

نکتہ

دوسرے یہ کہ عیاں کے لیے کیا بیان؟

میرے محترم! چونکہ نماز اعمال میں سے مقرب ترین عمل ہے اور موردِ تجلیات و مشاہدات ہے اور اس کے بارے میں یہ حدیث کہ ''الصلوٰة معراج المؤمن'' اور ایک دوسری معتبر حدیث کہ ''اقرب ما یکون العبد من الرب تعالٰی فی السجدة'' نماز کے مقرب ترین عبادت ہونے کی بیّن دلیلیں ہیں' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں ادائے

نماز کے دوران مطلوبِ بے حجاب اور محبوب بے نقاب کی ہم آغوشی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور فرطِ عشق وشوق کے مارے مظہر وظاہر اور صورت وحقیقت میں تفریق نہیں کر پاتا۔ اسی وجہ سے نماز کے تمام ارکان میں اس حکیم مطلق نے تکبیرات انتقالات اور تسبیحات کا حکم دیا ہے۔ یعنی اے سالک! جب تیرے دل میں وصال کا کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذاتِ باریٰ اس سے کہیں برتر واعلیٰ ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے سالک کے توہمِ وصول کو جو تجلیات ومشاہدات کے ورود سے پیدا ہوتا ہے اور درحقیقت ایسا نہیں ہوتا' اس طرح بیان کیا ہے

عکسِ روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد عارف از خندۂ مے در طمع خام افتاد

''جب تیرے چہرے کا عکس آئینہ جام میں پڑا تو عارف کا دل شراب میں مسکراتے عکس کو دیکھ کر طمع خام میں جا اڑا''

یعنی عارف کا خونِ دل جو محبت کا گہوارہ ہے جو کہ نقوشِ ماسوا کو مٹا کر تجلی ذاتی کا مرکز بن جاتا ہے اور یہ تجلی ذاتی اس کی ذات سے وجہ کنایت ہے اور ایسے میں عارف کا باطن پہلے سے سوگنا بڑھ کر ترقی حاصل کرتا ہے اور بے پایاں شگفتگی ومسرت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو ناچار بے پردہ وصولِ ذات کے لالچ میں پڑ جاتا ہے۔ مگر اُسے معلوم نہیں ہوتا کہ تجلی اسے کہتے ہیں جو شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ تجلی کسی چیز کے مرتبۂ ثانیہ یا ثالثہ میں ظاہر ہونے کا نام ہے

خلق را روی کے نماید او در کدام آئینہ در آید او

''لوگوں کو وہ اپنا جمال جہاں آراء کس طرح دکھائے اور وہ کس آئینے میں سمائے''

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ وصولِ ذات اصلاً ناممکن ہے جبکہ مشائخ کبار سے وصول الی الذات منقول ہے اور ان میں سے کسی نے یہ بھی کہا ہے

ذات من نیست جز تجلی ذات ذات برمن زدہ است راہِ صفات

''میری ذات سوائے تجلی ذات کے اور کچھ نہیں اور ذات نے مجھ پر صفات کے راہیں مسدود کر دی ہیں''

اور اسی طرح کسی اور نے کہا ہے: حق تو یہ ہے کہ میں اسم وصفت سے گزرے بغیر ذات

www.maktabah.org

تک پہنچا ہوں' اس سلسلے میں مشائخ کے اقوال اس قدر ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصول الی الذات کا مطلقاً انکار تو نہیں کرتے مگر کُنہِ ذات تک وصول کے قائل نہیں اور اس کی کیفیت کے بطریق حصول پانے کے بھی قائل نہیں اور جو وصول بے کیف اور بلا ادراک ہو وہ ممکن اور یقینی ہے جس کے ثبوت کے لیے دلائل و براہین موجود ہیں اور اسی قبیل سے ایک بات یہ ہے کہ اس وصول کے باوصف نگرانی ابدی دامن گیر ہو جاتی ہے اور دائمی حزن واندوہ دولت وصول کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتے اور اس کا سبب دو امور ہیں' پہلا اس تلوّن وتلذّذ کے فقدان کے نتیجے میں پیش آتا ہے جو اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں موجود ہوتا ہے اور باطن سے پوری طرح مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ سالک وسعتِ ذات اور اپنے شوق وتشنگی کی وجہ سے اس مقام کا احاطہ نہیں کر پاتا' اگرچہ وہ خود بسیط تر ہوتا ہے مگر ذات حق تو وسیع تر ہے اور یہ تمام (وصول) بلا کیف ہوتا ہے' یہاں عارف بمنزلۂ مستسقی کے ہوتا ہے جو ذاتِ حق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس مقام کا کوئی کنارہ ہے نہ نہایت' نہ انجام ہے نہ آغاز۔ ع

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

شیخ عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر ندید فقر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبے کا وصول کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانۂ جبروت میں ایک جوہر ہے کہ جس کی احتیاج ہوتی ہے' وہ باقی نہ رہے قطعاً ناممکن ہے' ''وفوق کل ذی علمٍ علیم O'' اگر نہ جاننے اور پہچاننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں طلب کیسے پیدا ہوئی؟ جبکہ اس نے اس کے لیے جگر کو کباب اور آنکھوں کو نمناک کیا ہے تو اس کے جواب میں یہ عرض کروں گا کہ جاننا پہچاننا شرطِ طلب نہیں' بلکہ حُسنِ محبوب کی دھوم حریفِ عشق کو بے قرار اور بے چین کر دیتی ہے اور جمالِ محبوب کی خوشبو گفتگو دیوانگیٔ عاشق کو جوش دلاتی ہے۔ اس طرح کے گلہائے رنگین اس وادی میں بکثرت کھلتے ہیں اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر وبیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہ آتش عشق میں کودنے والوں کی دیوانگیاں اور جاں گدازوں کی لفتیں ہیں' جو دنیائے عشق میں اس طرح کے عجائب وغرائب پیدا کرتی رہتی

ہیں، مولوی عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

''آتش عشق صرف دیدارِ یار سے ہی نہیں بھڑکتی بلکہ اکثر یہ دولت حُسن یار کے چرچے سے ہی مل جاتی ہے'' ؎

آری مقتضائے ادب ایں ست لائق کبریائے محبوب چنیں است

اے عشق ز عاشقاں عجب نیست معشوق شناسی از ادب نیست

''ہاں! تو ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے شایان یہی ہے کہ عشق کا ظہور عشاق سے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ معشوق کو جان لینا ادب سے تعلق نہیں رکھتا''۔

تو یہ جان لینا چاہیے کہ جیسے ذات کو کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی طرح اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اس کا وصول بھی نہ تو کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ممکن ہے، اس اخروی رؤیت کی طرح کہ جس پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی کیفیت سے سروکار نہیں رکھتے ع

بلا بودی اگر ایں ہم نبودی

اگر یہ کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں فرق کیا ہے؟ جبکہ ہر دو سوز و گداز میں ایک ساتھ اور دونوں اسی راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر تو ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے تو یہی مقصود ہے مگر یہاں تو دونوں میں کوئی فرق موجود ہی نہیں اور اگر حزن و اندوہ ہے تو وہ بھی دونوں میں یکساں موجود ہے، میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ مبتدی کا عدمِ وصول حقیقی ہے جبکہ منتہی کا صوری، مبتدی جب گریہ کرتا ہے تو اس لیے کہ سامنے حجابات کی دیواریں ہوتی ہیں مگر منتہی تو عظمت و کبریائی کے مشاہدے سے رو پڑتا ہے، وہ (مبتدی) ہنوز ستر ہزار پردوں میں ہوتا ہے اور یہ (منتہی) انوار کی چکاچوند میں پہنچا ہوتا ہے، وہ بارِ ہستی کو کاندھوں پہ اٹھائے ہوتا ہے، جبکہ یہ اس کی عظمت کا بار برداشت کیے ہوتا ہے، وہ ابھی تک مادی لباس میں گرفتار ہوتا ہے اور اسے خلعتِ وجود کے ساتھ عزت بخشی گئی ہوتی ہے، وہ سایوں اور خیالوں میں ہوتا ہے کہ یہ واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس نے ابھی انفس و آفاق کے دام سے پاؤں نہیں چھڑائے ہوتے کہ یہ ان تمام سے نکل کر منزلِ بالا تک پہنچا ہوتا ہے۔ الغرض یہ کہ ''بکاء المرید

www.maktabah.org

من بکاء الشیخ'' کے مقام پر فائز اس جانِ جہاں پر اپنی جان کی بازی لگائے' اسم اور رسم اور نام ونشان سے بے پروا گزر کر تنزیہہ مطلق اور غیب صرف کو اپنی توجہ کا قبلہ بنا دیتا ہے' بے شک خدائے بزرگ و برتر بلند عزم لوگوں کو عزیز جانتا ہے' کیا خوب کہا ہے ع

آں لقمہ کہ در دہاں نگنجد طلبم

''وہ لقمہ طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے''

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول اور مطلوب قرب ہے نہ کہ ادراک۔

دوہڑہ:

نانونجانو کا اور بارک لاکی جانو جاتی جہان کتے تہاں نانو نہ کانو نہ تھانو

گرفتم نایدایں عنقا بدامم تنید نہائے دامش را غلامم

کسی راگر چہ برگِ ایں سفر نیست بہ از سودائے او چیزے دگر نیست

''مجھے تسلیم ہے کہ عنقا میرے دام میں نہیں آنے کا' مگر میں تو اس کے دام کی رسیوں کا غلام ہوں' اگر کسی کے پاس اس سفر کا ساز وسامان نہ ہو تو اس کے لیے سودائے محبوب سے بہتر کوئی زادِ راہ نہیں''

اب ہم اس مکتوب کو حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہٗ بسرہ الاسنیٰ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے امکان کو آئینہ وجوب اور عدم کو مظہر وجود بنایا اور وجوب و وجود اگر چہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے ورا اور بلند ہے بلکہ تمام اسماء وصفات اور شیون واعتبارات سے ماوراء ہے اور ہر ظہور' بطون' بروز اور کمون سے بالا ہے' اسی طرح تجلیات' ظہورات' مشاہدات اور مکاشفات سے بھی ارفع ہے اور ہر معقول' محسوس' موہوم اور تخیل سے بھی ماوراء ہے' الغرض وہ ذاتِ پاک وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

زعنقا ہست نامی پیش مردم زمرغ من بود آں نام ہم گم

''میں تمہیں اس طائر قدسی کا کیا نشان بتاؤں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ ہے لوگوں

کی نظر میں عنقا کا بھی ایک نام ہے مگر میرے طائر قدسی کا تو نام بھی مخفی ہے''

پس ذاتِ اقدس ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز بلکہ تمام تعریفوں کی منزل اس کی ذاتِ اقدس کے سراپردوں سے پہلے واقع ہے' وہ وہی ذات ہے جس نے خود اپنی ثناء کی اور اپنی ذات کی خود تعریف کی' لہٰذا وہ ذاتِ پاک خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود' کوئی دوسرا اس کی حمد وثناء سے عاجز ہے' انتہیٰ کلامہٗ القدسی

ہیہات قلمِ بوقلمم در کفِ اندیشہ گداخت رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نہ شُد

''ہائے افسوس! میری بوقلمونی کا قلم اندیشے کی ہتھیلی میں گھل گیا' رنگ ختم ہو گیا لیکن تیری نیرنگی تصویر نہ بنی''

عرفان پناہا! ہماری باہمی بحث کسی مقابلے یا مناظرے کی بناء پر نہیں بلکہ اس کا تعلق نیم خامی اور ترکِ جوشی سے ہے۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے کیونکہ ''العذر عند کرام الناس مقبول'' اور سلامتی ہو اس پر جو راہِ ہدایت پر چلا اور متابعت مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات لعلیٰ پر کار بند ہو گیا۔

حضرت شیخ ابوالرضا نے حضرت شاہ عبدالاحد کے مندرجہ بالا مکتوب کے مطالعہ کے بعد یہ جواب تحریر فرمایا:

جوابِ شیخ ابوالرضا

تمام تعریفیں اس ذاتِ اقدس کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہر غلطی ونقصان سے نکال کر اپنی طرف مائل کیا تو ہم نے اسے اپنی شہ رگ سے بھی قریب پایا۔ ایسی حالت میں کہ کوئی حیرانگی تھی اور نہ پریشانی اور ہر عارف و جاہل کی طرف سے درود وسلام ہوں' ہمارے نبی اور آقا حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر۔ یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غلطاں و پریشاں ہوتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! گرامی نامہ دلکش عبارات لیے ہوئے یہاں پہنچا۔ گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبۂ حال کے سبب ہوتی ہے تو ایسی حالت میں سخنِ مغلوب کا کیا اعتبار؟! اور اس کی مثالیں رموز واشارات سے اشعار کے روپ میں ظاہر کی گئیں۔ اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات' کنایے اور استعارے تھے' میں نے

www.maktabah.org

ان تمام کو اچھی طرح سمجھا' آپ نے پہلی بات جو تحریر کی وہ یہ تھی کہ ؎

كيف الوصول الى سعاد دونها قلل الجبال ودونهن خيوف

والرجل حافية ومالى مركب والكف صفر والطريق مخوف

یہ اشعار راستے کی مشکلات اور امتناع وصول کے سلسلے میں واضح ہیں اور جو میں نے لکھا تھا کہ ہُویّتِ ذاتیہ تک سیر مستطیل جو کہ عالم خلق وامر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں کے عبور پر مبنی ہے کہ ذریعے وصول بہت مشکل ہے تو یہ بات مقصد کے لیے راستہ' مشکلاتِ راہ کی وضاحت' وقوعِ اقدام اور حصولِ وصول کی دشواریوں کے ممتنع الوصول ہونے کی تاویل کے طور پر تھی اور میں نے اس راستے کی نفی بعض اشخاص کے لیے خاص وجوہات کی بناء پر کی ہے جس پر کسی کو انکار کی گنجائش ہے اور نہ کسی اعتراض کی۔ لہٰذا مطلق طور پر اس کے اثبات اور وقوع اور میری سابقہ نفی میں کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ ''وگرنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو وجوہات خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے''۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو وجود کے بارے میں ہے لیکن جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو وہ ذاتِ حق سبحانہٗ اس سے کہیں ارفع واعلیٰ اور وراء الوراء ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کی یہ بات بالکل درست ہے لیکن عامی لوگوں کے بارے میں' لیکن جہاں تک اعتبارات کے بغیر صرف ذات کی طرف متوجہ ہونے والے حضرات کا معاملہ ہے' وہ اس سے مختلف ہے' پس جس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ وجود میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے' اسی طرح وجدان اور سُر یانیت میں بھی ؎

تجدنى فى سواد الليل عبدى قريباً منك فاطلبنى تجدنى

''اے میرے بندے! تو رات کی تاریکیوں میں جس وقت بھی مجھے آواز دے گا اپنے نزدیک پائے گا'' ؎

مرا اندر شب تاریک یابی ز جانِ خویش ہم نزدیک یابی

مرا نزدیک خود پیوستہ میداں نمیدانی اگر دانی بیابی

''تو مجھے رات کے اندھیروں میں ہی پا سکتا ہے اور دُور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی نزدیک پا سکتا ہے' مجھے اپنے ساتھ پیوستہ جان تو ایسا نہیں سمجھتا اگر سمجھے تو مجھے

پالے"

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہڑہ بھی لکھا ہے: دوہڑہ ؎

پنت نکت سنکم اکم مگر مانہ جیون جہانہ جگہ اکیں مکھ ہیں رہیں ملنہ بہ بہر بہر باہنہ

اس کے پڑھتے ہی دلِ ناتواں میں یہ آیا۔ دوہڑہ ؎

ساجن میرے آیا کل لاکھو بہر بانہ بل مارت بچہرت نین نس دن کہوں نجانہ

میں نے لکھا تھا ؎

پردہ بر خاست تا بدیدستم دست بادوست کردہ درآغوش

اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تمام گلشنِ تشبیہ کے پھول ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کے ہاں ہم آغوشی کی آرزو کا مفہوم نکلتا تھا جبکہ میری عبارت میں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالَ یُشِیْرُ

"ہمارے اندازِ بیان مختلف ہیں ورنہ تیرا حسن تو ایک ہی ہے، درحقیقت ہمارے بیان کے ہر انداز کا اشارہ تیرے ہی جمالِ حقیقی کی طرف ہے"

والا نامہ میں مرقوم تھا ؎

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں کانیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے ادراک اور احاطہ کی بے مائیگی مراد ہے ؎

اے کمان و تیر ہا برخاستہ صید نزدیک و تو دور انداختہ

"اے تیر و کمان اٹھانے والے! شکار تو قریب ہے، تو نے تیر دُور پھینکا"

آپ نے تحریر فرمایا: "ما للتراب ورب الأرباب" میں کہتا ہوں قصۂ معراج میں مذکور ہے کہ یہ از راہِ ادب کہا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے: "یا محمد انک اخترت العبودیة تادّباً اخترتک لجمیع الکرامات الانسیة تفضیلاً" (اے محمد ﷺ! آپ نے تادّب کے طور پر بندگی کو اپنا لیا اور میں نے تمہیں تمام انسانی فضائل اور خوبیوں کی وجہ سے تفضلاً پسند کر لیا ہے) لہٰذا پتہ چلا کہ تادّب اور چیز ہے اور تفضّل دوسری ؎

خاک راچوں کار باپاک او فتاد پیش آدم عرش بر خاک او فتاد

www.maktabah.org

''خاک کو جب ذاتِ اقدس سے تعلق پیدا ہو گیا تو پھر عرش بھی انسان کے سامنے جھک گیا''

مکتوب گرامی میں لکھا ہوا تھا کہ ''ابدی حزن و اندوہ مقربانِ بارگاہ کو دامن گیر ہوتا ہے''۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ابدی غم و اندوہ تو ہمیشہ کا ایک ایسا عذاب ہے جو دوستوں کے لیے نہیں بلکہ دشمنوں کے لیے ہوتا ہے۔ دوستوں پر تو ہر وقت ناز و نعمت کی بارش اور مقربین کے لیے راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم'' (اگر تو وہ بندہ مقرّبین میں سے ہے تو اس کے لیے خوشی، راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں)۔

آسود بکامِ خویش از وصلِ حبیب نے بیمِ فراق است نہ تشویشِ رقیب

خط میں مرقوم تھا

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون تا چیست حقیقت زپسِ پردہ برون

اس کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابھی تک پردے کے پیچھے جان و مال باقی ہے اور مشتاق کی حالت بھی یہی ہوتی ہے مگر جب کوئی جان و دل سے ہی گزر جائے تو وہ پردے کے اندر چلا جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے

رازِ دروں پردہ زرندانِ مست پرس کیں حال نیست زاہدِ عالی مقام را

''پس پردہ رموز مست رندوں سے ہی پوچھئے کیونکہ بلند مرتبہ زاہد کا تو یہ مقام ہی نہیں'' لکھا تھا۔ دوہڑہ

نبھی کر در، یم پیل جہاں زیبائی دیکھو کارج بنہ کو چوکچٹ پنجی دہائی

اس دوہرے کے حسنِ تقابل کے متعلق کیا لکھوں تاہم میرے ناتواں دل میں یہ آیا

سات سمندر پم کئی نپت اکم اپار کچست تہئی بہ کئی بہر لا کی ارروار

آپ نے تحریر فرمایا: ''ولا تضربوا لِلّٰهِ الامثال الخ'' میں عرض کرتا ہوں: ''وللّٰهِ المثل الاعلیٰ'' اور یہ جو شعر ہے کہ

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی وکنّا حیث ما کانوا وکانوا حیثما کنّا

اس سے وفاق مراد ہے فراق نہیں۔

www.maktabah.org

حضرت شیخ احمد رحمہ اللہ جو کہ مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں کے مضمونِ عالی میں کوئی تشبیہ اور مثال نہیں دی گئی' جیسا کہ ان کے اقتباس سے ظاہر ہے

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ — کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

زعنقا ہست نامی پیش مردم — زمرغی من بود آں نام ہم گم

ان اشعار میں مرغ اور اس کی عنقا کے ساتھ ہم آشیانی سے مراد ذاتِ اقدس کا علوِشان ہے: ''فکلامکم منطق الطیر ان لم یفھم غیر فلا خیر''۔

تحریر تھا کہ پیشوائے محبان نے زخمِ لن ترانی کو برداشت کیا۔ میرے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں دیدارِ باری نہیں کر سکتے لیکن اُس گروہ کے لیے ایک دوسری زندگی بھی تو ہے' آپ نے لکھا کہ ''دنیائے محبوبیت کے سرتاج نے بھی لیس لک من الامر شیء کی صدا سنی'' میرے خیال میں اُس کا شانِ نزول ایصال ہے نہ کہ وصال' کیونکہ اس کے بلند مرتبے کی شان تو یہ ہے کہ ''دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ''۔

مکتوب گرامی میں آپ نے لکھا کہ ''جسے (موسیٰ علیہ السلام) خلعتِ کلام سے نوازا گیا' اس نے یہ صدا بلند کی: ''یضیق صدری و لا ینطلق لسانی'' میرا خیال ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں معانی کے حقائق اور مکشوفات کے اسرار بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل کر توتلی ہو گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں۔ اسی مفہوم کی دلیل یہ ہے: ''واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی'' اور اسی طرح یہ آیت ''واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی ردءا'' کیونکہ دعوتِ تبلیغ وارشاد کا فریضہ فصیح و بلیغ آدمی ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

مکتوب میں مرقوم تھا کہ جسے جوامع الکلم کی دولت عنایت کی گئی اس نے بھی ''لا احصی ثناءً علیک'' کا نعرہ لگایا۔ میرے نزدیک اِحصاء سے مراد یہاں پر پوری طرح شمار ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان میں داخل نہیں اور ثناء و بیان عیان کے بعد ہوتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے' جس کا آخری ٹکڑا آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

''انت کما اثنیت علیٰ نفسک'' میں نے بیان کیا تھا کہ ''ما من عیانٍ الا و لہ البیان'' اس پر دلیل قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ ہیں: ''الرحمٰنO علم القرآنO خلق

www.maktabah.org

الانسان O علمه البیان O ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو تمام ذاتی' صفاتی اور افعالی معارف کا مجموعہ ہے اور اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز بنایا' جس پر پورا قرآن مجید مشتمل ہے۔ والا نامہ میں مرقوم تھا: جو عیان سے بالا ہو گا وہ بیان سے خالی ہو گا۔ میں عرض کرتا ہوں: یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے' آپ نے تحریر فرمایا ''کہ دیگر ''عیاں راچہ بیاں'' اس کے بارے میں عرض ہے کہ صاحبِ عیان کے لیے بیان کی حاجت نہیں اور جو صاحبِ عیان نہیں وہ بیان کا محتاج ہے' یہ اور ہے وہ اور! اور آپ کے اس قول کہ ''ہم کنہِ ذات اور اس کے ادراک کی کیفیت کے حصول کے قائل نہیں ہیں'' کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ عطف اور ارجاع کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے' چاہے وصول کے لیے ہو یا ذات کے لیے اور آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ ''کسی ایسے مرتبے تک پہنچ جانا کہ اس سے بالا کوئی مرتبہ تصوّر میں ہی نہ آ سکے محال ہے'' بالکل صحیح ہے مگر صفات کی سیر میں' لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ متصور ہی نہیں (اور یہاں عرفا پہنچتے ہیں) ''لیس وراء العباد ان قریة'' مکتوب میں لکھا تھا کہ ''عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں'' میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا سروکار جبکہ عشق حجاب ہے اور عاشق و معشوق رُخِ حقیقت کا نقاب اور اس کے علاوہ یہ کہ عشق قلوب میں ایک ایسی آتش ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے۔ بس کیا ہی اچھا جنون ہے اور کیا ہی خوب مجنوں! کلامِ قدسی میں ہے: ''انت عشقی وانا عشیقک یا محمد'' (ﷺ)!

درد عشق آمد دوائے ہر دِلے حل نشد بے عشق ہرگز مشکلے

گر عشق ہمیں مونس و ہم خانہ ماست غمہا ہمہ یک جُرعہ پیمانہ ماست

''ہر درد کی دوا درد عشق ہے' عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان ہی نہیں ہوتی' اگر یہی عشق میرا مونس و ہمخانہ ہے تو سارے غم میرے پیمانے کا ایک گھونٹ ہیں''

از عقل فروگزر کہ در عالمِ عشق اور نیز غلامِ دلِ دیوانہ ماست

''عشق میں عقل سے بے پروا ہو کر چل کیونکہ یہ بھی میرے دل دیوانہ کا غلام ہے''

آپ کا یہ قول کہ ''یہ (گزشتہ بحث) رؤیت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں' لیکن اس کی کیفیت سے سروکار نہیں''۔ کیفیتِ رؤیت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لیے مثلیت کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

مکتوب گرامی میں تحریر تھا کہ ''اسم ورسم سے گزر کر غیب اور تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند فرماتا ہے''۔ آپ کی اس تحریر سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو کر رہ گئے ہیں' جو اس راہ کا وسط ہے اور ایسے میں ہی مغلوب الحال ہو گئے ہیں' گویا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں' مزید ترقی کی کوشش کیجئے اور جان لیجئے کہ میرا اور میرے بلند ہمت احباب کا یہی مشرب ہے' اسم ورسم سے بے نیاز گزر کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا ہے اس کے متعلق میں مزید عرض کرتا ہوں کہ اسم ورسم کے بغیر تو توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کے لیے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسم ورسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کر دینا چاہیے اور اسی طرح تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے' مگر درحقیقت تو نہ کوئی مقام ہے اور نہ مقیم ''ان اللّٰہ یحب معالی الھمم ''آپ کا یہ کہنا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول' میرے خیال میں صوفیاء کے قول ''صعب الحصول'' کی طرف اشارہ ہے' لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہٗ (حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ) کے کلام کا تعلق ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ معارفِ دقیقہ اور حقائق غریبہ پر مشتمل ہے لیکن آپ نے ان کے کلام کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ ''انتھی کلامہ القدسی'' (ان کا قدسی کلام یہاں ختم ہوا) یہ الفاظ (کلامِ قدسی) صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے مخصوص ہیں' اس کا اطلاق تو اس کے انبیاء واصفیاء پر بھی نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ ایک ولی کے کلام کے بارے میں ان کا استعمال کیا جائے۔

میرے دوست! آپ سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مقربین کے لیے قیود' ابدی حزن ویاس اور حرمانِ سرمدی کی عبارات کا استعمال جبکہ نصوص بھی اس کے حق میں نہیں' طالبین کے جذبۂ طلب کو کمزور کرتا ہے' ہمیں تو بندوں کو یہ سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا رب ان سے قریب

www.maktabah.org

ہے وہ اس کی طرف میلان کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اذا سألک عبادی عنّی فانّی قریب ''اور اسی طرح کلام قدسی میں ہے: ''قربونی الی عبادی ولا تبعدونی'' (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ میرے اور ان کے درمیان فاصلے نہ بڑھاؤ)۔

گفتم ملکا! ترا کجا جویم من در خلعتِ وصف تو چہا گویم من
گفتا کہ مرا مجو برعرش وبہشت نزدد لِ خود جوئی کہ برتو یم من

''میں نے عرض کیا: اے بادشاہ! تجھے کہاں تلاش کروں اور تیری خلعتِ وصف کے متعلق کیا بیان کروں؟ تو جواب ملا کہ مجھے عرش پر تلاش کر اور نہ بہشت میں' اپنے دل کے قریب ڈھونڈو کہ میں تمہارے اندر ہوں''

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض جذبۂ خیر خواہی کا اظہار تھا' اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے اور اس طرح جو کچھ میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا وہ بھی محض جذبۂ محبت' خلوص اور یک جہتی کی بناء پر۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ان کے قول کہ ''اس دوہرے ع مینہی کرد الخ کے حسنِ تقابل کے بارے میں کیا لکھوں'' کی وضاحت یہ ہے کہ یہ دوہرہ آپ کے دعویٰ کے مخالف' البتہ ایک خاص صورت میں صرف عشاق کے لیے فائدہ مند ہے' اُن (حضرت شیخ) کا یہ قول کہ دلِ ناتواں میں یہ آیا ع سات سمندر الخ' یہ دوہرہ پہلے دوہرے کے برعکس فنا وبقاء دونوں کی حقیقت کو بیان کرتا ہے' اسی طرح ان کا یہ قول کہ ''علی تقادیر العطف والارجاء یلزم الخ'' بھی تشریح طلب ہے اور وہ یہ کہ کیفیۃ میں ضمیر مجرور تاویل شئی کے ذریعے یا وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف۔ عطف یا تو وصول پر ہے یا کنہ ذات پر' پس اس جگہ نحوی اعتبار سے چار تقدیریں ہیں' پہلی یہ کیفیت وصول کے ادراک کو مانع ہے۔ یہ کیفیت ذات کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری کیفیت ادراکِ وصول کے وصول کی نفی کرتی ہے اور یہ پہلی تقدیر کی طرح ہے۔ چوتھی تقدیر کیفیت ذات کے ادراک سے وصول کو روکتی ہے اور دوسری بھی اسی طرح ہے۔

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا' جو یہ ہے:

www.maktabah.org

مکتوبِ شیخ عبدالاحد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں بھی باطن بن کر رہی اور جس نے عدم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اپنے نورِ وجود اور وجودِ نور کے ساتھ منوّر کیا اور درود وسلام اس ذاتِ گرامی پر جس کا نور تمام موجودات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں اور اسی طرح ان کی آل' اصحاب اور تابعین پر بھی درود وسلام ہوں' جب تک تخلیقِ آدم اور رکوع وسجود جاری ہیں بلکہ ابدالاباد تک۔

حقائقِ عرفا اور دقائق علماء پر مشتمل آپ کا مکتوبِ گرامی موصول ہوا' جس میں قیمتی نکاتِ معرفت' بلند اسرارِ معرفت کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی عنایات اور اعزازات کا اظہار بھی تھا چونکہ آپ کے والا نامہ میں ہمارے خط کے کئی مضامین پر تبصرہ تھا' اس لیے ہم اپنی کوتاہیوں اور قصورِ فہم کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خط کے مالہٗ و ماعلیہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ بزرگوں کے ہاں عذر معتبر اور اصلاح وہدایت اُن کا طریقہ ہے۔ سلام ودعا کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ ''اما فی الوجد ان فھو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء'' بالکل بے غبار ہے اور ایک نکتہ جو کہ اکابرین میں سے بعض بزرگوں سے صادر ہوا' خرّاز نے بیان کیا' جس کے بارے میں سید الطائفہ نے فرمایا کہ ''وہ ایک ایسی انتہا ہے جس سے آگے کچھ نہیں'' اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبر نے فرمایا کہ وہ حق کی زبان ہیں اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیخ الشیوخ نے کہا کہ ''شیخ اکبر تو ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں'' اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ''الوجد عند وجود الحق مفقودٌ'' باقی آپ کا یہ فرمانا: ''ھذا بالنسبۃ الی الاکثرین الخ'' اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ ''بالنسبۃ الی الاکثرین'' نہیں بلکہ ''بالنسبۃ الی الکُل'' ہے' کیونکہ یہاں پر وجدان سے مراد کنہ کا ادراک' احاطہ اور اس کا ذہنی حصول ہے جبکہ وہ وجدان کہ جو اس قید میں مقید نہیں' اس کا ''بالنسبۃ الی الاکثرین'' ہونا جائز اور درست ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ''آپ کی عبارت میں معانقے کی آرزو کا اظہار ہے جبکہ میرے ہاں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے'' تو اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ جس کی تمنا اور

www.maktabah.org

آرزو کی جارہی ہو اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہے اور جب یہ مامول ہی (جس کی آرزو کی جارہی ہے) اس محصول کی طرح آسان ہو گیا تو ہم نے وصول کے لیے محصول پر اکتفاء ہی نہیں کیا' آپ نے لکھا ہے:

عبارا تنا شتیٰ وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے جیسا کہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

ندانم آں گلِ رعنا چہ رنگ وبُو دارد مرغ ہر چمنی گفتگوئ او دارد

''مجھے معلوم نہیں کہ وہ پھول کیسی رنگت وبُو کا ہے کہ ہر چمن کے پرندے کی زبان پر اسی کا ذکر ہے''۔

لاکھ سہیلی ایک پیو جھو دس پی پی ہوئ نا جانو کس رانوسی کون سہاگن ہوئ

ہمارے اس قول کہ ''ما للتراب ورب الارباب'' کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ ''یہ تادّبا تھا اور تفضّل دوسری چیز ہے'' کے متعلق عرض ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہترین نمونہ ہیں ''ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ''۔ ہمارا یہ کہنا کہ ''ابدی حزن واندوہ مقربانِ بارگاہ کا دامن گیر اور وصالِ مطلق سے یاس وحرمانِ سرمدی خاصۂ خاصان درگاہ ہے''۔ اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ حُزنِ ابدی چاہے وہ کسی بناء پر بھی کیوں نہ ہو مستقل الم اور عذاب ہے اور یہ تو عام مؤمنین کے لائقِ شان بھی نہیں چہ جائیکہ مقربین کی بات کی جائے اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نظریہ نصوصِ قطعی کے بھی خلاف ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں کئی مباحث ہیں' خیال ہے کہ ان میں سے ضروری باتیں بیان کر دی جائیں تا کہ یہ عُقدہ پوری طرح کُھل جائے۔ آپ سے یہ امر مخفی نہیں کہ ابد وسرمد کا اطلاق جس طرح خلود پر ہوتا ہے بالکل اُسی طرح مدتِ زندگی پر بھی اُن کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لغت و عُرف اس پر شاہد ہیں' چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: ''ولا تقبل لھم شھادۃً ابدا''۔

تو خلاصۂ کلام یہ کہ محبت کے لیے حُزن وغم کا ہونا اور وصالِ مُطلق سے ناامیدی جو کہ عظمتِ محبوب کے مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے' مقربین کا خاصہ ہے اور جب تک وہ اِس زندگی کی قید میں رہیں اُن کی یہ حالت قائم رہتی ہے' چاہے وہ تجلیات ومشاہدات کے اعزاز سے بھی مشرف ہو جائیں' اس کے برعکس جس کا وعدہ کیا گیا ہے (حیاتِ اخروی میں) وہ اس

موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہے' ارشادِ خداوندی ''وللاٰخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ ''اور اسی طرح فرمانِ ربّی ''من کان یرجو لقاء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاٰتٍ'' میں اسی طرف اشارہ ہے' پھر یہ حُزن ویاس جو کہ مراتبِ ظلال سے نکل کر اصول تک پہنچنے کے بعد اور مدارجِ صفات سے ترقی پا کر حضرت ذات تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے' ایک ایسا خاصہ ہے جو ان مراتب پر فائز اصحاب کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔

فرعون راندادیم اے دوست! دردِسر زیرا کہ او نداشت سر درد ہائے ما

''اے دوست! میں نے فرعون کو اس لیے دردِ سر نہیں دیا کیونکہ اس کے سر میں میری محبت کا سودا ہی نہیں تھا''

اے عارف باللہ! درحقیقت یہ تو صنعت مدح شبیہ بالذم اور کمال' شبیہ بالنقص کے قبیل سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے: ''انہٗ کان ظلوماً جھولاً''۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے محض نام کی شراکت کی بناء پر اسے دشمنوں کا حصّہ قرار دے دیا اور دوستوں سے اسے بعید بتایا' پھر آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآنی آیات بھی پیش کیں اور ان میں سے ایک یہ ہے: ''لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون ''اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں آپ کے لیے لفظ ''الیوم'' (یعنی ''الیوم'' سے مراد یومِ قیادت اور اخروی زندگی ہے) سے زیادہ فصیح وبلیغ کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا اور اس کے بارے میں پیچھے ہم اشارہ کر آئے ہیں' اسی طرح دوسری آیت یہ ہے: ''الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون '' یہ بھی تفاسیر کے مطابق آخرت سے متعلق ہے' اہلِ حقائق نے بھی اسے مجملہ آخرت کی بشارتوں میں سے قرار دیا ہے' یہاں تک کہ ان میں بعض نے تو ولایت سے متعلق ولی کے علم کے جواز کو بھی ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عبودیت سے لازم خوف کو زائل کر دیتا ہے' جیسا کہ تعرّف میں موجود ہے اور انہی آیات میں سے ایک یہ ہے: ''فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم '' (سورۂ واقعہ' آیت: ۸۸) لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے تو کسی قسم کا استدلال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ راحت اور ریحان کا تو عالمِ اخروی میں ہی مقربین کے لیے ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا اور آپ کی پیش کردہ آیات میں سے ایک یہ

www.maktabah.org

ہے: ''انہ لا ییأس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون '' اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اگر رَوح سے بحیثیت مجموعی اس کے تمام اقسام مراد ہیں، تو اس صورت میں اس کے بعض اقسام سے ناامیدی میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس سے مراد سلب کلی کے طور پر ہر ہر فرد ہے تو یہ بالاجماع غلط اور باطل ہے، اس لیے کہ رَوح (رحمت) کی اقسام میں سے تو رسالت، نزولِ وحی اور ایسی دوسری باتیں بھی ہیں کہ جن سے یاس و ناامیدی فرض ہے اور ایمان کا حصّہ ہے اور اگر اس سے مراد (رَوح کی) بعض اقسام ہیں تو یہ دوصورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ معین ہیں اور ایسی صورت میں ان کے بیان کی ضرورت نہیں یا پھر غیر معین ہیں تو مطلق قرار پائیں گی اور یہ دونوں صورتیں آپ کے لیے سُودمند نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس اس آیت میں کفر ثابت ہوئی ہے، اسی طرح امنِ مطلق بھی کفر ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ''لا یامن مکر اللّٰہ الا القوم الخسرون '' اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وخافون ان کنتم مؤمنین '' اور اسی لیے کہا گیا ہے: ''الایمان بین الخوف والرجاء '' اور اس سے پہلے میں حضور اکرم ﷺ کے اس قول کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ''ان اللّٰہ یحب کل قلب حزینٍ '' اور دوسری جگہ فرمایا: ''من اراد اللّٰہ بہ خیرا جعل فی قلبہ نائحۃ '' اسی طرح حضور ﷺ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: ''انہٗ کان دائم الحُزن ومتواصل الفکر '' اور آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ نماز میں گریاں رہتے اور اس طرح غمگین و اندوہ گین ہوتے لیکن ترش رُوئی قریب نہ پھٹکتی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ رو رہے تھے کہ جبریل امین نے نازل ہو کر عرض کیا: رب تعالیٰ نے آپ کو سلام بھجوائے ہیں اور اِس گریہ وزاری کا سبب پوچھا ہے (حالانکہ وہ عالمِ کُل ہے) آپ نے فرمایا: دوزخ کے خوف سے رو رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد جبریل امین پھر حاضر ہوئے اور کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ''انا لم نجعلھا لا ولیائی '' (ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کے لیے نہیں بنائی) اس بات سے حضرت داؤد علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ کچھ وقت گزرا تو وہ پھر گریہ وزاری کرنے لگے، جبرئیل

www.maktaban.org

نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: شوقِ جنّت میں رو رہا ہوں۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''انی جعلتھا لاحبائی'' (جنت میں نے اپنے پیاروں کے لیے بنائی ہے)' یہ بات سُن کر حضرت داؤد کو پھر سکون آ گیا' کچھ دیر بعد انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا' جبریل امین نے آ کر حسبِ سابق پھر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں ذاتِ باری کے شوقِ وصال کی تمنا میں رو رہا ہوں' جبرئیل نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شوقِ وصال کی تمنا میں جس وقت تک چاہو گریہ زاری کرو' اس پر کوئی پابندی نہیں۔ زندگی کا جنگل تو طے ہو گیا' لیکن عشق کے دشوار گزار راستے ہیں کہ جن کا کوئی انجام نہیں۔ نمونے کے طور پر ہم نے مشائخ عظام کے جو اقوال ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک قول خواجہ عبدالخالق غجدوانی (اللہ ان کے مزار کو معطّر رکھے) کا ہے جو یہ ہے ''وصیت میکنم ترا ای پسرک من ہکذا و کذا الی ان قال باید کہ دل تو ہمیشہ اندوہگین باشد و چشمِ تو گریاں و عمل تو خالص و دعاء تو بتضرع و لنعم ما قیل''

اے خدا دردِ مرا در ماں مکن　　دردمنداں راز بے درداں مکن

''اے بیٹے! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تیرا دل ہمیشہ اندوہگیں اور آنکھ ہمیشہ تر اپنی چاہیے' تیرا عمل خالص اور تیری دُعا میں عاجزی ہونی چاہیے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: اے اللہ! میرے درد کا چارہ نہ کر اور دردمندوں کو درد سے محروم نہ کر''۔

حضرت سری سقطی[1] (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) نے فرمایا ہے: میرے لیے دن اور رات دونوں میں کوئی خوشی نہیں' اس لیے میں دن کی پروا کرتا ہوں اور نہ رات کی' کیونکہ جیسے یہ خوشی شریعت میں کجروی کا باعث بنتی ہے' ویسے ہی یہ طریقت میں تنزّل کا سبب بنتی ہے۔ یہ

[1] سری نام' ابوالحسن کنیت' آپ حضرت معروف کرخی کے نامور مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زماں' شیخِ وقت' صاحبِ علم اور امامِ طریقت تھے۔ پرچون کی دکان تھی' اس لیے سقطی مشہور ہو گئے۔ سید الطائفہ نے فرمایا کہ عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے' ہر روز ایک ہزار نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کا درجہ پیر پیران اور شیخ الشیوخ کا ہے۔ آپ نے رمضان ۲۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ مزار قبرستان شونیز' بغداد میں مرجع خلائق ہے' تاریخ وصال قطب الحق (۲۵۰ھ) ہے۔

www.maktaban.org

بعض ایسے حقائق پر پردہ ڈالنے سے کنایہ ہے جو کہ اور حقائق کا پتہ دیتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے۔

سات سمندر پیم کے پنت اکم اپار کچپت تہی تہیکی بہرلا کی اروار

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے' ذاتِ باری کے استغناء اور اس کی کبریائی کی بات ہے' اس پر میرے ذہن میں دو شعر موزوں ہو گئے' ان میں سے ایک تو اسی مضمون کا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے' عجیب بات یہ ہے کہ اس سے قبل ہندی زبان میں کبھی میں نے کوئی شعر نہیں کہا' دوہرہ۔

سات سمندر پار پیو ہوں اکیانی نار نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار
پیم سمندر رے سکھی تہاہ نہیں جس دھار پار لگی لے لاکھوں لوگ بیکس اروار

ہم نے کہا تھا ''لا تضربوا للّٰہ الامثال'' آپ نے فرمایا: ''وللّٰہِ المثل الاعلیٰ'' میں عرض کرتا ہوں کہ یہ آیت اپنی جگہ مکمل اور سابقہ آیت کریمہ کے لیے دلیل ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''لن ترانی'' سے مراد ان آنکھوں سے اس دنیا میں دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لیے ایک اور جہان بھی تو ہے' میں کہتا ہوں یہ بات درست ہے کہ اس گروہ کا ایک دُوسرا عالم بھی ہے جیسے کہ ہمارے والدِ گرامی نے قولِ خداوندی ''بل ھم فی لبسٍ من خلقٍ جدید'' کی تاویل اس طرح کی ہے یعنی وہ حقائق اور اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں اور اس کی وجہ ان کی وُہ امیدیں ہیں جو انہیں نئی زندگی' ولادتِ ثانیہ اور فناء کے بعد وجودِ ثانی' چاہے وہ رذائل سے بھرا ہوا بھی کیوں نہ ہو' کے بارے میں ہیں۔ لیکن پھر بھی استغناء کی منزل دُور ہے۔

تعرف میں کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں نہ تو ان ظاہری آنکھوں سے ذاتِ باری کا دیدار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے قلوب کی حقیقی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: ''تجلی ذات متجلی لہٗ'' کی صورت ہی میں ظاہر ہوتی ہے پس متجلی لہٗ نے حق کے آئینے میں جو کچھ دیکھا وہ اس کی اپنی صورت کے علاوہ کچھ نہ تھا' اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی اس کا دیکھنا ممکن ہے' ''ویحذرکم اللّٰہ نفسہٗ'' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اسی زندگی میں اس نشاۃ کے ثبوت کا اقرار کیا' ہمارے قول ''سر دفترِ

www.maktabah.org

محبوبانِ ندا ''لیس لک من الامر'' بشنید'' کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شانِ نزول ایصال ہے وصول نہیں' تو اس بارے میں عرض ہے کہ اصل امر کلمۃ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی من نشاء من عبادنا الخ'' ہمارا یہ قول کہ جسے اس نے خلعتِ کلام سے نوازا روہ بھی پکار اٹھا کہ میرا دم گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں کھلتی' کے متعلق آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ میں حقائق معانی اور دقائقِ معرفت بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارۂ فرعون کی وجہ سے جل گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی' اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا' مگر جو ہم نے بیان کیا ہے یہ بات راسخین کی ہے' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لکل حرفٍ ظھر وبطن فمنھم من اکتفیٰ بالظھر فاھتدیٰ ومنھم من نفذت بصیرتہ الی البطن فکان اھدیٰ لکل وجھۃٍ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات'' (ہر حرف کے دو پہلو ہوتے ہیں: ظاہر اور باطن' جس شخص نے ظاہر پر اکتفاء کیا اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جس کی بصیرت باطن پر مرکوز ہوگئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پائی' پس اچھائیوں کی طرف بڑھو) ہمارے اس قول کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے' اس نے بھی ندائے ''لا احصی ثناءً علیک'' بلند کی' کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے تمام کمالات عیان کے ذیل میں داخل نہیں ہو سکتے' جبکہ ثنائے کامل عیان کے بعد ہی ہو سکتی ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا مقصود بھی بالکل یہی معنیٰ ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''انت کما اثنیت علیٰ نفسک'' ہم کہتے ہیں کہ یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے جیسے کہ انہوں نے قولِ خداوندی ''ولا تاکلوا الربا اضعافاً مضاعفۃ'' میں ذکر کیا' اس صورت میں نفی کو قید کی طرف لوٹانا مسلّم بات ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ خود ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گئی' جیسا کہ حواشی شرح مطالع وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ ہمارے مقصود کے خلاف نہیں بلکہ الٹا اس کی مؤید ہے' ہمارا یہ کہنا کہ عیاں راچہ بیاں اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحبِ عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیاں نہ ہو اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اور ہے اور وہ اور' اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ

www.maktabah.org

ہمارا یہ قول آیۂ کریمہ ''ذٰلک الکتابُ لا ریب فیہ'' کے قبیل سے ہے' ہمارا یہ کہنا کہ کسی ایسے مرتبے تک پہنچنا کہ جس سے اُوپر کسی مرتبے کا تصور بھی نہ کیا جا سکے محال ہے' یہ بات آیت کریمہ ''قل ربّ زدنی علما'' اور حدیث ''انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا ھذا الدین'' سے ماخوذ ہے' پھر اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ سیر صفات کی بات ہے' لیکن حضرتِ ذات سے وصول کے بعد تو فوق کا تصوّر یقیناً محال ہے' میں عرض کرتا ہوں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر وصول الیٰ حضرت الذات تو ممکن بلکہ واقع ہے' البتہ اس سے آگے بڑھنا عقلاً اور نقلاً محال ہے' آخر حق تک رسائی کے بعد آگے بڑھنا گمراہی نہیں تو کون سی خوبی ہے' اسی طرح اس کی کُنہ کا احاطہ بھی محال ہے کیونکہ اگر طالب بسیط تر ہے تو اس کی ذات وسیع تر اور غیر متناہی ہے چنانچہ سیر واقع جسے محققین سیر فی اللہ کا نام دیتے ہیں' بھی ذاتِ باری کی طرح غیر متناہی ہے اور اس کا طے کر لینا ناممکن ہے ؎

شربت الحب کاساً بعد کاسٍ فما نفد الشراب وما رویت

''میں شرابِ معرفت کے جام پر جام لنڈھاتا رہا مگر نہ شراب ختم ہونے میں آئی اور نہ میں سیر ہوا'' ع

بمیر د تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

صاحبِ تعرف نے کہا ہے: ''القول بالاصلح'' اس کی قدرت کے لیے نہایت کو ثابت کرتا ہے اور اس سے اس کے خزانوں کے ختم ہونے اور اس کے عجز کی راہ نکلتی ہے' ''تعالیٰ اللہ عن ذٰلک'' اس لیے کہ جب وہ ان میں صلاح (خیر) کی آخری اور انتہائی کیفیت پیدا کر دے تو اس کے بعد مزید صلاح کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی' اب اگر وہ مزید صلاح کا ارادہ کرے تو کہاں سے ہوگی اور اس نے جو کچھ ان کو عطا کر دیا ہے اس کے بعد انہیں مزید عطا کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا' جس کے ذریعے وہ ان میں مزید اضافہ کرے' حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مقام میں رہتے ہوئے ترقی کرنا اور چیز ہے جبکہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرنا بالکل دُوسری چیز ہے اور ہم جس بات میں اُلجھے ہوئے ہیں' وہ یہی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک ممنوع اور دوسری واقع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو

تو واصلین ذات میں باہمی کوئی تفاوت نہ ہو اور قُربِ ذات میں وہ تمام مساوی ہوں اور سب کے سب ایک ہی مقام میں بند ہوں' حالانکہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں اس وجہ سے تفاوت ہے بلکہ یہ تفاوتِ درجات کسی اور بناء پر ہے تو اس کے متعلق ہم عرض کریں گے کہ مرتبہ فوق مراتب کے ممنوع کے بارے میں آپ کے لیے بھی پھر ہمارا یہی جواب ہے۔

اے عارف باللہ! یہاں ترقی وتفوق برآمدے سے مکان اور مکان سے چھت کی طرف ترقی وتفوق کی طرح نہیں اور اسی طرح سیر وسلوک سے مراد بھی جسمانی حرکت نہیں بلکہ یہ ایک ایسا غیر بیانی اور وجدانی معاملہ ہے کہ جو اس گوچے سے نہیں گزرا وہ اس کی لطافتوں سے باخبر ہو ہی نہیں سکتا اور اس کی تعریف میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک حرکتِ کیفی ہے اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف علمی انتقال ہے لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے مگر مرتبۂ ذات کے لحاظ سے تو یہ معرفت اور انکشاف کے ازدیاد اور بطن البطون تک نظر کی رسائی سے عبارت ہے جیسا کہ اس پر کشف گواہ ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات رؤیت اخروی کی طرح ہے کہ جس پر ایمان لانے کے تو ہم پابند ہیں لیکن اس کی کیفیت سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو کیفیتِ رؤیت کے بارے میں صریح ہے اور وصول کے لیے مثلیت کو مستلزم ہے جبکہ یہ دونوں بے کیف ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت سے سروکار نہ رکھنے کی ممانعت سے اصل مقصود کیفیت کا انتفاء ہے' عبارات میں اس قسم کے تسامحات اکثر و بیشتر واقع ہوتے رہتے ہیں' جیسا کہ سیاق وسباق خود اس پر دلالت کر رہا ہے' مشائخ کبار میں سے کسی نے کہا ہے کہ ذاتِ باری مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں' پھر علمِ بیان کے قاعدے کے مطابق بعض اُمور میں مشابہت کی وجہ سے مثلیت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ دو بے کیف اُمور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو مستلزم نہیں' جیسا کہ اس کی تمام صفات میں ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ اسم و رسم سے گزر کر تنزیہ مطلق اور غیبِ صرف کو قبلۂ توجہ بنا لینا چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ توجہ متوجہ اور متوجہ الیہ کے درمیان ایک نسبت ہے' پس لفظ

www.maktabah.org

متوجہ اسم ہے اور ذاتِ متوجہ رسم تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں، تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ ''انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون''۔

اے عارفِ راہ! جب معرفت و ولایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو وہ فنائے کلی اور ذاتِ حقیقی کے ماسوا کو مٹا دینے کے بغیر ہرگز نہیں کھلتے اور اگر یہ چیز نہ ہو تو معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی حقیقتِ کاملہ تک رسائی، جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے

ہیچکس را تا نکردہ اوفنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

کہیں صاحبِ نزہۃ کا یہ قول دھوکے میں نہ ڈال دے

گویند عنانِ خود چہ تابی گم شو کہ چو گم شوی بیابی

ایں نکتہ نمود نا صوابم چوں گم شوم آنگہی چہ یابم

بابندہ اگر کسی دگر خاست از گم شدنم پس او چہ میخواست

یہ تمام فلسفیوں کی موشگافیاں ہیں، جن میں معارف کا شائبہ تک نہیں، اس لیے سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اِن پُر خار وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔

چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اسے (بحث گزشتہ) محققین نے کس مفہوم میں لیا اور اس پر وارد شبہات پر کیسے اعتراضات کئے اور پھر کس طرح مکمل اور مسکت جوابات دیئے، اگرچہ اُن کی گفتگو اتنے سارے تکلفات کے باوجود محتاجِ تاویل ہے تاہم ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، البتہ یہاں پر عارفِ کامل حضرت خواجہ احرار (اللہ ان کی قبر کو منور فرمائے) کی تحریر کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے، جو اس بحث میں نہایت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوگا، آپ نے فرمایا:

سالک کی ذات وصفات کی فناء کے تحقق کے بعد خدا تعالیٰ اسے ترقی دے کر بقاء تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت وہ اسے نور عطا کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے، پس اس وقت ذات کے علاوہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ متوجہ ذات کے لیے تمام اضافات اور اعتبارات کا حذف کرنا لازمی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور آپ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اسم و رسم اور اس کے اعتباراتِ نفس کیونکر حذف نہیں ہوں گے۔

www.maktabah.org

آپ نے فرمایا تھا کہ تنزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ایک ہے' تاہم وہ مقام تو ہے جبکہ حقیقت میں کوئی مقام ہے اور نہ مقیم' اس کے بارے میں عرض ہے کہ شاید یہاں حقیقت سے مراد مرتبۂ ذاتِ بحت ہے ورنہ بصورتِ دیگر اس سے (مقام و مقیم کی) نفی کرنا بے معنی ہے' پس وہ ہمارے لیے لطف و عنایت اور توجہ و مہربانی ہے اور آخرت سے متعلق ہمارے قول کی طرف رجوع و التفات ہے' بلکہ محققین کے قول کی طرف راجع ہے جو یہ ہے کہ کنہ ذات ادراک سے بَری ہے اور اضافات و اعتبارات سے مُعرّا ہے' پس نہ تو اس کی جانب کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؎

دراگندہ دف ایں آوازہ از دوست کزو وبردست دف گویاں بود پوست

''دف نے محبوب کی آواز اپنے اندر ڈال رکھی ہے اور اس پر ہاتھ کے پڑنے سے اس کی کھال بول اٹھتی ہے''

نبی صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لا یخالطه الظنون و لا یصفه الواصفون'' (نہ گمان اس تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ واصف اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں)۔ ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''التفکر فی ذات اللّٰہ جهل و الاشارة الیه شرک و حقیقة المعرفة حیرة'' (خدا کی ذات کے بارے میں سوچ بچار جہالت' اس کی طرف اشارہ کرنا شرک اور اس کی معرت کی حقیقت حیرت ہے)

آفاق روشن و مہ تاباں پدید نیست پر شور عالمی و نمکداں پدید نیست
از مہر تا بذرّہ و از قطرہ تا محیط چوں گوئی در تردّد و چوگاں پدید نیست

''آفاق روشن ہیں مگر مہ تاباں کا کہیں نشان نہیں' اک عالم زخمہائے نمک پاشیدہ سے مُرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے مگر نمکدان کا وجود نہیں' ذرّے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے محیط تک گیند لڑھکتا پھرتا ہے لیکن اس چلانے والے کا کہیں نشان نہیں''

حسین ابن منصور نے کہا ہے کہ 'قبل' اس پر سبقت لے جانے' بعد اسے طے کرنے' من اسے ظاہر کرنے' عن اس کی موافقت کرنے' الیٰ اس سے قریب ہونے' فی اس میں رچ جانے' اِن اس سے مشورہ کرنے' فوق اسے پناہ میں لینے' تحت اسے گھٹانے' حذا اس کا مقابل بننے' عند اس کی مزاحمت کرنے' خلف اسے پانے' امام اسے محدود کرنے' قبل اسے

www.maktabah.org

ظاہر کرنے بعد اس کی نفی کرنے کُل اسے جمع کرنے کانَ اسے موجود کرنے اور لیس اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے قدیم ہونے کو حادث ہونے پر اور عدم کو اس کے وجود پر تقدم حاصل ہے۔ اس کی ذات کسی کیفیت کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی تکلف کو' اکابرین میں سے کلابازی نے کہا: مخلوقات میں سے خدا کی بہت زیادہ معرفت رکھنے والا' اس کے بارے میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے قولِ خداوندی: ''وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ'' کے بارے میں فرمایا کہ ''بحمدہٖ'' میں ہ کی ضمیر کا مرجع شی ہے' کیونکہ کسی کی تسبیح جنابِ قدس کے شایان نہیں ہوسکتی۔ قونوی قدس سرہٗ[1] نے فرمایا: ذاتِ حق کے بارے میں یہ درست نہیں کہ اس پر کسی قسم کا کوئی حکم لگایا جائے یا اسے کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے۔ مولوی نے فرمایا ہے ؎

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام — تو چہ می چفشی بہر اسم اے غلام
ہر چہ گوئیم عشق را شرح و بیاں — چوں بعشق آئیم خجل باشم ازاں

صاحب گلشن راز نے کہا: ؎

بود اندیشہ اندر ذات باطل — محال محض وآں تحصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ بسرہ نے فرمایا: میں حیطۂ شہود میں آنے والے یا خیال ووہم میں سما جانے والے خدا کو ہرگز نہیں پوجتا' میں تو اس لقمے کی طلب میں ہوں جو منہ میں نہ سما سکے۔ جس نے اس حقیقت کو پالیا وہی سمجھ دار ہے۔ بعض اہل تحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہ جب فرعون نے اُن سے ماہیتِ حق کے متعلق سوال کیا کہ ''وما رب العلمین؟'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ''رب السمٰوات والارض وما بینھما'' کہا کہ یہ حکیم کا اسلوب ہے جبکہ اس سے حق کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ ناممکن البیان تھی تو انہوں نے ان نشانیوں کا حوالہ دیا جو اس کی ذات پر گواہ ہیں ؎

جانہا ہمہ آب گشت و دلہا ہمہ خون — تا چیست حقیقت ز پسِ پردہ بروں

---

[1] صدر الدین نام اور کنیت ابو المعالی ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں تو یکتائے زمانہ تھے۔ شیخ سعد الدین حموی اور مولانا روم سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

www.maktabah.org

کیا ہی خوب ہے کہ چیست کہا کیست نہ کہا۔

ہمارے اس قول کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول' کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ شاید یہ میرے قول صعب الحصول سے مراد لیا گیا ہے۔ ہم اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ قول سبحانہٗ وتعالیٰ ''ولا یحیطون بہ علما'' سے مراد لیا گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نبی کے کلام کو بھی کلام قدسی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ ولی کے کلام کو' ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر تو اس بارے میں کوئی حدیث معتبر موجود ہے تو سر آنکھوں پر ورنہ بصورت دیگر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اشیاء کی اصل ان کا جائز ہونا ہے۔ احادیث میں حدیث غیر قدسی کو قدسی کہنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں تو قدسی و غیر قدسی دو قسمیں بنا دی گئی ہیں۔ پس غیر قدسی کو قدسی کہنا اس لیے ناجائز ہے کہ دونوں اقسام میں مشابہت واقع ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے' مگر جہاں اشتباہ کا خطرہ ہی نہ ہو وہاں کوئی حرج نہیں ہے' مزید یہ کہ جب زمین کو ارضِ مقدسہ اور شہر کو بلدہ قدسیہ کہا جا سکتا ہے تو نبی و ولی کے کلام کو تو بطریق اولیٰ کلامِ قدسی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قُدس تو اسمائے خداوندی میں سے ہے تو کیا اس کا اطلاق اس کے علاوہ پر کرنا جائز ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ قدس تو سرے سے خدا کے مخصوص ناموں میں سے ہے ہی نہیں اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اسرائیلیات میں شامل ہو جائے گا' الغرض یہاں پر کوئی وجہ عدم جواز کی موجود نہیں ہے۔

اے عارف باللہ! بلاوجہ بحث وتکرار اور کثرتِ قیل وقال سے وحشت پیدا ہوتی ہے جو نفرت کو دعوت دیتی ہے' طویل سے قلیل بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار اعجاز سے قریب تر ہے۔

خموشی فیض دیگر میدہد دیوانۂ مارا چراغ کشتہ روشن میکند ویرانۂ مارا

''مجھ دیوانے کو خموشی ایک اور طرح کا فیض پہنچاتی ہے اور میرا ویرانہ تو بجھے ہوئے چراغ سے روشن ہوتا ہے''

میں آں جناب سے اوقاتِ مخصوصہ میں نیک دعاؤں کا طلب گار ہوں' جبکہ میرے حال کی تصویر یہ ہے

ما خود دگر دامن مردی نمی رسیم شاید کہ گرد دامن مردی بما رسد

www.maktabah.org

''میں خود تو کسی مرد کامل کے دامن کی گرد کو نہیں پا سکا' شاید اس کے دامن کی گرد خود بخود مجھ تک پہنچ جائے''

میں چاہتا تھا کہ اپنے بعض اشعار آپ کے مطالعے کی نذر کرتا' مگر یہ ارادہ اس لیے ترک کر دیا کہ کہیں آپ اُکتا نہ جائیں' لہٰذا ان چار شعروں پر ہی اکتفا کرتا ہوں:

کجا ہر ذرّہ دارد تابِ حُسن بے حجابش را — کہ باشد چشمۂ خورشید شبنم آفتابش را
نگنجد نشاءِ حیرت دریں خمخانۂ کثرت — ازیں نہ شیشہ بیروں یافتم موج شرابش را
ورخانۂ ما جلوہ گراں رشکِ چمن شد — ہر خار وخس وگلخن ما برگ وسمن شد
عمریست کہ در حلقۂ زُلفِ تو اسیریم — مجنونِ ترا خانہ ز نجیر وطن شد

سُبحان ربّک رب العزة عما یصفون وسلامٌ علی المرسلین والحمد للّٰہِ رَبّ العٰلمین.

محاکمۂ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ

جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمات محاکمے کے طور پر کہے جائیں۔ واللہ اعلم

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کی نظر میں انبیاء علیہم السّلام کا کلام درستگیِ باطن اور بلند مراتب کے حصول پر مشتمل ہوتا ہے جیسے طہارت' خشوع وخضوع اور ان کی اضداد سے ان کا کلام مبرّا ہوتا ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انبیاء علیہم السلام کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور ان کی قدر ومنزلت اس سے کہیں برتر ہے جو وحی کے علاوہ ان سے اشارتاً یا صراحتاً ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ بسا اوقات مقامِ احسان[1] سے فروآ کر عام مؤمنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے تبلیغِ دین کا کام سرانجام دیتے ہیں تاکہ وہ اس مقام میں لوگوں کے لیے نمونہ ثابت ہوں ''وذٰلک تقدیر العزیز العلیم'' اس لیے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف' فناء' بقاء اور توحید وجود وغیرہ پر استدلال کرنا عبارتِ نص'

[1] سلوک میں احسان وہ مرتبہ ہے جہاں سالک آثارِ اسماء وصفات کو دیکھتے ہوئے خود کو خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے' اس کا فروتر درجہ یہ ہے کہ سالک عبادت کے دوران یہ سمجھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

www.maktabah.org

اشارت و ایماء اور اقتضاء کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے ذریعے ان کے قلوب پر مترشح ہوتا ہے۔ اکثر ان کا ذہن ایک چیز سے دوسری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کے بارے میں کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں مناظرہ و استدلال کرنا مخالف کے لیے فائدہ مند نہیں اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجذوب کہ جس کا جذب مکمل ہو کہ جب ذات بحت سے خاص رابطہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر راہِ معرفت کے در وا ہو جاتے ہیں اور ذات بحت کی معرفت کے بارے میں اس کے ذہن میں کچھ آ جاتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تو اسے خواہ وصول وحصول کہیں یا ادراک کا نام دیں بہر صورت کاملین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہی معرفت ہے' اس کے بعد اس میں جو بھی اختلاف ہوگا وہ لفظی ہوگا۔

شیخ عبدالاحد نے کہا کہ ''ہم مطلقاً وصول الی الذات کا انکار نہیں کرتے' الخ'' اور شیخ مجدد قدس سرہٗ العزیز نے شرح الرباعیتین کی شرح میں بھی یہی موقف اختیار کیا' جاننا چاہیے کہ مرتبۂ لاتعین میں اگرچہ شہود تجویز کرتے ہیں جبکہ شہود سے اوپر بھی کئی مراتب ہیں کہ جن میں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ وصول نہیں بلکہ وصول کی دہلیز کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وصول کے مراتب اس سے بلند ہیں' چونکہ ہر کسی کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے بعید نہیں کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کامل سے محبتِ ذاتیہ کبھی الگ نہیں ہوتی اور اس کی حقیت مظہر جیسی ہے کہ حقیقت سے واصل ہوتا ہے اور متبوع سے اس کا تعلق ممنوع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رابطہ متصرف فیہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور جہاں تک قلق' حزن اور اندوہ کا تعلق ہے تو وہ کامل کے مزاج کے تابع ہیں' مگر اس کی اصلیت سے خارج اگر کامل کے مزاج میں قوتِ بہیمیہ زوروں پر ہوگی تو یہی محبتِ ذاتیہ اس کے لیے قلق' عشق اور اندوہ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور اگر قوتِ بہیمیہ اس کے مزاج میں کمزور ہوگی تو خالی اُلفت اور اُنسیت کے رُوپ میں ظاہر ہوگی اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہلِ کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبۂ ذاتیہ تک رسائی کے لیے دو راستے ہیں: پہلا راستہ وہ ہے جو براہِ راست شاہراہِ وجود سے نکل کر آگے بڑھتا ہے اور اسی پر چل کر فی الحقیقت اس مرتبۂ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے۔ یہ راستہ صرف اقطاب ہی کے لیے مخصوص ہے جبکہ دوسرا راستہ متوسط

www.maktabah.org

سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی گزرگاہ ہے' فی الحقیقت یہ راستہ (مرتبۂ ذاتیہ تک) نہیں جاتا اگر صوفیاء میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں' تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ سارا نزاع لفظی ہے۔ مندرجہ بالا اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد کوئی نزاع باقی نہیں رہتا' مگر چند معقول قسم کے مقدمات پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں جو کہ باعثِ نزاع بن سکتے ہیں' مگر انہیں بھی معمولی توجہ کے ساتھ رفع کیا جاسکتا ہے۔ واللہ العلم عنداللہ

ان تمام مباحث کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات کے زمانے میں لکھے گئے۔ چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ان کی ابتدائی ملاقاتوں کی تفصیلات سے متعلق تھا اور جو میں نے چھوڑ دیا ہے' اس بات پر دلیل ہے' جب دوسری ملاقات ہوئی اور دونوں شیوخ ایک دوسرے سے قریب آئے اور ایک دوسرے کے مقامات پر مطلع ہوئے تو معاملہ ہی بدل گیا۔ چنانچہ یہ خط جو کہ شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال کیا' اس بات کا بیّن ثبوت ہے' خط یہ ہے:

آپ کا مکتوب' مکتوبِ رحمانی اور خطاب خطابِ منانی تھا' جس نے آپ کی طلب کی اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پالیا' اس نے آپ کو پالیا اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا اور جو آپ سے غافل ہوا وہ اپنے رب سے بے پروا ہو گیا' ہم آپ کے ہیں اور اس کے جس نے آپ کو دوست جانا' میں نے آپ کو احسان سے قریب اور رؤف کا ندیم پایا' آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت و امارت کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبان بادہ پیما را

''جب تو محبوب کے پہلو میں بیٹھا شرابِ معرفت کے جام لنڈھا رہا ہو تو ایسے میں اپنے ہم پیالہ دوستوں کو بھی یاد کر لینا''

اب کوئی عذر باقی نہ رہا کہ تو تجلی حق کو عشاق کے آئینے میں سمو دے۔

آں روز کہ مہ شدی نمید انستی کانگشت نمائی عالمی خواہی شد

''کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب تو ماہتاب بن جائے گا تو سارا عالم تیری ہی جانب اشارہ

کناں ہوگا''

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحد نے یہ دو شعر تحریر کیے:

یار از آغوش دل مے جوشد و دورم ہنوز صد تجلّی ساقی بزم است و مخمورم ہنوز

''محبوب آغوش دل میں جوش زن ہے مگر میں پھر بھی دُور ہوں۔ ساقی بزم کی سینکڑوں تجلیاں ہیں اور میں ابھی تک مخمور ہوں''

لن ترانی گرچہ یک وادی خرابم کردہ است میکند کاشانہ رنگین آتشِ طورم ہنوز

''اگرچہ لن ترانی نے میری ایک ہی وادی کو ویرانہ بنا دیا ہے مگر میری آتشِ طور اب بھی کاشانۂ عالم کو رنگین کر رہی ہے''

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا جواب یہ تحریر فرمایا:

میرے مخدوم و مشفق! قلب کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک آغوشِ دل بھول نہ جائے اور تخلّی تجلّی کی صورت اختیار نہ کرلے اور نہاں خانۂ دل کا کاشانہ غیرت کی آگ میں جل نہ جائے حجلۂ حقیقت سے دلہنِ بے رنگ اپنا جلوہ نہ دکھائے اور دوری و مخموری کے حجابات درمیان سے اُٹھ نہ جائیں دل پر کام کرنا ابھی باقی ہے۔ **وسقاکم ربکم دھاقاً لا یصدعون بعدھا شقاقا و لا تفترقون فراقا**

برنگیر د جہان عشق د و ئی چہ حدیث ست ایں حدیث توئی

نامۂ شیخ عبدالاحد

شیخ عبدالاحد نے ایک اور مرتبہ یہ خط لکھا:

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور پھر ہم نے اسے پایا۔ اس نے ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا تو ہم نے اندھیروں کو چھوڑ دیا۔ اس نے ہماری طرف اپنے رسول ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تو ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہمارے لیے کتاب مبین بھیجی تو ہم نے اسے تلاوت کیا۔ اس نے ہمیں اپنے جلال و جمال کی تجلی سے نوازا اور اپنے انعامات و وصال سے مُشرّف فرمایا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر قہری تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لیے کوئی پریشانی باقی نہ رہی۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت کا مشاہدہ کرایا تو ہم ایک عرصے تک حیرانی میں پڑ گئے، ہم

www.maktabah.org

نے اُس کی معرفت کی شراب پی تو وہ ہمیں راس آ گئی۔ مکاشفہ کی آنکھوں سے ہم نے اس کا دیدار کیا تو اس نے ہم سے محبت کی۔ ہم نے چشمِ بصیرت سے اس کا مشاہدہ کیا تو ہم اس کے قریب ہو گئے۔ اس نے منزلِ صفات سے ترقی دے کر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کے حسبِ شان ہم سے برتاؤ کیا اور پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ الطاف وعنایات کیں جو کسی اشارے میں آ سکتی ہیں اور نہ ہی کسی عبارت کے ذریعے ان کی تعبیر ہو سکتی ہے:

ومن بعد هذا ما تدق صفاته واكتمه احظى لديه واجمل

اور پیاس باقی ہے یہاں تک کہ پنڈلی پنڈلی سے لپٹ نہ جائے' وعدہ مکمل نہ ہو جائے اور چلنا تھم نہ جائے' اس روز فراق ختم ہو جائے گا اور اسی پر ہمارا یقین ہے' پھر ہم نے کچھ پیش کیا اور کہا: اس تمام پر آپ کو وسیلہ بناتے ہوئے پروردگارِ عالم سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت شیخ نے ان کے جواب میں یہ تحریر ارسال فرمائی:

نامۂ شیخ ابوالرضا

تشنگی کا باقی رہنا تشنہ کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور ہجر کا اثر مہجور کے بدستور باقی رہنے کا ثبوت ہے۔ قیود کی نشانیوں کے باوجود فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے اور تشنگی کا باقی رہنا قائل وجود کے نزدیک وقوف (ترقی کا رک جانا) ہے' پس جیسے معالم قیود پر وقوف میں اطلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح وصالِ محبوب کے ساتھ فراق کا تصوّر کرنا محال ہے' لہٰذا محدث حمیم کے صفات کے باقی رہتے ہوئے محدث قدیم کی صفات کی طرف ترقی کرنا ناممکن ہے' چہ جائیکہ ذات حضرت واجب کی طرف ترقی کرنا' پھر پنڈلیوں کا آپس میں لپٹ جانا اور چلنے وسعی کرنے سے رُک جانا کسی کے لیے موعود ہوتا ہے اور کسی کے لیے موجود۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''کلا'' یعنی حقیقتاً ''اذا بلغت التراقی'' (سورۂ قیمہ' آیت: ۲۷) یعنی جب نفسِ انسانیہ اپنی بلندیوں کی معراج کو پہنچ جائے تو عالم امر میں مشاہدۂ جمالِ الٰہی کے اشتیاق کا یہی نقطۂ عروج ہے اور ''من راق'' کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے باطن سے ندا آئے گی کہ ہے کوئی جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہر جدائی اور الم شوق سے مجھے چھٹکارا دے

www.maktabah.org

لسعت حیة الهوی کبدی فلا طبیب له ولا راقِ

الا الحبیب الذی شغفت به انه رقیتی وتریاقِ

''محبت کی ناگن میرے کلیجے کو ڈس گئی ہے' اب اس کے لیے نہ کوئی طبیب کام آ سکتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا' بلکہ میرے لیے تو میرا محبوب منتر بھی ہے اور تریاق بھی''

اور قولِ خداوندی کے اس حصے ''وظنّ انه الفراق '' کا مفہوم یہ ہے کہ بقا بالحبیب کا پیاسا یہ سمجھے گا کہ جو قلق واضطراب اس پر طاری ہے وہ دراصل محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اس کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے ''والتفت الساق بالساق '' کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے ممکنات کی ساق اور عالم رحمان کی ساق دونوں یکجا ہو جائیں گی یعنی وہ ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کرے گا۔ یہی مقام مشاہدہ ہے اور ''الٰی رَبّک یومئذِ المساق '' کا مفہوم یہ ہے کہ اس روز اسے عالم الٰہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائے گا اور اسے ماءِ زلال پلایا جائے گا جس کے بعد تشنگی وصال باقی رہے گی اور نہ کوئی حد' پس اس مقام پر عین' اثر' مخبر اور خبر کا وجود ختم ہو جائے گا' اسے سعادت سرمدی سے اس طرح نوازا جائے گا کہ ایک مرتبہ دائرۂ انتخاب میں آنے کے بعد اسے حضرت الٰہیہ سے کبھی دُور نہیں کیا جائے گا۔

آسودہ بکامِ خویش از وصل حبیب نہ بیم فراق ست ونہ تشویق فراق

''ایسے میں عاشق وصالِ یار سے اس طرح شادماں وفرحاں ہوتا ہے کہ نہ اسے جُدائی کا غم ہوتا ہے اور نہ تشویقِ فراق''

ایک بار پھر حضرت شیخ نے شاہ عبدالاحد کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

نامۂ شیخ ابوالرضا

یا منی إلی وجهٍ حجی ومعتمری وحج قومٍ الٰی تُربٍ واحجارِ

لبیک لبیک من قربٍ ومن بُعدٍ سِرّاً بسرٍ واجهاراً باجهارِ

''اے کہ تو ہی میرے لیے حج بھی ہے اور زیارت گاہ بھی جبکہ لوگوں کا حج مٹی اور پتھروں سے عبارت ہے' میں حاضر ہوں' دور سے بھی اور قریب سے بھی' پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی''

اس ذات جلّ جلالہٗ کے حسن وجمال کو کیسے لفظوں کا جامہ پہناؤں اور اس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے بارے میں کیا لکھوں' ایک کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے تو

www.maktabah.org

دوسرے کو بے پروائی کا سوز عطا کرتا ہے' آہ! تفاوتِ راہ تو دیکھو کہ ایک ہی لوہے کے دو ٹکڑے جو ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں' ان میں سے ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے تو دوسرا بادشاہ کا چہار آئینہ۔ دوہرہ

بہت ابہا کی کلسری جاک رہی لورائی ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو یہ حکایت لکھی:

حکایتِ محبت ومحنت

محبت نے محنت کو لوحِ محفوظ پر دیکھا تو پوچھا: تُو کون ہے؟ محنت نے جواب دیا: میرا نقش تیرے نقش جیسا ہے اور تیرا نقش میرے نقش کی مانند' صرف ایک نقطے کا فرق ہے' یہاں محبت ومحنت نے باہم پیمان باندھا اور کہا: جہاں تو ہوگی وہاں میں بھی ہوں گی اور جہاں میں ہوں وہاں تُو۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمید انستم

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ بیت حکایت سے متعلق نہیں بلکہ مقامِ محبت میں غلطی یا کوئی نقص رہ جانے پر تنبیہ کے لیے اور وحدت کی طرف ترقی حاصل کرنے کی خاطر لکھا گیا ہے۔

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

معرفت خاصہ اضافت کے ہٹا دینے اور اپنی اَنا کو پے در پے انت کے نورانی شعلوں کے ذریعے جلا دینے کے بعد حاصل ہوتی ہے

طوارق انوار تلوح اذا بدت فتظهر كتمانا وتخبر عن جمع

''نورانی ستارے جب نمودار ہوتے ہیں تو چمکتے ہیں' وہ چھپ چھپ کر ظاہر ہوتے ہیں اور تمام کی خبر دیتے ہیں''

اور معرفت خاص الخاص یہ ہے کہ اضافت کا بنظر احدیت مشاہدہ کیا جائے

فامطر الكاس نارا من ابارقها فاتيت الدور فی ارض من الذهب

وسبح القوم لما ان رأوا عجباً نوراً من الماء فی نار من الغب

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارتاً لکھا کہ حصول حال کے لیے

www.maktabah.org

میں نے جو ہلیلہ استعمال کیا تھا اس نے تا حال کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

میری ناقص رائے میں آپ کا مزاج مبارک صفراوی اور حاریا بس ہے، جو کہ راہِ سلوک پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لیے بہت مفید ہے لیکن بعض رسمی قاعدوں، غلط عقلی تخمینوں اور مخالفِ طبع سودائی دواؤں کا آپ کے مزاج پر غلبہ ہو گیا ہے، جو منزل تک پہنچنے سے باز رکھ رہا ہے۔ حکیم حاذق نہ تھا، اس لیے مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکا، ہلیلہ سیاہ کی بجائے ہلیلہ اصفر دے دیا۔ اس نے صفرا کی حفاظت کی بجائے سودا کو بڑھایا، علاج اُلٹا ہو گیا اور حالِ مزاج بگڑ گیا۔ جو حاذقانِ طریقت اور ماہرانِ حقیقت ہیں، وہ نظری اور عملی حکمت کے ساتھ حارہ یا بسہ شربتیں پلا کر خدا کے فضل و کرم سے مزاج کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کے لیے حجاب نہیں اور وہی باطن ہے، اس کے علاوہ باطن میں کوئی چیز ہی نہیں۔ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی مناجات میں فرمایا: ''اللھم انت الظاھر لاظاھر فوقک وانت الباطن لا باطن دونک'' (اے اللہ! تو ہی وہ ظاہر ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی ظاہر نہیں اور تو ہی وہ باطن ہے کہ تیرے آگے کوئی باطن نہیں)

توھمت قدما ان لیلٰی تبرقعت وان لنا فی البین ما یمنع اللثما
فلاحت فلا واللّٰہ ما ثم مانع سوٰی ان عینی کان من حسنھا اعمٰی

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

''اگر کسی کور چشم کو دن کے وقت سورج دکھائی نہیں دیتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟''

سُرمۂ حقیقت لگانے والے تو سُرمۂ عنایت آنکھ میں لگا کر اندھوں کو بینائی بخش دیتے ہیں، انی ابری الاکمہ والابرص. اور یہ لوگ سُرمۂ عنایت کا نسخہ صرف بزبانِ طیور ہی لکھ کر دیتے ہیں، آگے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، میں یہ لکھ رہا ہوں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے۔ سُرمۂ عنایت دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک ترقیق (باریک کرنا) دوسرے تسحیق (پیسنا)، باریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلمِ اعلیٰ حروفِ عالیات سے ٹکراتا ہے، اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں، ظاہر الوجود اور باطن الوجود، باطن آگے دو راستوں پر چل نکلتا ہے تو امر و

www.maktabah.org

خلق ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اجناسِ متنوعہ سے نواز دیا' ایک کہہ اٹھتا ہے ؎

مادر پیالہ عکس رُخ یار دیدہ ایم مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

''میں نے جام شراب میں رُخ محبوب کا عکس دیکھا ہے' اے مطرب! کہہ دو کہ نظامِ جہان اب میری مرضی کے مطابق ہے''

تحقیق سے مراد یہ ہے کہ ظرف ہائے وجود کو ان کے کناروں میں اور اس کے نچلے حصوں کو اوپر والے حصوں میں اس طرح مٹا کر نیست کر دیتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں سُرمۂ فنائے وجود حاصل ہوتا ہے' اُسے آنکھوں میں لگا دیتے ہیں تو اس سے شہود کی بجلیاں چمک اُٹھتی ہیں اور نہان خانۂ دل نورِ جمال کی تابناکیوں سے روشن ہو جاتا ہے۔ واشرقت الارض بنور ربّھا اور احدیتِ ذات کی سطوت کی تجلی طالب کی ہستی کو عالمِ نیستی کی طرف لے آتی ہے اور کل شی ھالک الّا وجھہٗ کا راز ظہور سے جوڑ دیتی ہے۔ ایسے میں ہر شخص اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور پھر محمد مرزا' مرزا محمد ہو جاتا ہے ؎

جز یکی نیست نقد ایں عالم باز بیں و بعالمش مفروش

گل ایں باغ را تو ئی غنچہ سرا ایں گنج را تو ئی سر پوش

آن شناسد حدیث ایں دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

''اس عالم کا جوہر ایک کے سوا کوئی نہیں' پھر دیکھ لے اور اسے عالم کے ہاتھ مت بیچ' اس چمن کے پھول کا غنچہ تُو ہی ہے اور اس خزانے کے راز کا نگہبان بھی تو ہی ہے' اس دل مست کی کہانی وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ شراب پی ہو''

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد وہ سخت ریاضتیں ہیں جو اہل سلوک باطن کو رذائل سے پاک کرنے اور دل کو طرح طرح کی محبتوں اور دنیا کے نقوش سے خالی کرنے کے لیے تجویز فرماتے ہیں۔ اُن (مرزا محمد) کا یہ قول کہ ''دستِ اسہال حال روئے نداد'' سے یہ مراد ہے کہ ان اعتکافات اور ریاضات کے باوجود رذائل سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا بلکہ خود بینی' غرور اور وسوسوں کی کثرت اُن رذائل کی مزید ممد و معاون ثابت ہوئیں' اُن کے قول صفراوی مزاج کے ذیل میں یہ جاننا چاہیے کہ صفرا کی خاصیت گرمی' خشکی اور تیزی و سرعت ہے لہٰذا عاشق کہ جس کی طلب میں شدت اور سیر میں تیزی ہوتی ہے اور وہ

جری القلب ہوتا ہے اور اس کے اردگرد علائق کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال صفراوی مزاج کی طرح ہے جو شکوک وشبہات قطع علائق میں بزدلی برتے' نفس کی باتوں' وسوسوں اور شیطانی خیالات وخطرات میں مبتلا ہو' اس کی مثال سودائی مزاج کی سی ہے جو اس مفہوم میں صفراوی المزاج ٹھہرا' اس کی فطرت وصول کی قابلیت اور صلاحیت رکھتی ہے جبکہ مذکورہ مفہوم کے مطابق جو شخص سودائی مزاج کا ہوتا ہے وہ وصولِ وحدت سے محروم رہتا ہے' بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں استعداد تو صحیح ہوتی ہے لیکن سودائی مزاج لوگوں کے پاس بیٹھ کر شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور خاص کر اہتمام واعتنائے تام جو کہ انہی شکوک و شبہات کے قبیل میں سے ہیں اور اپنی جگہ کوئی کمال نہیں بلکہ توَرّع ہے' ان کے نفسِ ناطقہ کا ملکہ بن جاتا ہے' یہ روحانی بیماری ہے جو کہ اعضاء میں بھی ہوتی ہے اور وصول سے رکاوٹ کا سبب بنتی ہے۔ ان کا یہ قول کہ بجائے ہلیلہ اسود کے ہلیلہ اصفر دے دیا' کی وضاحت یہ ہے کہ ہلیلہ اسود مسہل اخلاط سودا وبہ ہے اور وسواس جو کہ سواد کا لازمہ ہے' اس کو طبیعت میں بٹھا دیتا ہے اور ہلیلہ اصفر مسہل صفرا ہے' جو گرمی یُبُس اور سُرعت کو دُور کر دیتا ہے' چونکہ سخت ریاضتیں' نشاط کو دُور کر دیتی ہیں' لہٰذا یہ بمنزلہ ہلیلہ اصفر کے ہیں اور انکشاف توحید چونکہ دافع وسواس ہے' اس لیے وہ ہلیلہ اسود کے مشابہ ہے۔ ائمہ سلوک کا طریق نشاط' گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن یہ تمام ذات کی جستجو میں ہوتے ہیں اور شدید ریاضتوں سے نشاط وگرمی دُور ہو جاتی ہے۔

ان کے قول ''حاذقانِ طریقت الخ'' کی توضیح یہ ہے کہ ترتیب سالکین میں صوفیاء کے دو مکتب فکر ہیں: پہلا مکتب متقدمین کا ہے جس کی تفصیلات امام غزالی[1] نے یوں فرمائیں: جب

---

[1] ابو حامد محمد بن حامد غزالی حجۃ الاسلام طوس میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی' پھر نیشاپور آ گئے' یہاں امام الحرمین ابو المعالی سے تکمیل کی طویل عرصہ تک تحقیق و بحث اور مطالعۂ فلسفہ میں مشغول رہنے کے بعد ان پر حقیقت منکشف ہوگئی کہ فلسفہ اور دین ایک دوسرے کی ضد ہیں' آپ نے فلاسفہ کا ان کے دلائل سے خوب رد کیا۔ اسی وجہ سے آپ حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے' پھر آپ تصوّف کی طرف آئے۔ تقریباً ساری اسلامی دنیا کا سفر کیا۔ آپ کا شمار اسلام کی مایہ ناز ہستیوں میں ہوتا ہے' آپ کی تصانیف میں سے احیاء علوم الدین' کیمیائے سعادت اور تہافۃ الفلاسفۃ عالمگیر شہرت کی حامل ہیں۔ آپ نے ۵۰۵ھ میں طوس میں انتقال فرمایا۔

www.maktabah.org

کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کرلے تو اسے خلوت میں بیٹھنے، لوگوں سے کم آمیزی اور تمام حالات میں مخالفت نفس کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ خود کو اس طرح بنا ڈالو کہ کوئی مارے یا گالی گلوچ کرے تو تمہارا نفس سر نہ اٹھائے۔ لوگوں کی طرف سے تعریف اور بُرائی دونوں کو یکساں تصوّر کرے۔ نوافل اعمال کی کثرت کرے۔ ریا، غرور اور دکھلاوے کے نقصانات کو اچھی طرح سمجھ لے اور ان میں غور وخوض کرے، طعام میں کمال احتیاط برتے اور جہاں اسے معمولی سا شبہ بھی گزرے اسے ترک کردے اور قیام وقعود، کھانے پینے غرض تمام حالات میں آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اِن تمام امور میں نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی طرح روحانی علاج ضرور اختیار کرے۔ جب ان تمام سے پاک ہوجائے تو محبت الٰہیہ کا راستہ اُسے دکھا دیا جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام غزالی کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں موجود ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا مکتب فکر نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سلسلوں سے متعلق ان متاخرین کا ہے، جن کے فیض سے کئی دور فیض یاب ہوتے رہے ہیں، مختصر لفظوں میں اس مکتب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کرلے تو اسے افکار واذکار جو کہ حضور شوق وعشق میں اضافے، توحید، نفی ماسوا، خلق سے قطع تعلق اور طرح طرح کے دیگر علائق سے کنارہ کشی کا سبب بنتے ہیں کے اپنانے کی ہدایت فرماتے ہیں اور فرائض وسننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد طالب کو ان اذکار کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول کرتے ہیں اور یہ مشغولیت نہ تو تجلیہ[1] و نوافل کی ہوتی ہے اور نہ کتب احادیث کی ہدایت سے بڑھ کر طعام محتاط اور نہ آدابِ معاش وغیرہ کی محافظت کی مشغولیت ہوتی ہے۔

جب سالک بفضلِ خدا گرمیِ شوق اور محبت ماسوا کی نفی کی دولت حاصل کرلیتا ہے تو تمام عیوب خود بخود دُھل جاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا نے بھی اپنے رسالے قدسیہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو حار ویابس شربتیں ہیں، ان سے مراد یہی اذکار ہیں اور حکمتِ نظری شیخ کی نگاہِ التفات ہے جبکہ حکمتِ عملی سے مراد ذکر میں سعی وکاوش ہے۔ ہم یہ

[1] تجلیہ: روح کو کدوراتِ جسدیہ سے جو قالب عنصری کی مجاورت سے عارض ہوگئی ہوں، منزہ کرنا اور اسے چمکانا اور جلا دینا تجلیہ کہلاتا ہے۔

www.maktabah.org

کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشافِ توحید ہے اور حکمتِ عملی دوامِ حضور! ان کے قول ترقیق وتحقیق الخ کی تشریح یہ ہے کہ کحل عنایت سے مراد شہود وحدت و کثرت اور وحدت میں شہودِ کثرت ہے۔ یہ معنیٰ دو طرح سے حاصل ہوسکتا ہے۔ ایک تو مبادی کے صور کثرت میں ظاہر ہونے کی معرفت کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور اس کا نام ترقیق اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ نفسِ امارہ کو پیسنے اور کثرت میں موجود ظہور کے لوازمات کی قوت کے ختم ہو جانے کی قوت کا پتہ دیتا ہے' دوسرے یہ معنیٰ وحدت میں کثرت کے آ جانے کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسے تحقیق کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ تحصیل اجزاء صرف وجود کے لیے مغائرت ماہیت کے ملاحظۂ ماہیۃ الماہیات میں تمام ماہیات کے مندرج ہونے اور وجود الوجودات میں وجودات کے مٹ جانے کی خبر دیتا ہے' واللہ اعلم۔ ان کے اس قول کہ ''ہر کسی از مرزائی خود آ گاہی یابد'' کی تشریح یہ ہے کہ ہر شخص حضرتِ وجود کی حقیقت کی معرفت حاصل کرے' ان کے قول کہ ''مرزا محمد گردد'' سے مراد یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام میں جاری وساری ہے۔

واللہ اعلم

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا ؎

مردم دیدہ تیمم کردہ از خاک درت گرچہ در خانہ خود آب روانی دارد

''مردانِ دیدہ ور نے تیرے در کی خاک سے تیمم کو ترجیح دی' حالانکہ ان کے اپنے گھر میں آب رواں موجود تھا''

مکتوب شیخ ابوالرضا

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوم من! تیمم طہارت مجازی ہے' جبکہ مردانِ دیدہ ور تو طہارتِ حقیقی کے طالب ہوتے ہیں اور درگاہ اہلِ حقیقت تو خاک مجاز سے پاک ہوتی ہے گویا مردانِ دیدہ ور نہیں' مردانِ کور دیدہ ہیں' جن کے گھر میں پانی تو موجود نہ تھا اور سراب کو پانی سمجھ بیٹھے۔ اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا ؎

مردم دیدہ آب بید کرد خانۂ خود خراب باید کرد

''طالبانِ وصال کو اس کی طلب میں آنکھیں پانی اور اپنا گھر برباد کر دینا چاہیے''

www.maktabah.org

تا کہ احدیتِ ذات کا آفتاب اپنے سراپردۂ عزت سے جلوہ گر ہو اور جملہ اشیاء اس کے سامنے لاشئی بن جائیں تو راز ''لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القھار'' آشکارا ہو۔

آں سر کہ از گوش شنیدیم زخلقی ازعلم بعین آمد واز گوش بآغوش

''وہ راز کہ جسے میں نے لوگوں سے سُنا وہ علم کے ذریعے چشم اور کان کے راستے آغوش میں در آیا''

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں یہ اقتباس سوء ادب تھا کیونکہ مردم دیدہ سے مراد روشنی چشم سالک ہے اور مردم دیدہ است یا نادیدہ است سے اُن کی مراد یہ ہے کہ کسی انسانِ کامل کو پہچان کر اس کے کمال کے معتقد ہوئے کہ نہیں' لیکن جو مردان دیدہ ور ہوتے ہیں وہ تو درگاہِ رب العزت کو حقیقت محض سمجھتے ہوئے شہودِ کامل کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں' لہٰذا یہ سمجھنا کہ انہوں نے تیمّم کیا' یہ بات اُن کے بارے میں کہی بھی نہیں جا سکتی کیونکہ تیمّم طہارت مجازی ہے اور اگر مردِ کور دیدہ ہے یعنی اس نے کامل معرفت صرف ظاہری احوال ہی معلوم کیے تو بدستور حجاب اور اشتباہ میں مبتلا ہے' اگر پانی کو دیکھا ہوتا یعنی انسان کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور روشنی دیکھی ہوتی اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا' اگرچہ شاعر نے تواضع کی انتہائی صورت یعنی آنکھوں کو خاکِ در پر رکھ دینے کو اس طرح کا جامۂ رنگین پہنایا ہے تاہم ظاہراً اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کمالاتِ طریقت کو اپنے آباؤ واجداد سے حاصل کرنے کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ جناب شیخ سے بعض فوائد کا استفادہ کر لوں۔ پس یہاں پر خود بینی مکمل فائدے کے حاصل کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ اس مفہوم کا قرینہ حضرت شیخ کے مکتوب کے آخر میں موجود ہے۔ دوہرہ:

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ دریں کرا پنوں ہو سو واہی موں مکھ دیکھ

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ محمد مرزا کے نام یہ والا نامہ صادر فرمایا:

راز ہائے درون کو طشت از بام کرنے کی تڑپ نے خزانوں کے بند دروازے کھول دیئے اور خزانوں کو سارے عالم میں لٹا دیا۔ صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایت محوِ خرام ہوگئی' عاشق سراب آبِ حیات کی لہروں میں کھو گیا' کمر شوق باندھ کر شاہراہِ طلب پر قدم

www.maktabah.org

صدق دھرا۔ پہلی بار اس کی چشمِ بصیرت وا ہوئی تو اس کی نگاہیں اچانک جمالِ محبوب پر پڑیں تو خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا ؎

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز — کہ حقیقت کند بر نگ مجاز

تا بدام آورد دلِ محمود — بطراز دبشانہ زلف ایاز

''عشق وہ رنگ آمیز مشاطہ ہے جو حقیقت پر مجاز کا رنگ چڑھا دیتی ہے' اور ایاز کی زلفوں کو اس طرح سنوارتی ہے جو دلِ محمود کو لوٹ لیں''

مکتوب دیگر

حضرت شیخ نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کے نام حقیقت جامعہ کی زبان میں تحریر فرمایا:

ہوالحی القیوم!

اے میرے مرزا! اور میرے جلال تو میری وحدانیت کی طلب میں ہے جبکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کر رہا ہے' یہ تو سراسر شرک جلی ہے خفی بھی نہیں' کیا تو میرے غلبے اور قوت سے نہیں ڈرتا اور میری فردانیت سے تجھے حیاء نہیں آتی؟ اے مرحوم! تو موہوم ہے اور میں معلوم' میں نور ہوں تو ظہور' میں حق اور حقیقت ہوں تو مجاز اور طریقت۔ اگر تو یہ چاہے کہ تو تعظیم کرنے والا مطلقاً اس کی ذات کی عبادت کرنے والا بنے تو موہوم کو اُٹھا رکھ اور معلوم کو قائم کر اور اپنے قلبِ سلیم اور سرِّ قدیم کے ساتھ پکار کہ کسی عیب و ریب کے بغیر ہر زمان و مکان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں اور میں نہیں صرف وہ ہے' جب دوئی اُٹھ گئی تو تم نے عین کو پالیا۔ اگر تو نے اس میں شک کو راہ دی تو تُو مریض ہے۔ اگر تو نے تردّد کیا تو تُو معزول ہے اگر تُو نے اپنے ایمان و ایقان کے ساتھ قبول کر لیا تو منظورِ نظر گردانا جائے گا' پس تو شک کرنے والوں اور ردّ کیے گئے لوگوں میں سے نہ بن۔ میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیش نظر جواب دے دیا۔ لیکن تم میری عظمت سے غافل مت ہونا اور تجھ پر یہ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے القا کیا اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرنا کیونکہ جو راندۂ درگاہ ہو وہ خالی اور کھوکھلا ہوتا ہے اور جس پر رحمت کی گئی ہو وہ واصل ہوتا ہے' اگر تو نے میری بات کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہے۔

www.maktabah.org

ایک اور خط میں حضرت شیخ نے لکھا:

اُس خدائے کردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں جو واحد اور احد ہے' مجھ سے حق اور شہنشاہِ مطلق نے فرمایا: اے میرے فرد! اور میری رضا! مجھے اپنی قوت و غلبے اور حُسن و جمال کی قسم کہ میں احد ہوں' مجھ سے وراء کچھ بھی نہیں اور میں ہی وہ ہوں جو پردۂ خلق میں مخفی ہے' میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے ہی اندر اپنے شیون اور صفات ظاہر کیے اور مخلوقات کو پیدا کیا' میں ہی حق اور حقیقت ہوں' میں ہی ہر چیز کے لیے ذات اور ہر ذی روح کی حیات ہوں' خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر' جو میرے ساتھ بقاء چاہتا ہے وہ میری جلا[1] کا طالب بنے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے نہ کہ ذکر جبروتی وملکوتی کے ساتھ **وھو لا ھو اِلّا ھو**' جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر رحمت وسلامتی ہو۔

ایک اور مرتبہ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا:

وہ بے کیف ہے اور تمام کیف اس کی بے کیفی سے ظہور میں آئے ہیں' وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور اِن بلند مرتبوں کی نہایت مزاحمت اغیار کے باوجود اسرار و بواطن میں رہتے ہوئے رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت ہے' چونکہ کثرت کو ذاتِ مقدس میں کوئی راہ نہیں' اس لیے حضرت احدیت تک رسائی پانا احدیتِ طریق کے بغیر ممکن ہے اور احدیت طریق سے مراد کثرتِ اعیانیہ کا وحدت صراطِ مستقیم میں ختم کر دینا ہے اور یہی انبیاء و رسل اور کامل اولیاء کا راستہ ہے اور نماز پڑھنے والے بھی اپنی نماز کی ابتداء میں **اھدنا الصراط المستقیم** سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سیّد الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں: توحید ایک ایسا معنیٰ ہے کہ جس میں رسوم کمزور پڑ جاتے ہیں اور علوم اس میں ضم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ازل میں تھا اور بندہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے قبل تھا

دیدہ ور شو بحسنِ لم یزلی — کو ز غیرت بسوز معتزلی
چہرۂ آفتاب خود فاش است — بے نصیبی نصیبِ خفاش است

[1] ذات میں ذات کے لیے ذات کے ظہور کو جلا کہتے ہیں۔

www.maktabah.org

''حسنِ ابدی کے دیدہ ور بنو اور چشمِ غیرت کو جلا دو' آفتاب کا چہرہ تو خود بے نقاب ہے مگر کیا کیا جائے چمگادڑ کی قسمت ہی میں بے نصیبی رقم ہے''

حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ جو اُن کے خاص دوستوں میں سے تھے' کے نام حسب ذیل مکتوب صادر فرمایا:

یہ سمجھ لیجئے کہ آپ دریائے نور کا ایک بُلبلہ ہیں جو جب پھٹتا ہے اور اس سے تو دیکھتا ہے تو خود کو اسی نور کا دریا پاتا ہے اور اسی تصوّر کو گویا تو دل کی توجہ اور قصد کے ساتھ اپنے اُوپر لاگو کرتا ہے' چونکہ قصد و توجہ حالاتِ قلبی کو باقی رکھنے میں کافی مؤثر ثابت ہوتے ہیں' لہٰذا جب قصد ٹوٹ جاتا ہے اور غیر کا خطرہ راہ پالیتا ہے تو فوراً اس خیال کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے کہ **تعرف الاشیاء باضدادھا** اور اس نور میں اسم ذات اسم متکلم کے ساتھ صبح و شام مسلسل و متواتر تنہا و تاریک مقام میں اس حیثیت سے موجود رہتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ اور دُوسری تمام چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے اور اس کے دل کے باب کھل جاتے ہیں تو وہ تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو عالمِ بیداری میں دیکھتا ہے اور ان سے عظیم فوائد کا استفادہ کرتا ہے' یہ فضلِ خداوندی ہے' وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

چشمِ دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید عینِ دریا گشت چوں بیدار شد چشمِ حَبَاب

''جب دل کی آنکھ کھلی تو محبوب کو اپنے اندر موجود پایا اور بُلبلہ جب پھٹا تو عین دریا ہو گیا''

ایک بار شیخ عبدالحفیظ نے حدیثِ قدسی ''قف یا محمّد فان اللّٰہ یصلّی'' جو کہ قصۂ معراج میں موجود ہے کے بارے میں استفسار کیا' حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

میری ناقص رائے میں یہی آتا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیمرغ نے عالمِ خلق و امر[1] کی فضاء میں پرواز کی تو عالمِ کون و امکان کی آخری سرحد پر جا پہنچا اُسے حضرت الٰہی کے عالم کی دل لبھا دینے والی فضا دکھائی دی۔ اپنے عزم کی پوری بلندی اور قوت سے اس نے اس فضاء میں پرواز کرنا چاہی کہ اسی لمحے خطابِ الٰہی ان کے کانوں میں گونجا ''قف یا محمد''

[1] عالمِ خلق وہ عالم جو مادہ سے پیدا کیا گیا ہے اور عالمِ امر وہ عالم جو لامدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا ہے۔

www.maktabah.org

یعنی اے محمد ﷺ! عالم امر کے اس آخری نقطے پر ٹھہر جایئے' یہ مقامِ عبودیت ہے جس میں مشاہدۂ رب ہوتا ہے: فان اللّٰہ یصلّی یعنی وہ تیرے ذریعے دونوں جہانوں کو نبوت و رسالت کی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ رسولِ خدا اس برزخ میں ٹھہریں تاکہ بارگاہِ الٰہیہ سے معارف واحکام کا استفاضہ کر کے عالمِ خلق وامر پر مطلع ہوں' تو نے میری چاہت کی جو پاس داری کی وہ تیری اپنی مراد کی پاس داری سے کہیں بڑھ کر میری رحمت کو تیری طرف متوجہ کرتی ہے ۔

اُرید وصاله ویرید هجری فاترک ما ارید لما یرید

''میں اس کے وصل کا طلب گار ہوں اور وہ میری جدائی پر آمادہ' اس لیے میں اس کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں''

فانی فی الوصول عبیدة نفسی وفی الهجرانِ مولی للموالی

''میں وصال میں اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہوں جبکہ ہجر میں سرداروں کا سردار''

حضرت رسالت مآب ﷺ کے بلند مرتبے اور علوِّ شان کے پیشِ نظر موزوں ترین بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ اس برزخ میں عالم الٰہی کی فضاء میں پرواز کرنے کے بعد واپس آئے تو اُن سے مذکورہ خطاب کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے کئی اور دُور از کار معانی بھی بعض متاخر صوفیاء کے مقلدین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق بیان کیے ہیں۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب وہ شہباز بلند پرواز کثرتِ اسماء وصفات کی فضاء کو طے کر گیا تو مقصورۂ برزخیہ کُبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقت محمدیہ کے نام سے موسوم ہے' پر دم لیا' اس کے بعد اس نے چاہا کہ آگے بڑھ کر حقیقتِ ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے تو اس سے خطاب کیا گیا کہ اے محمد ﷺ! اس برزخیت کبریٰ میں ٹھہر جایئے' جو عارفین کے مقامات کی انتہاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے یعنی وہ اس مرتبہ بلند اور قربتوں کی انتہائی منزلوں میں اپنے کامل بندوں پر رحمت فرما رہا ہے یا ٹھہر جانے کا حکم دے کر ان پر رحمت بھیجتا ہے کیونکہ اس مقام سے ماوراء جانے کا شوق محض تضییع اوقات ہے اور یہ آگے جانے کی طلب ایک ایسی شی کی طلب ہے جس کا حصول ناممکن ہے یا فان اللّٰہ یصلی کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی عبادت کر رہا ہے یعنی اپنے کمالاتِ ذاتیہ کی ثناء کر رہا ہے اور اُن کی طرف متوجہ اور

کائنات سے بے نیاز ہے' اس کے حریمِ ذات اور عزت وجلال کی جانب سعی کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں

تعالیٰ العشق عن ھمم الرجال ومن وصف التفرق والوصال

متی ما جل شیٔ عن خیال یحل عن الاحاطۃ والمثال

''عشق لوگوں کے ارادوں سے بالا ہے اور ہجر ووصال سے بھی مبرا' جب کوئی چیز خیال میں نہ آ سکے تو وہ احاطہ ومثال سے بھی آزاد ہوتی ہے''

ایک اور مرتبہ شیخ عبدالحفیظ نے محققین کے قول ''شرط الولی ان یکون محفوظاً'' اور حضرت جنید قدس سرہٗ سے جو سوال کیا گیا کہ کیا عارف سے زنا سرزد ہوسکتا ہے؟ تو انہوں نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا: ''وکان امر اللّٰہ قدراً مقدوراً'' میں موافقت و مطابقت کے متعلق استفسار کیا تو حضرت شیخ نے یہ جواب لکھا:

دونوں اقوال صحیح ہیں اور معتبر اکابرین کا ان پر اتفاق ہے' دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ ولایت کی تین قسمیں ہوتی ہیں: ولایتِ ایمانی' ولایتِ عرفانی اور ولایتِ احسانی۔ ولی ولایت ایمانی وعرفانی کے ساتھ گناہِ کبیرہ کے عمداً ارتکاب سے بھی نہیں بچ سکتا چہ جائیکہ گناہِ صغیرہ سے۔ مگر ولی ولایت احسانی کے ساتھ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے مطلقاً اور گناہِ صغیرہ کے عمداً ارتکاب سے محفوظ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کے ایک خط سے اقتباس یہ ہے:

بنائے طریقۂ رضائیہ

طریقۂ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد دس کلمات پر ہے:

(۱) تنزیہہ المقصود (۲) تفرید الہمۃ

(۳) تجرید التوحید (۴) مطالعہ جمال فی الانفس والآفاق

(۵) فنا فی اللاہوت (۶) بقا بالہاہوت

(۷) ذکر بالاجتماع (۸) الجمع بین الجہر والاخفاء

(۹) الحد مع الاصفیا (۱۰) حضور رسالت پناہ ﷺ پر درود وسلام در ابتداء وانتہاء

www.maktabah.org

آپ کے بعض خود نوشت مسوّدات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے: با مقدر عام سے متعلق ہے جو کہ وجود ہے اور اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے جو کہ موجود بنفسہٖ جامع صفاتِ کمال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ الرحمن الرحیم دونوں تفضّل و احسان کے معنیٰ میں اس کی رحمت کے اسماء ہیں' پہلا نام اس فیضِ مقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعے وہ صور عظیمہ اپنی استعدادات کے مطابق حاصل ہوتی ہیں' جنہیں حقائق و ماہیات کا نام دیا گیا ہے اور دُوسرا نام یعنی الرحیم اس فیضان مقدس کے لحاظ سے ہے' جس کی وساطت سے وہ ماہیت مذکورہ اپنے لوازم و توابع کے ساتھ خارج میں حاصل ہوتی ہیں' اس طرح اس کا معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ پہلے علمی طور پر حقیقتوں اور ماہیتوں کا بخشنے والا اور فیاض ہے اور اس کے بعد خارج میں ان تمام حقیقتوں اور ماہیتوں کو وجود بخشنے والا فیاض ہے' لہٰذا رحمان و رحیم دونوں اسم ذات کی صفات ہیں' یا اس کا بدل واقع ہوئی ہیں یا دونوں اس کا بیان ہیں' یا رحمٰن و رحیم دونوں صفات اس مقدر کی خبر ہیں' جو اس کی طرف لوٹتا ہے یا دونوں مفعول ہیں' اور اس کا بیان ہیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود ذات واجب کے ظہور کے سبب حضرت غیب و شہادت میں ہے۔

تفسیر فاتحہ

سورۂ فاتحہ کی تفسیر آپ نے اس طرح بیان فرمائی:

حامدیت و محمودیت اللہ سے مختص ہے اور یہ:

(۱) یا تو مرتبہ جمع علی الجمع کی حیثیت سے ہے' جہاں اس مرتبہ غیب و معانی میں پہلی اور دُوسری تجلی کے ساتھ اس نے خود اپنے کمالاتِ ذات کو اپنی ہی ذات پر ظاہر کیا اور اسی طرح اوّلاً اس نے اس چیز کا بھی اظہار کیا کہ جس پر شیونات اور اعتبارات میں سے وہ دونوں مشتمل ہیں اور حقائق الٰہیہ کو نیہ۔

(۲) ثانیاً اور یا یہ مرتبہ جمع علی الفرق کی بناء پر ہے کیونکہ اس ذاتِ پاک نے اپنے فیض اور افاضۂ نور وجود کے ساتھ حقائق پر ان کے استعدادات موجودہ اور خارج میں اپنے کمالات تابعہ کو ظاہر کر دیا۔

(۳) یا یہ مرتبہ فرق علی الجمع کی بناء پر ہے کیونکہ موجودات روحانی و مثالی اور حسّی اس کے

کمالات ذات وصفات وافعال کو تمام زبانوں میں قولاً فعلاً اور حالاً ظاہر کرتے ہیں۔

(۴) یا مرتبۂ فرق علی الفرق کی بناء پر کیونکہ چاہے مظاہر خلقیہ اور مجالی الکونیہ اپنے کمالات کو اقوال وافعال اور احوال کی زبان میں بھی ظاہر کریں، پھر بھی وہ حقیقتاً ذات سبحانہٗ کی ایسی تعریف ہیچ جو خود اس نے اپنی ذات کے لیے کی ہے۔ نیز آپ کے مسودات میں یہ بھی دیکھا گیا۔

جمال ہانسوی کا قول ہے: ''تاھت عقول الاغیار فی احوال الاخیار ''اغیار کی عقلیں اخیار کے احوال میں بھٹک گئیں۔

اس کے متعلق فقیر کا کہنا یہ ہے کہ ''تاھت عقول الابرار فی اسرار الاخیار وتاھت عقول الاخیار فی اسرار الاحرار ''(ابرار کی عقلیں اخیار کے رموز میں حیران رہ گئیں اور اخیار کی عقلیں احرار کے رموز میں بھٹک گئیں)

ایک دُوسرے مقام پر آپ کی یہ تحریر ملی:

وجود تیرے اِس وجدان سے عبارت ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے جملہ اسماء وصفات کے ساتھ تیری ذات میں جلوہ گر ہے یہاں تک کہ تو خود باقی نہ رہے اور صرف ذاتِ حق ہی لازوال صورت میں باقی رہ جاتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے لکھا:

فقر کے نزدیک توحید تفریدِ لطیفہ ہے غرور نسب اور دیگر اضافات سے تفرید توحید نہیں۔

ایک اور بحث میں آپ نے تحریر فرمایا:

محققین نے کہا ہے کہ عجز آخری منازل پر پہنچنے والوں کی انتہاء اور غایات کی طرف ترقی پانے کا راستہ ہے، اس لیے اس عجز سے وراء نہ کسی کامل کا گزر ہوسکتا ہے اور نہ کسی کمال حاصل کرنے والے کے لیے جائے ترقی ہے یہاں عجز سے مراد وہ عجز نہیں جو مبتدیوں کے اذہان میں موجود ہے بلکہ یہ عجز تو حضرت الحضرات کے مرتبہ میں حصولِ ادراک ازلی کے بعد غایتِ کمال سے عبارت ہے اور یہی مقامِ او ادنٰی ہے مگر اس ادراک ازلی کا درک پانے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں، کیونکہ اس ادراک ازلی کا درک پانے سے عاجز ہونا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''العجز عن درک الادراک اِدراک''

www.maktabah.org

اور ادراک کا درک پانے سے عاجز آنا ہی ادراک ہے۔

مزید تحریر فرمایا کہ کمالِ مطلق ولی کا وہ مقام ہے، جس میں کامل کو حقائق اشیاء پورے طور پر بتادی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں اُسے بیک وقت ربوبیت وعبودیت کے جملہ صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے۔

آپ نے مزید لکھا:

غنا لوازم بشریہ کے فقدان کا نام ہے اور یہ فقدان یا تو ان لوازم سے ذہول برتنے کی بناء پر ہوتا ہے یا ان کے منعدم ہونے کے علم کی بناء پر اور یا حقیقی حال طاری ہونے کے سبب ہوتا ہے۔

فناء کے نو (۹) مراتب ہیں:

(۱) پہلا مرتبہ ذہول ہے یہ اہلِ حجاب کا ذکر میں مستغرق رہتے ہوئے اپنی ذات کے عدمِ شعور سے عبارت ہے یا یہ اہلِ کشف پر انوارِ جمالِ محبوبِ حقیقی کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ ذہاب ہے، اس سے مراد بندے کا افعال حق کو مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے افعال کو فانی سمجھنا ہے، جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اور کبھی ذہاب کا اطلاق ترقی پر بھی ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ سلب ہے اور یہ صفات خلق کو صفاتِ حق کے ظہور ہونے کے نتیجے میں فنا کر دینے کا نام ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ اصطلام ہے، یہ وجود ذاتِ حق کے لیے بندے کا اپنے آپ کو فانی کر دینے کا نام ہے۔

(۵) پانچواں مرتبہ انعدام ہے، یہ بندے کا اپنے فنا ہونے کے شعور سے بھی بے خبر ہونے کا نام ہے۔

(۶) چھٹا مرتبہ محق ہے، یہ نفس عبد سے عجب کے زائل ہو جانے اور صفاتِ الٰہیہ کو اس طرح بے چون وچرا اپنے اندر جذب کر لینے کا نام ہے، جیسے وہ اپنی صفات کو قبول کرتا ہے اور یہ تحقق باللہ کے مقامات میں سے پہلا مقام ہے۔

www.maktabah.org

(۷) ساتواں مرتبہ محق ہے' یہ بندے کی جسمانیت اور روحانیت سے حد اور احاطے کا زائل ہو جانا ہے۔

(۸) آٹھواں مرتبہ طمس ہے' اس میں بندے کی طبیعت' عادت اور ظاہر و باطن سے تمام لوازماتِ بشری اٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ اسے سخت بھوک ستاتی ہے اور نہ ہمیشہ جاگتے رہنا اسے تکلیف دیتا ہے۔

(۹) نواں مرتبہ محو ہے' یہ تمام آثارِ طبیعت کے زوال اور ظہور آثار حقیقت کے کمال کا نام ہے۔

پس پہلے پانچ مراتب اہل فنا سے مخصوص ہیں اور چار آخری مراتب اہلِ بقا کے حصے میں آتے ہیں اور بقاصفتِ الٰہیہ ہے جس سے بندے کو اس وقت متصف کیا جاتا ہے جب وہ خود کو فنا کر دیتا ہے۔

فرائض ولایت کُبریٰ

حضرت شیخ نے رسالہ اصول الولایۃ میں آیۂ کریمہ ''یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ولایتِ کُبریٰ کے فرائض چھ ہیں' چار مذکورہ بالا آیت میں ترتیب وار موجود ہیں:

(۱) پہلا صدقِ دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا۔

(۲) دوسرا تقویٰ یعنی مامورات پر عمل کیا جائے اور محظورات سے اجتناب کیا جائے۔

(۳) تیسرا شیخ طریقت کی طلب کہ وسیلہ اسی سے عبارت اور وصالِ محبوب کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔

(۴) چوتھا انانیت کو فنا کرنے اور نبوت کے اثبات کا جہاد ہے' خود سے آزادی کو دُور کر کے شہود دوست کی بقاء کا گرفتار ہو جا کیونکہ فنا اسی سے عبارت ہے اور ولایت کُبریٰ یہی ہے۔

تربیّت سالک

اسی رسالے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جب مرید صادق خلوت میں داخل ہو تو پوری طرح اپنی دنیا سے باہر نکل آئے' غسلِ کامل کرے' نماز پڑھنے کی جگہ اور کپڑے پاک ہوں تا کہ عبادت حق کے شایان ثابت ہو' قبلہ

www.maktabah.org

رو ہو کر دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے ادا کرے' اپنی نجات حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں سمجھے' نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ خلوت گاہ میں بیٹھے' صلوٰۃ پنجگانہ اور نمازِ جمعہ میں تکبیر اولیٰ کو فوت نہ ہونے دے' سلام پھیرنے کے بعد فوراً خلوت گاہ کی طرف چلے اور ساتھ والوں سے بچ بچ کر گزرے' دائیں بائیں نہ دیکھے' لوگوں کی نظروں سے بچ کر رہے' لذتِ نفس سے گریز کرے اور غفلت کو قریب نہ پھٹکنے دے' جو خلوت اس انداز کی نہیں ہوگی وہ کسی کام کی نہیں' ہر وقت ذکر' مراقبہ' پاکیزگی اور انکسار کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے' خود کو نوافل' تلاوت اور درود و استغفار میں مشغول رکھے' تاکہ کسی سُستی و کاہلی کے لیے گنجائش باقی نہ رہے۔ اگر طبیعت ملول ہو تو وضو تازہ کرے' اگر غنودگی کا غلبہ ہو تو سو جائے تاکہ فضول باتوں سے بچ جائے اور بُرائی کے راستے سے محفوظ رہے' دن اور رات کا تیسرا حصہ آرام کرے تاکہ نفس اضطراب کا شکار نہ ہو۔ یعنی چھ ساعت رات اور دو ساعت دن کے وقت آرام کرے۔ روز و شب کے گھٹنے بڑھنے کی نسبت رات و دن کے مقررہ آرام کو گھٹاتا بڑھاتا رہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مکمل طہارت کے ساتھ مصلّے پر قبلہ رُو ہو کر ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے ہوئے نماز مغرب کا انتظار کرے اور اوقاتِ مغرب و عشاء کو اس طرح باہم ملا دے کہ درمیانی مدت ذکر' مراقبہ اور نوافل میں بسر ہو۔ یہ عمل قلب کو روشن کرنے میں خاصا مؤثر ہے۔ جب صبح طلوع ہو تو یہ چار دعائیں پڑھے تاکہ دنیا میں محو ہو جانے اور شیطان اور نفس کے شر سے امان میں رہے۔

پہلی دعا: اللھم یا رب انت الہ عالم وانا عبد جاھل اسألک ان ترزقنی علماً نافعاً حتّٰی اعبد بعلملک والاھکت.

دوسری دعا: یا رب انت الہ غنیّ وانا عبد فقیر اسألک ان تحفظنی حتّٰی لا اسئل من سواک کفاف الدنیا والاھلکت.

تیسری دعا: یا ربّ انت الہّ قوی وانا عبد ضعیف اسألک ان تعین حتّٰی اغلب الشیطان بقوتک والاھلکت.

چوتھی دعا: یا رب انت الہ قادر وانا عبد عاجز اسالک ان تجعلنی قاھراً علی نفسی حتّٰی اقھرھا بقدرتک والاھلکت.

www.maktabah.org

اس کے بعد دو رکعت سنتِ فجر گھر ہی میں ادا کرے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: جو شخص فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس (۴۱) بار ''یا حیّی یا قیوم یا حنّان یا منّان یا بدیع السّمٰوات والارض یا ذالجلال والاکرام لا الہ الا انت اسألک ان تحیی قلبی بنُورِ معرفتک یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ'' پڑھے گا تو اگر سارے دل مُردہ ہو جائیں لیکن اس کا دِل بیدار و زندہ رہے گا اور اس کا ایمان سلامت رہے گا' جب جماعت میں شامل ہونے کے لیے گھر سے باہر قدم رکھے گا تو کہے: ''بسم اللّٰہ وبا اللّٰہ والی اللّٰہ والتکلان علی اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ'' جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے: ''اللھم عبدک ببابک مذنبک ببابک وجہ الیک عمن سواک یستغفرک ویطلب رضاک ان لم تفتح باب فضلک فأی باب سوی بابک'' پھر داہنا پاؤں مسجد کے اندر رکھے اور پڑھے: ''بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسُول اللّٰہ'' اور جب اندر داخل ہو جائے تو یہ دُعا پڑھے: ''اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم'' تو وہ شرِ شیطان سے محفوظ رہے گا اور جب اندرونِ مسجد پہنچ جائے تو سلام کہے' اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز میں مشغول ہو تو کہے: ''السلام علینا وعلٰی عباد اللّٰہ الصّالحین'' نماز ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور پورے انہماک کے ساتھ ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے کیونکہ اس وقت سونا نہایت مکروہ فعل ہے۔ اگر نیند کا غلبہ ہو بھی جائے تو اُٹھتے بیٹھتے ذکر کرتے ہوئے اُسے دُور کر دے یہاں تک کہ جب سورج بقدر ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو رکعت شکرانے کی نیت سے ادا کرے۔

اس کے بعد مسجد یا خلوت گاہ جہاں بھی اسے جمعیت خاطر حاصل ہو' پھر ذکر و مراقبے میں مشغول ہو جائے۔ جب دن کا چوتھائی حصہ گزر جائے تو وہیں چار رکعت نمازِ چاشت ادا کرے' اس کے بعد اگر کوئی تعلیم و تعلّم یا ضروری کام ہو تو وہ سرانجام دے ورنہ پھر سے تازہ وضو کر کے مراقبے کے لیے بیٹھ جائے' اگر کھانے کی کوئی چیز موجود ہو تو کھالے اور کھانے کے دوران زبان پر ذکر اور دل میں تصوّر رہے' اس کے بعد تازہ وضو کر کے ذکر کرتے ہوئے قیلولہ کرے اور سورج ڈھلنے سے پہلے بیدار ہونے کو غنیمت جانے تا کہ زوال کے وقت وہ

www.maktabah.org

طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رُو ہو کر مصلّی پر بیٹھا ذکر و مراقبے میں مشغول بھی ہو چکا ہو، جب سورج آگے بڑھے تو چار رکعت نمازِ زوال ادا کرے، نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی ضروری کام ہو مثلاً کسی سے میل ملاقات، عیادت، آل و اولاد کی تعلیم یا ان کی خبر گیری تو حسبِ ضرورت اُن کے لیے وقت نکال لے، مگر ان سے جلدی فراغت حاصل کرے اور استغفار پڑھے: ''حسنات الابرار سیئات المقربین ''اس کے بعد طہارت کی تکمیل کر کے نمازِ عصر کی تیاری کرے اور نمازِ عصر و مغرب کے درمیان وقت کو ذکر و مراقبے میں صرف کرے۔

عمر برف است آفتاب تموز — اندکے ماندہ خواجہ غرّہ ہنوز
دل گفت مرا علم لدنّی ہوس است — تعلیم کن وگرت بدیں دسترس ست
گفتم کہ الف گفت دگر ہیچ مگو — درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

''عمر برف ہے اور سورج ساون کے مہینے کا ہے، تھوڑی عمر باقی رہ گئی ہے اور خواجہ ابھی تک مغرور ہے، دل نے کہا: مجھے علم لدنّی کی ہوس ہے اگر تو اس میں دسترس رکھتا ہے تو مجھے سکھلا، میں نے کہا: الف تو اس نے کہا اور کچھ مت کہنا کیونکہ اگر کسی کا خانہ خالی نہیں ہے تو اس کے لیے بھی ایک حرف کافی ہے''

شیخ ابوالرضا قدّس سرّہ کا سفرِ آخرت

شیخ محمد ظفر رہتکی کا بیان ہے کہ حضرت شیخ ابتدائی زمانہ میں اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہوگی، جب آپ کی عمر پچاس برس سے متجاوز ہوگئی تو آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ہمیشہ کھٹکا رہنے لگا، جب آپ پچپن برس کی عمر کو پہنچے تو اتفاقاً مجھے کسی تقریب سے رہتک جانا پڑا، رخصت ہوتے وقت میں نے آپ سے اپنے اس خدشے کا ذکر کرلیا، آپ نے تبسّم فرماتے ہوئے میری بات کو ٹال دیا اور فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن ضرور جانا چاہیے، اس خیال کو دل سے نکال دو۔ حضرت شیخ کے یہ آخری کلمات تھے جو میں نے سُنے۔ گلشن شاعر نے بیان کیا کہ حضرت شیخ کے آخری ایام میں ایک روز شیخ عبدالاحد آپ کی زیارت کے لیے تشریف لائے، اس وقت میں بھی شیخ کے ہمراہ تھا، جب ہم لوگ خدمت اقدس میں پہنچے تو اس وقت آپ خلافِ عادت پلنگ پر تشریف فرما تھے

www.maktabah.org

اور تمام اصحاب فرش زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو دیکھتے ہی تبسّم فرمایا اور خندہ پیشانی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے اسی پلنگ پر اپنے ساتھ بٹھایا' کچھ دیر یہ صحبت قائم رہی تاہم باہم کسی قسم کی گفتگو یا کلمہ وکلام نہیں ہوا' ایسے لگتا تھا جیسے آپ کا دل تمام دنیوی رشتوں سے سرد ہو گیا ہے اور بے خودی اور فرطِ رمیدگی کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے' پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور چونکہ آپ کے اہل خانہ شیخ عبدالاحد سے قریبی رشتہ داری رکھتے تھے' اس لیے شیخ کو اپنے ساتھ گھر لے گئے' اسی انداز سے کچھ وقت پھر خاموش صحبت برقرار رہی کہ اسی وقت اذانِ مغرب ہوئی' آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ فخر العالم نے آ کر عرض کی کہ اذان ہو چکی ہے اب باہر جانا چاہیے۔ حضرت شیخ نے اس پر فرمایا کہ بابا! ابھی تک اندر باہر میں فرق باقی ہے؟ یہ فرما کر باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز ادا کی' اس صحبت کے ختم ہونے کے بعد شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ گویا حضرت شیخ اسی حالت میں بیٹھنے پر مامور ہیں اور شاید آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے اور رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کی تڑپ کا غلبہ ہے' اس کے تھوڑے عرصے بعد آپ نے انتقال فرمایا۔

اصحاب شیخ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ حضرت شیخ کچھ کمزوری اور کسل محسوس کرنے لگے تو آپ نے دو تین روز کھانا تناول نہ فرمایا اور آپ کی طبیعت میں نہایت بے تعلقی سی پیدا ہو گئی' یہاں تک کہ کسی چیز کی طرف توجہ باقی نہ رہی' نمازِ عصر کے وقت مسجد کی طرف جانے لگے تو اہل خانہ کو الوداع کہا' نمازِ عصر پڑھ لینے کے بعد آپ نے ''مقامات خواجہ نقشبند'' طلب فرمائی اور اس میں سے کچھ مطالعہ فرمایا' اسی دوران معتقدین میں سے کسی نے پان پیش کیا' اس میں سے آپ نے ایک دو ٹکڑے لیے اور خوشی و مسرت کے عالم میں پہلو میں پڑے تکیے کا سہارا لیا' اسی وقت آپ کی رُوح مبارک جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ نے رحلت سے تھوڑی دیر پہلے حضرت شیخ عبدالرحیم قدس سرہٗ کی طرف اشارہ کیا' کچھ لوگ اُن کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے آپ کو غشی کے عالم میں سمجھتے ہوئے اٹھایا اور گھر کے دروازے تک لے آئے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم اسی وقت آ گئے' انہوں نے دیکھا کہ آپ کی رُوح پرواز کر چکی تھی' یہ محرم الحرام کی سترہ تاریخ ۱۱۰۰ھ کا واقعہ ہے۔ بعض احباب نے آفتابِ حقیقت سے تاریخ نکالی ہے (اللہ ان سے راضی ہو اور اللہ انہیں راضی کرے اور جنت

www.maktabah.org

الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے)۔

یہاں پر مخدومنا وسیّدنا الشیخ ابوالرضا کے احوال و آثار جس قدر میں نے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا، ختم ہوئے۔

www.maktabah.org

حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات

الحمد للّٰہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات وعلٰی فضلہٖ المعول فی جمیع الحالات وبسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللّٰہ علٰی سیّدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین' اما بعد'

فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ ہی ان کا دنیا وآخرت میں کفیل ہو) کہتا ہے کہ یہ چند اوراق اس فقیر کے بعض اجداد کے حالات کے بیان میں ہیں اور اس کا نام (الامداد فی مآثر الاجداد) رکھا گیا ہے۔ حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل.

واضح رہے کہ اس فقیر کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے: فقیر ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاون بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔ پرانے نسب ناموں میں جو رہتک اور شاہ ارزانی بداونی کے خاندان میں موجود ہیں جن کا نسب سالار حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے' ان میں ایسا ہی پایا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں لفظ ملک تعظیم کے لیے مستعمل ہوتا تھا' جیسے ہمارے زمانے میں خان' زیادہ حقیقتِ حال خدا جانتا ہے۔

معلوم رہے کہ ہمارے اجداد میں سے جس نے سب سے پہلے شہر رہتک میں اقامت اختیار کی وہ شیخ شمس الدین مفتی ہیں اور یہ رہتک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو تیس کوس دہلی سے قبلہ کی طرف واقع ہے' ابتداء میں جب ہندوستان فتح ہوا تو سادات اور قریش بڑی تعداد میں یہاں آ کر آباد ہوئے' اس علاقے کا کوئی دوسرا شہر اس سے زیادہ بارونق اور

www.maktabah.org

آباد نہ تھا' مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ وہ آبادی اور رونق ختم ہوگئی۔

حضرت شیخ شمس الدین مفتی' عالم اور عابد تھے اور یہی وہ پہلے فرد فرید ہیں' جو خاندانِ قریش میں سے اس شہر میں آباد ہوئے۔ آپ نے یہاں شعائرِ اسلام کی ترویج کی اور کفر کے زور کو توڑا' ان کے عجیب حالات میں سے ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ نماز کے بعد اس مسجد میں رکھ دیا جائے' جو ان کی عبادت گاہ اور جائے اعتکاف تھی' اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے مسجد کو خالی چھوڑ دیا جائے' پھر اگر جنازے کو موجود پائیں تو دفن کر دیں ورنہ واپس چلے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور کچھ دیر بعد جب دیکھا گیا تو وہاں جنازہ موجود نہیں تھا۔ حضرت والد ماجد اس حکایت کو جب بیان فرماتے تو اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے کے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے حالات کی کتابوں میں مَیں نے اس واقعہ کو دیکھا ہے' اگرچہ وہاں اس بزرگ کا نام متعین نہیں ہے۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں میں جو ذی وقار شخص اس قسم کے قصبات میں اقامت اختیار کرتا تھا تو قضاء' احتساب اور افتاء وغیرہ کی ذمہ داریاں اسی کے سپرد ہوا کرتی تھیں' بسا اوقات ان مناصب کے بغیر بھی ایسے مقتدر افراد کو قاضی اور محتسب ایسے معزز الفاظ سے پکارا جاتا تھا' شیخ شمس الدین مفتی کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کمال الدین مفتی لائق ترین آدمی اور ان اُمور میں اپنے والد کے جانشین ہوئے' ان کے بعد ان کے صاحبزادے قطب الدین اور ان کے بعد ان کے خلف الرشید عبدالملک نے اسی انداز پر اپنی زندگیاں بسر کیں۔

ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضا کا منصب قائم ہوا تو قاضی بُدھا ابن عبدالملک نے اپنے سابقہ استحقاق کی بناء پر منصبِ قضاء اختیار کیا' آگے ان کے دو صاحبزادے ہوئے' ایک قاضی قاسم کہ جو اپنے والد کے بعد اُن کے جانشین ہوئے اور دُوسرے منکن' ان کے بھی آگے یونس نام کے ایک صاحبزادے ہوئے۔

قاضی قاسم کے دو لڑکے ہوئے' ایک قاضی قادن جو اپنے والد کے جانشین اور شہر کے رئیس تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پورا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہوگا جو ہندوؤں کی زبان پر اس طرح بگڑ گیا' واللہ اعلم' دوسرے کمال الدین تھے جن کا ایک لڑکا نظام الدین نامی تھا۔

قاضی قادن کے دو صاحبزادے ہوئے' شیخ محمود اور شیخ آدم جن کا عرف بھائی خاں تھا' ان کی نسل باقی ہے۔ شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے' انہوں نے کسی سبب سے منصب قضاء قبول نہ کیا اور سرکاری ملازمت کرلی۔ اس دوران انہوں نے زمانے کے سرد و گرم کا خوب تجربہ کیا۔ ان کا ظاہری حال رہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا' ان کی شادی سونی پت کے سید گھرانے کی ایک لڑکی آفریدہ سے ہوئی' جس سے شیخ احمد پیدا ہوئے۔

شیخ احمد بچپن ہی میں رہتک چلے گئے اور انہوں نے شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ نشو و نما پائی۔ انہوں نے شیخ احمد کی اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کر دی اور ایک مدت تک ان (شیخ احمد) کی تربیت کی' اس کے بعد وہ رہتک واپس آ گئے اور قلعہ سے باہر ایک عمارت بنا کر اپنے عزیزوں اور خادموں سمیت قیام پذیر ہو گئے۔ شیخ احمد کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے دو کی اولاد باقی رہی' ایک شیخ منصور جو بہادری' حلم وغیرہ صفاتِ ریاست سے پوری طرح متصف تھے' انہوں نے پہلے شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنی کی لڑکی سے شادی کی جو ان کے ماموں تھے' اسی عفیفہ کے بطن سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے۔ اس کی وفات کے بعد انہوں نے دُوسری شادی کی' جس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ دوسرے شیخ حسین تھے جو خوشحال اور فارغ البال تھے' ان کے دو صاحبزادے ہوئے: محمد سلطان اور محمد مراد۔ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) نے محمد مراد کو دیکھا تھا۔

محمد مراد کی قوتِ گرفت کے عجیب و غریب قصے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسّی سال کی عمر میں انگوٹھے اور شہادت کی انگلی میں دینار کو لے کر رگڑتے اور اسے دوہرا کر دیا کرتے تھے۔

انہوں نے حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) کو صغرسنی میں دیکھ کر کہا کہ اس لڑکے کو دیکھنے سے میرے دل پر رعب و ہیبت طاری ہوتی ہے جیسا کہ اس کے دادا شیخ معظم کی زیارت سے ہیبت طاری ہوا کرتی تھی۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ مطالعہ کرنے والا سلسلۂ نسب کے اس حصے پر اچھی طرح مطلع ہو جائے کیونکہ اس سے مقصود صلہ رحمی ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تعلموا من انسابکم ما تَصِلُونَ به ارحامکم فان صلة الرحم محبةٌ فی الاهل

www.maktabah.org

مثراۃ فی المال منشاۃ فی الاثر ''(رواہ الترمذی والحاکم)(اپنے نسب کا علم حاصل کرو تا کہ تم اس کے ذریعے اپنی رشتہ داریاں قائم کر سکو' صلہ رحمی محبت کا ذریعہ ہے' اس کی بدولت مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے)۔

امام ناصر الدین کی روحانی امداد

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ عبدالغنی مذکور کی اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم اور متورع تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ ان کی بہت تعظیم و توقیر کرتا تھا' جب بادشاہ الحاد و گمراہی میں مبتلا ہو گیا تو محبت کا وہ رشتہ ختم ہو گیا اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی' ایک عرصے کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی۔ اس طرف لگاتار فوجیں بھیجی جاتی رہیں' لیکن فتح نہیں ہوئی۔ اسی دوران ایک رات امام ناصر الدین شہید ابن محمد باقر رضی اللہ عنہما کے مزار مبارک کے بعض معتکفین نے بیداری میں دیکھا کہ ایک جماعت اپنے سردار سمیت ہتھیار جنگ سے لیس ہو کر آئی ہے اور اُن کے ساتھ ایک مشعل ہے اور یہ لوگ روضۂ امام میں داخل ہو گئے' دیکھنے والے نے سمجھا کہ شاید مسافر ہیں جو زیارتِ خانقاہ کی نیت سے آئے ہیں' وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سردار قبر میں داخل ہو گیا اور اس مسلح گروہ کا ہر آدمی ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ سردار کون ہے اور یہ مسلح افراد کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ حضرت امام ناصر الدین شہداء کی ایک جماعت کے ساتھ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ اس نے کہا: چتوڑ کو فتح کرنے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں بُرج کی طرف سے فتح کر لیا ہے۔ شیخ عبدالغنی کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے پورا واقعہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیجا' کچھ دنوں بعد فتح چتوڑ بالکل اسی طرح واقع ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت امام ناصر الدین رحمہ اللہ کی خانقاہ کے لیے بارہ (۱۲) گاؤں وقف کر کے شیخ عبدالغنی کے انتظام میں دے دیئے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے والدِ گرامی (شیخ عبدالاحد) ایک راز معلوم کرنے کی خاطر کافی عرصہ شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے لیے آرزومند رہے اور اس کا قصہ یوں ہے کہ شہر سون

پت کے ایک عمر رسیدہ اور درویش بزرگ تھے۔ یہ راز شیخ عبدالغنی کو اِن بزرگ سے پہنچا تھا اور وہ راز یہ تھا کہ انہوں نے بتایا کہ میرے مرشد جو کہ میرے جد مادری بھی تھے نے اپنے انتقال کے وقت مجھے ایک شوریدہ کار درویش کے ساتھ اپنے پاس بُلایا تا کہ نسبت اور فیوضِ باطنی عطا فرمائیں' جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا' اس کے سنتے ہی وہ درویش تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ رہ گیا' حضرت والد ماجد شیخ عبدالغنی سے اس بات کے سننے کے بہت خواہش مند تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں' اتفاقاً شیخ مذکور کا کسی مہم کے سلسلے میں سرہند سے گزر ہوا' جب وہ سرہند میں پہنچے تو ایک کارواں سرائے میں ٹھہرے' ہمارے والد ماجد بھی وہاں پہنچ گئے' ملاقات اور رسمی مزاج پُرسی کے بعد اُنہوں نے خلوت کی درخواست کی اور اس رازِ حقیقت کو ظاہر کرنے کی التجا کی' شیخ نے انہیں وہ رازِ حقیقت بتایا' جب میرے والد (شیخ عبدالاحد) شیخ عبدالغنی سے مل کر باہر نکلے تو انہیں شیخ جمیل الدین جو صاحبِ دل' فاضل اور والد گرامی کے خلفاء میں سے تھے' ملے انہوں نے پوچھا کہ آپ نے وہ راز معلوم کر لیا؟ والد ماجد نے فرمایا: ہاں' انہوں نے کہا: وہ کیا تھا؟ فرمایا کہ وہی مسئلہ ہے کہ جس پر ہم ہیں اور جو ہمارے مشرب و طریقہ کی جان ہے یعنی یہ سب کچھ جو نظر آ رہا ہے واحدِ حقیقی ہے' جو کثرت کے عنوان سے نمودار ہو رہا ہے' مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا۔ جب اچانک اس کے کان میں یہ راز پڑا تو وہ اس کا متحمل نہ ہو سکا اور ہلاک ہو گیا اور چونکہ شیخ عبدالغنی' عالم' صاحبِ مقام اور واقفِ راز تھے' اس لیے اپنی جگہ برقرار رہے۔

حالاتِ شیخ معظم

شیخ معظم شجاعت وغیرہ ایسی اعلیٰ صفات سے متصف تھے' اس سلسلے میں ان کے عجیب وغریب واقعات حد و شمار سے زیادہ ہیں' حضرت والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار شیخ منصور کی کسی راجہ سے لڑائی ٹھن گئی' تو انہوں نے لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا' اس وقت وہ بارہ سال کے تھے' بہت سخت لڑائی ہوئی' طرفین میں سے کئی لوگ قتل ہوئے۔ اسی اثناء میں کسی نے شیخ معظم سے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے ہیں اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا ہے۔ اس پر شیخ معظم کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور انہوں نے کفار کے رئیس کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا'

www.maktabah.org

اسی جذبے اور جوش میں جو بھی مزاحمت کی خاطر ان کے سامنے آتا اسے قتل یا زخمی کر کے راستے سے ہٹا دیتے۔ کافی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے' رؤسائے کفار میں سے ایک شخص نے مقابلہ کیا لیکن تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اس کی لاش گھوڑے کے نیچے ڈال دی' اس پر لوگوں نے انہیں گھیر لیا' راجہ نے ان سب کو منع کیا اور ڈانٹا کہ جو شخص اتنی کم عمری میں ایسی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتا ہے' اس کی شخصیت نادرۂ روزگار ہے۔ اس کے بعد راجہ نے شیخ معظم کے دونوں ہاتھ چومے اور بہت احترام کے ساتھ پیش آیا اور ان کے غصے کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں' میں نے پختہ ارادہ کیا کہ حملہ کروں گا' پیچھے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ راجہ کو قتل کر دوں یا خود قتل ہو جاؤں۔ راجہ نے کہا: آپ کو غلط خبر پہنچی ہے' آپ کے والد زندہ ہیں اور اُن کے جھنڈے فلاں جگہ نظر آ رہے ہیں۔ راجہ نے اسی وقت شیخ منصور کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم نے اس نوجوان بہادر لڑکے کی وجہ سے صلح کر لی ہے اور شیخ منصور کے تمام مطالبات اس نے قبول کر لیے اور واپس ہو گئے۔

حضرت والد گرامی نے موضع شکوہ پور جو کہ شیخ معظم کا تعلقہ تھا' کے ایک بوڑھے کسان سے سُنا کہ ایک مرتبہ تیس ڈاکوؤں نے اس گاؤں میں ڈاکہ ڈال کر یہاں کے تمام مویشی لوٹ لئے' اس وقت شیخ معظم بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے علاوہ ان کی اولاد' بھائیوں اور چچازاد بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا' انہیں اس حادثے کی اطلاع اس وقت پہنچی جب کہ دسترخوان بچھ چکا تھا' شیخ معظم نے کسی بے چینی یا عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر حسب عادت کھانا کھایا' فراغت کے بعد ہاتھ دھوئے اور کہا: میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا لاؤ۔ جب سوار ہونے لگے تو دیہاتی لوگوں کا ایک مسلح گروہ آ گیا مگر انہوں نے سب کو واپس کر دیا اور کہا میں بہت تیزی سے جاؤں گا' تم میرے گھوڑے کی دوڑ کو نہ پہنچ پاؤ گے' مگر اس واقعے کے راوی کو جو گھوڑے کی دوڑ کے ساتھ بھاگ سکتا تھا' ساتھ لیا تا کہ وہ اپنی قوم کو اس جنگ کی تفصیل بتا سکے جو ڈاکوؤں اور ان کے درمیان واقع ہو۔ وہ دوڑے یہاں تک کہ ان ڈاکوؤں کو جا لیا' اس وقت وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔ حیرت انگیز کلمات سے جوش دلا کر انہیں میدان میں نکال لائے اور کمال ہنرمندی سے ایک تیر سے دو دو آدمیوں کو مارنا شروع کیا' جب دو تین

ایسے تیر انہوں نے دیکھے تو وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر انہوں نے فریاد و فغاں شروع کر دی کہ ہم توبہ کرتے ہیں' ہمیں معاف کر دیجئے۔ شیخ معظم نے کہا کہ تمہاری توبہ یہی ہے کہ خود اپنے ہتھیار اُتار دو اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ہاتھ باندھے' پھر اپنے ہتھیار اور گھوڑے لے کر اسی گاؤں میں واپس چلو' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مذہب کے مطابق قسمیں کھائیں کہ دوبارہ اس قصبے کی طرف بُری نظر سے نہیں دیکھیں گے اور شیخ معظم کی منشاء کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

شیخ معظم کی اولاد

شیخ معظم کے سیّد نور الجبار سون پتی (جو ایک عالی نسب سیّد تھے اور ان کے بزرگ علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ تھے) کی صاحبزادی سے تین لڑکے پیدا ہوئے:

(۱) شیخ جمال (۲) شیخ فیروز (۳) شیخ وجیہ الدین

مختصر ذکر شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین شجاعت و تقویٰ میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ حضرت والا قدس سرہٗ (شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ قرآن مجید کے دو پارے تلاوت کرتے اور یہاں تک کہ سفر' حضر' غم اور خوشی میں بھی اس معمول کو ترک نہیں کرتے تھے' بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کے سبب جلی خط میں لکھا ہوا قرآن حکیم اپنے ساتھ رکھتے تھے' جسے وہ سفر میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے' نیز والد ماجد فرماتے تھے کہ سارے لشکر کے کھیت میں گزرنے کے باوجود وہ اپنا گھوڑا کھیت میں نہیں ڈالتے تھے' اس لیے انہیں بعض اوقات جانے پہچانے راستے سے بھی ہٹ کر چلنا پڑتا تھا' والد گرامی نے فرمایا کہ ایک دفعہ کسی لڑائی میں شیخ وجیہ الدین کا ساز و سامان گم ہو گیا' کھانے پینے کا سامان بھی مہیا نہ تھا۔ ایسے میں ان کے ساتھی تو زبردستی گاؤں کے مویشی لے کر کھا جاتے تھے مگر انہوں نے ایسی پرہیز گاری اختیار کی کہ دو تین فاقے ہو گئے' قوت بالکل جاتی رہی تو رازق حقیقی جل شانہٗ کی رزاقیت نے اس صورت میں ظہور فرمایا کہ وہ اتفاقاً چابک سے زمین کرید رہے تھے جیسے عموماً سوچ بچار کے وقت کیا جاتا ہے تو وہاں سے ان کو خوراک بھر چنے ملے' چونکہ گری پڑی چیز کا کوئی مالک نہیں ہوتا' اس لیے ان کو دھو کر صاف کیا اور اُبال کر کھا لیے۔

www.maktabah.org

والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین رحمہ اللہ) خدام، ملازمین اور گھسیاروں وغیرہ کے ساتھ ایسی شفقت اور انصاف سے پیش آتے تھے کہ اس زمانے کے متقیوں سے بہت کم ایسا برتاؤ دیکھا گیا ہے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرے والد نے کسی ولی کی ولایت کے بعض ایسے شواہد ملاحظہ کیے کہ انہوں نے اس سے بیعت کر لی اور اشغالِ صوفیاء میں مصروف ہو گئے، کم گوئی اور کم آمیزی کو اپنا شعار بنایا اور اس سلسلے میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا کہ اس زمانے کے صوفیاء میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر بہتکی میرے والد ماجد اور عم بزرگوار کے متعلق ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے ارتباط کو بیان کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان کے فیوضِ اشغالِ صوفیاء سے مستفید ہوتے ہوں گے اور یہ دونوں اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوئے ہوں گے۔

حضرت والد ماجد حضرت شیخ وجیہ الدین کی بہادری کی بہت سی حکایتیں بیان کرتے تھے، میں ان سے کچھ واقعات بیان کرتا ہوں تاکہ اہل خاندان کو اخلاقِ فاضلہ کے اکتساب کی تحریص و ترغیب ہو، انما الاعمال بالنیات۔

معرکہ دہامونی

والد ماجد نے فرمایا کہ میری عمر چار برس کی تھی کہ میرے والد بزرگوار (شیخ وجیہ الدین) سید حسین کی ہمراہی میں جو اپنے زمانے کا ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جس کی بے خوف بہادری کی شہرت اس زمانے میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، مالوہ کے علاقے میں قصبۂ دہامونی کی طرف متوجہ ہوئے، اتفاق سے میں بھی اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھا، وہاں ایک کافر جو کہ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے مشہور تھا، نے فساد برپا کر رکھا تھا، بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کے لیے آیا، دربان یہ چاہتے تھے کہ وہ ہتھیار لگائے بغیر مجلس میں حاضر ہو، وہ اس پر راضی نہ ہوا، بحث نے طول پکڑا تو اس کافر نے سید حسین کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ سپاہی ہیں اور آپ کے ساتھ ایک لشکرِ کثیر بھی موجود ہے، آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اپنی مجلس میں نہیں آنے دیتے۔ سید حسین اس بات سے متاثر

www.maktabah.org

ہوئے اور حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے اسلحہ کو نہ روکے' فرمایا کہ ان کا ہشاش بشاش چہرہ آج بھی میرے تصوّر سے نہیں اترتا' وہ پان چباتے ہوئے اور بڑے ناز و انداز سے چل رہا تھا جیسے کسی شادی کی محفل میں آیا ہو' جب میرے والد بزرگوار نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس میں ہاتھا پائی کرے گا' انہوں نے جلدی سے اپنے خدمت گار کو طلب کیا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا کہ اس بچے کو کسی بلند جگہ پر بٹھا دو تا کہ اس دنگا فساد سے اسے نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ سلامی کی جگہ سے آگے بڑھنے لگا تو دربان نے اسے روکا اور کہا: یہیں سے سلام کرو' آگے مت بڑھو۔ اس نے دربان کی یہ بات سُنی اَن سُنی کر دی اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ سیّد صاحب کے پاؤں کو بوسہ دوں تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ جب بالکل قریب پہنچا تو اس نے سید حسین پر تلوار کا وار کیا۔ سید حسین بڑی پھرتی سے ایک طرف ہو گئے اور تلوار سید صاحب کے تکیے پر پڑی اور اسے کاٹ ڈالا۔ دوسری بار تلوار اٹھا کر پھر سید حسین پر وار کرنے کا ارادہ کیا' اسی لمحے میرے والدِ گرامی انتہائی عجلت کے ساتھ اس تک پہنچے اور خنجر کے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کیا۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے' فرماتے تھے کہ اسی علاقے میں ایک روز سیّد حسین کے ساتھ ایک جنگ میں (شیخ وجیہ الدین) حاضر ہوئے' جب دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں تو کفار کے سردار نے تلوار گلے میں حمائل کیے ہوئے گھوڑے پر سوار بآوازِ بلند کہا: میں فلاں ہوں' اس معرکے میں تنہا کھڑا ہوں' چاہو تو مجھے قتل کر سکتے ہو مگر شرط بہادری تو یہ ہے کہ سیّد حسین اکیلے میرے مقابلے کو نکلیں' سیّد صاحب کی رگوں میں ہاشمی خون کھول اُٹھا' اپنے گھوڑے کو صف سے باہر لے آئے اور اس کے ساتھ مقابلے میں مشغول ہو گئے۔ اس کافر نے چابک دستی کے ساتھ سیّد صاحب پر وار کر ڈالا' جسے انہوں نے ڈھال پر روکا۔ تلوار ڈھال کی ایک طرف کو کاٹ کر دوسرے میں پھنس گئی' جب کافر نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار کو ڈھال میں سے کھینچا تو سیّد صاحب گھوڑے سے نیچے گر پڑے' کافر کُود کر سیّد صاحب کے سینے پر سوار ہو گیا اور انہیں ذبح کرنے کی کوشش کرنے لگا تو میرے والد بزرگوار اسی وقت ان کے پاس پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کافر سردار کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ جب وہاں سے اُٹھے اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پہنچ گیا تو دشمنوں کی صف میں سے ایک اور سوار ہُو بہُو پہلے کی تصویر آگے بڑھا اور بآوازِ بلند پکارا کہ

www.maktabah.org

میں مقتول کا بھائی ہوں' آپ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں' جو چاہے قتل کرے مگر شرط شجاعت یہ ہے کہ میرے بھائی کا قاتل میرے مقابلے کو آئے' میرے والد بزرگوار اس کی طرف بڑھے اور چند واروں کے بعد اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار ویسی ہی شکل و صورت کا سامنے آیا اور اسی طرح دعوتِ مبارزت دی۔ میرے والد بزرگوار مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کافر نے ان کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ارادہ کیا کہ انہیں زمین پر پٹخ دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے۔ انہوں نے مزاحمت کی' آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ کافر بہت طاقتور ہے تو دھوکہ دیتے ہوئے کہا: اے فلانے! اس سردار کو پیچھے سے وار کرو۔ حالانکہ پیچھے کوئی بھی نہ تھا' کافر نے منہ پیچھے پھیرا تو اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی' اتنے میں انہوں نے خود کو اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور خنجر کے ساتھ اسے بھی واصلِ جہنم کر دیا۔ اس مبارزت کے بعد کفار نے شکست اٹھائی اور لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہو کر اپنی چھاؤنی میں آ گیا۔ اس واقعے کے تین دن بعد ایک ضعیف العمر عورت پوچھتے پوچھتے حضرت والا کے خیمہ تک پہنچی اور کہنے لگی کہ میں ان تین مقتولوں کی ماں ہوں' میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بہادر اور طاقتور نہیں ہے' لیکن خدا کی رحمت تو تجھ پر ہو کہ تو سب سے بڑھ کر بہادر اور قوی ہے' اس لیے ان کی بجائے تجھے اپنا بیٹا بناتی ہوں' میری آرزو یہ ہے کہ مجھے اپنی ماں سمجھتے ہوئے میری بستی میں کچھ دن رہ جاؤ تا کہ تجھے جی بھر کر دیکھوں اور اس طرح مقتولوں کے غم سے تسلی پاؤں' آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ آپ کے اقرباء میں سے آپ کے بھائی مانع ہوئے اور کہنے لگے: عجیب بات ہے کہ آپ جیسا عقل مند آدمی بھی ایسا اقدام کرے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین نے ان لوگوں کے روکنے کو کوئی اہمیت نہ دی تو انہوں نے جا کر سیّد حسین سے اس بات کا اظہار کیا۔ سیّد حسین فوراً اُن کے خیمہ میں آئے اور انہیں انتہائی کوشش اور اصرار کے ساتھ اس بڑھیا کی بستی کی طرف جانے سے روکا۔ جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو اس بڑھیا کو بلوا کر فرمایا: ماں! میرے ساتھی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانے دے رہے' چند روز بعد میں تیری بستی میں آؤں گا' کچھ دن بعد جب ان کے ساتھی غافل ہوئے تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس معمر عورت کے گھر کی طرف چل پڑے۔ وہ عورت اس قدر محبت و اخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ والدۂ حقیقی اور

www.maktabah.org

اس میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) نے فرمایا کہ میں کئی بار اُس کے گھر گیا اور میں اسے دادی جان کہتا تھا اور وہ شفقت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی تھی، چونکہ میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا' اس لیے مجھے بچپن میں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس معمر عورت کے علاوہ میری دادی کوئی دوسری تھی۔

فیلِ مست سے مقابلہ

ان کی شجاعت و بہادری کے سلسلے میں ایک حکایت یہ ہے' والد گرامی (شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ) نے فرمایا:

جب عالمگیر بادشاہ ہوا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف خروج کیا' عالمگیر نے اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا اور حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) بھی عالمگیر کے لشکر میں شامل تھے' سخت لڑائی ہوئی اور دونوں لشکر تھک کر چُور ہو گئے۔ آخر دو تین مست ہاتھیوں نے شاہ شجاع کی طرف سے عالمگیر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا ایک دستہ تھا' صورتِ حال جب اس طرح ہو گئی کہ عالمگیر کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور فوجی ہر طرف بھاگنے لگے۔ عالمگیر کے ہاتھی کے اردگرد چند آدمی باقی رہ گئے' اس وقت میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کے دل میں خیال آیا کہ وہ ان ہاتھیوں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں' انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ جان کی قربانی کا وقت ہے' ایسے موقع پر استقامت ہر ایک کا کام نہیں' جو شخص علیحدگی چاہتا ہے اسے میری طرف سے اجازت ہے' اس پر سوائے چار آدمیوں کے سب نے باگیں پھیر لیں۔ فرمایا: اگر ہمارے احباب میں سے کوئی ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہی چار ہوں گے۔ ان چاروں نے ان کے شکار بند کو مضبوطی سے تھاما اور آپس میں یہ قول و قرار کیا کہ جہاں وہ (شیخ وجیہ الدین) ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے بعد انہوں نے سب سے زیادہ سرکش ہاتھی پر حملہ کیا اور انہوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ ہاتھی ان کو گھوڑے سے گرانے کے لیے اپنی سونڈ اوپر اٹھائے' جب اس نے سونڈ اٹھائی تو حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) نے ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر رکھ دیا' ہاتھی بُری طرح چنگھاڑتے ہوئے اپنے لشکر کی طرف بھاگا اور اُلٹا اپنے لشکر کے لیے نقصان کا باعث بنا۔ یہ پہلی فتح تھی۔ عالمگیر نے اس سارے معاملے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فتح

www.maktabah.org

کے بعد یہ چاہا کہ حضرتِ والا کا منصب بڑھا دے لیکن انہوں نے استغناء اختیار کرتے ہوئے قبول نہ فرمایا۔

اسی ضمن میں ایک واقعہ یہ ہے' فرمایا کہ ایک بار سیّد شہاب الدین کو بادشاہ کے سامنے محاسبے کے لیے پیش ہونا پڑا۔ حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) ان کے ضامن بن گئے' جب انہوں نے رقم کی ادائیگی میں تساہل کیا تو والد گرامی سے مطالبہ ہوا۔ آپ نے سیّد شہاب الدین سے رقم کی ادائیگی کے بارے میں بات کی تو انہوں نے کہا: میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

تلوار حاضر ہے' مسکرائے اور فرمانے لگے: شمشیر پکڑنا تو آسان ہے مگر اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل۔ سید شہاب الدین کی حمیت جاگ اٹھی اور خنجر سے ان پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور دائیں ہاتھ سے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ اُلٹا زمین پر آ رہا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا' آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے قید کر لو اور اس کے اصطبل سے اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لو' تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری وہ ڈینگیں کہاں گئیں؟ کہنے لگا: میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہے میرے ہاتھ سے پہلے آپ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا' ایسے میں میری کیا تقصیر ہے؟ آپ نے فرمایا: درست کہتے ہو۔ خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی مُشکیں کھول دے اور اس کا خنجر اس کے ہاتھ میں دے دے۔ اس نے خنجر پکڑ کر حملے کا ارادہ کیا کہ اس کے تمام جسم میں لرزہ طاری ہو گیا اور حملہ کرنے کی سکت نہ ہوئی۔ حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) نے یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا تھا۔

منجملہ ان حکایات کے ایک یہ ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کی قلبی قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایک معرکۂ جنگ میں سخت خونریز مقابلہ ہوا' طرفین میں سے بہت سے لوگ مارے گئے' لیکن انجام کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی' جب لشکرِ اسلامی کا سپہ سالار رات کے وقت اپنے کیمپ میں واپس آیا تو فوجی افسر اکٹھے ہو گئے اور مقتولین کی تعداد کے بارے میں گفتگو چل پڑی اور یہ بحث خاصا طول پکڑ گئی' اس میں ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگا۔ آپ (شیخ وجیہ

www.maktabah.org

الدین) نے فرمایا: میرے خیال میں طرفین کے پانچ کم دو سو یا پانچ اوپر دو سو آدمی ہلاک ہوئے ہیں اور جو لوگ شکست کھا کر بھاگے ہیں اُن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا' حاضرین نے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی' ان کے اس تردّد پر آپ کے دل میں خیال آیا کہ حقیقتِ حال کا پتہ لگایا جائے اور اس مجلس سے اس شخص کی طرح نکلے جو قضائے حاجت کے لیے اٹھتا ہے اور اس بادو باراں کی تاریک رات میں میدانِ کارزار کو روانہ ہو گئے۔ اسی دوران ان کا ہاتھ ایک ایسے زخمی پر پڑا کہ جس میں ابھی تک زندگی کے آثار باقی تھے۔ اس زخمی نے چیخ ماری' آپ نے اسے تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ اس کے بعد ان کے دل میں یہ بات آئی کہ کچھ جنگ گاؤں کے وسط میں بھی ہوئی تھی' اُسے بھی دیکھ لینا چاہیے جہاں انہیں کوئی شک گزرتا' اسے اچھی طرح تلاش کر لیتے' اسی اثناء میں آپ کا ہاتھ ایک بوڑھی عورت پر پڑا' جو لڑائی کے دوران ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی' وہ بُری طرح چیخی' آپ نے اس کو بھی تسلی دی اور اپنا نام اسے یاد دلایا۔ مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی اور پھر آپ لشکر کی طرف واپس ہو گئے تو اس مجلس کو بدستور اسی حالت میں دیکھا' آپ نے جو کچھ کیا اور دیکھا انہیں بتایا تو ان کا تعجب مزید بڑھ گیا اور سپہ سالار نے تقریباً سو آدمی مشعلوں کے ساتھ متعین کیے تاکہ مقتولین کو شمار کریں اور ان دو زخمی آدمیوں کو بھی لے آئیں' یہ لوگ اس پُر ہیبت رات میں ایسی خوفناک جگہ پر جانے کے لیے تیار نہ تھے' ناچار گئے' مقتولین کی گنتی کی اور ان دو زخمیوں کو بھی لے آئے تو گنتی ان کے کہنے کے مطابق تھی اور ان دو زخمیوں نے ان (شیخ وجیہ الدین) کے میدانِ جنگ آنے کی تصدیق بھی کر دی' آپ کے اس قسم کے عجیب و غریب واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم نے چند ایک پر اسی لیے اکتفاء کیا ہے کہ تھوڑا زیادہ کی دلیل اور چلو بھر پانی دریا کا پتہ دیتا ہے۔ شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد ابن قطب العالم بن شیخ عبد العزیز کی لڑکی سے ہوئی' جس سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے:

(۱) مخدومی شیخ ابو الرضا محمد (۲) مخدومی شیخ عبد الرحیم (۳) مخدومی شیخ عبد الحکیم

والد گرامی (شاہ عبد الرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میرے والد (شیخ وجیہ الدین) تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے' ان کو سجدے میں بہت زیادہ دیر ہو گئی۔ میں نے سمجھا کہ شاید ان کی

www.maktabah.org

رُوح پرواز کر گئی ہے۔ انہیں جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے اس لمبے سجدے کے متعلق ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے غیبت واقع ہوئی تو میں نے اپنے ان عزیزوں کے حالات جو کہ شہید ہو گئے ہیں ملاحظہ کیے۔ ان کے درجات اور مقامات سے میں بہت خوش ہوا۔ چنانچہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی اور بہت زیادہ گڑگڑایا' یہاں تک کہ میری دُعا قبول ہوگئی اور مجھے اشارے سے بتایا گیا کہ تیری شہادت دکن کی طرف ہوگی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے ازسرِنو سفر کا ارادہ کیا اور سامانِ سفر فراہم کرنے لگے' حالانکہ نوکری چھوڑ چکے تھے اور اس کام سے ایک نفرت سی بھی ہوگئی تھی' گھوڑا خریدا اور دکن کو چل دیئے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید یہ مقابلہ سیوا سے ہوگا' جو اس وقت کفّار کا بادشاہ تھا اور جس سے مسلمانوں کے قاضی کی بہت بے حُرمتی ہوئی تھی' جب آپ برہان پور پہنچے تو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ جائے شہادت کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں' یہاں سے پھر واپس پلٹے اور راستے میں آپ نے بعض صالح اور متقی تاجروں سے عہد موافقت باندھا اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کے راستے ہندوستان میں داخل ہوں' اسی دوران آپ سے ایک ضعیف العمر شخص ملا' گرتا پڑتا جا رہا تھا۔ آپ نے اس پر رحم کرتے ہوئے اس کا مقصد ومنزل پوچھی' اس نے کہا: میرا دہلی جانے کا ارادہ ہے' آپ (شیخ وجیہ الدین) نے فرمایا: میرے ملازمین سے ہر روز تین پیسے لے لیا کرو' دراصل وہ بوڑھا کافروں کا جاسوس تھا' جب یہ قافلہ نونبریا کی سرائے میں پہنچا جو کہ دریائے نربدہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی' چنانچہ لٹیروں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں پہنچ گیا' آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ اس گروہ میں سے تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ وجیہ الدین کون ہے؟ جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو کہا: ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں' ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گروہ میں سے ایک آدمی پر تمہارا حقِ نمک بھی ہے' لیکن ان تاجروں کے پاس تو اتنا اتنا مال ہے' ان کو ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے' چونکہ آپ کو اس سفر کے اصلی سبب سے پوری طرح آگاہی حاصل تھی' اس لیے ان تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور انہیں قتل ولوٹ سے بچانے کے لیے آگے بڑھے' اس مقابلے میں آپ کو بائیس زخم آئے اور

ایک زخم سے سرتن سے جدا ہو گیا۔ اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک آپ نے کفار کا تعاقب کیا۔ ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئی' آپ اسی وقت گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصے میں آپ مثالی جسم میں متمثل ہو کر میرے سامنے تشریف لائے اور زخموں کے نشانات دکھلائے' میں نے ایصالِ ثواب کے لیے کچھ صدقہ دیا' آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ آپ کے جسد کو وہاں سے منتقل کروں' لیکن ایک روز انہوں نے میرے سامنے متمثل ہو کر اس بات سے مجھے منع کر دیا' آپ کے قتل کی خبریں حد سے زیادہ مشہور ہیں۔

www.maktabah.org

شیخ رفیع الدین محمدؒ[1] کے خاندان کے حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو منعم اور وہ نعمتیں بخشنے والا ہے جو حد وشمار سے باہر ہیں اور درود وسلام ہو افضل الانبیاء پر اور ان کی آل واصحاب پر بھی سلامتی اور رحمت ہو جو ارباب فہم وفراست کے قائد ہیں۔ فقیر ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے) کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ (النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیہ) کے نام سے موسوم ہیں، شیخ عبد العزیز دہلوی اور ان کے اسلاف واخلاف قدست اسرارہم کے حالات پر مشتمل ہیں جو کہ نسبت مادری سے والد بزرگوار کے جدّ اعلیٰ ہیں۔

شیخ طاہر رحمہ اللہ

شیخ طاہر کا اصلی وطن اوچ (ملتان) ہے اور آپ وہاں کے سربرآوردہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ابتدائے حال میں سارا وقت سیر وتفریح اور شکار میں گزارا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ مشاغل انہیں تحصیل علم سے بھی باز رکھنے لگے۔ ایک دن آپ کی ہمشیر نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم دریافت کیا، جس کا جواب آپ سے نہ بن پڑا۔ یہی واقعہ ان کی غیرت نفس کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنا اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر وطن مالوف کو خدا حافظ کہا۔ جہاں بھی جاتے، استفادۂ علم کرتے۔ جب تھانیسر پہنچے تو اسی آیت کی تفسیر وتشریح لکھ کر ہمشیر کو بھجوادی۔ اس کے بعد حصولِ علم کا شوق انہیں بہار لے آیا جو کہ ان دنوں علماء کا مرکز تھا اور اس دوران میں مناظرہ اور ریاضات کی تحصیل بھی انہیں حاصل ہوئی۔ تحصیل علم کے بعد بہار کے قاضی نے جب ان کے علم وفضل اور وجاہت کو دیکھا تو اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دے دی، اس کے بعد آپ پورب کے کسی علاقے میں قیام

[1] حضرت شیخ رفیع الدین محمد جناب شیخ عبد الرحیم والد گرامی شاہ ولی اللہ محدث کے نانا اور شیخ وجیہ الدین کے خسر تھے۔

www.maktabah.org

پذیر ہو گئے' اس زوجہ سے تین فرزند ہوئے۔ آخری عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جون پور میں رہائش اختیار کی اور یہیں رحلت فرمائی' آپ کا مزار مبارک اسی شہر میں واقع ہے' جو زیارت گاہِ خلائق اور مرکزِ برکات ہے۔

شیخ حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ طاہر کے بڑے صاحبزادے شیخ حسن تھے' جنہوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام کتبِ متداولہ سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ بچپن ہی سے آپ میں طلبِ معرفت اور عقیدت اولیاء کے آثار نمایاں تھے۔ جن دنوں سید حامد راجی شاہ کی عظمت کا شہرہ عام تھا' شیخ حسن آزمائش و امتحان کی غرض سے سیّد صاحب کی ملاقات کو گئے تو سید صاحب کی پہلی نگاہ ہی نے آپ کو اپنے دائرۂ ارادت کی طرف کھینچ لیا۔ سید صاحب اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے اور شیخ حسام الدین مانک پُوری کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ آپ شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے۔ شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہو گزرے ہیں' وہ صاحبِ عشق و محبت' ذوق و شوق' تصرف و کرامات اور ریاضات و مجاہدات تھے۔ یہ اپنے والد شیخ علاء الحق ابن سعد کے خلیفہ تھے جو کہ علومِ ظاہر و باطن کے جامع' مرجع عوام و خواص اور پورب و بنگال کے معروف ترین بزرگوں میں سے تھے۔ شیخ علاء الحق ابن سعد شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ تھے جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفاء میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ شارح ہدایہ شیخ اللہ داد اور دیگر نامور علماء جو شیخ حسن کے ہم درس اور ان کے ہم پیالہ و نوالہ تھے' نے سید حامد راجی سے آپ کی بیعت پر حیرانگی و تعجب کا اظہار کیا کیونکہ سید صاحب علوم ظاہری سے پوری طرح بہرہ ور نہ تھے۔ شیخ حسن نے ان سے کہا کہ اہل علم کی ایک جماعت سیّد صاحب کی خدمت میں جا کر ان سے ہر قسم کے اشکالات کے بارے میں سوال کرے' اگر صحیح جواب ملے تو عقیدت کے ساتھ ان سے بیعت ہو جائے ورنہ جیسے اُن کی مرضی' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' ان میں سے بعض کے اشکال تو راستے ہی میں حل ہو گئے اور بعض لوگوں کے اعتراضات سیّد صاحب کے جمال پُرانوار پر نگاہ پڑتے ہی کافور ہو گئے اور باقی حضرات کے مسائل آپ کی حکمت آمیز اور

www.maktabah.org

پُراسرار گفتگو سے حل ہو گئے۔ الغرض سب کے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے' کچھ عرصے تک شیخ حسن اس سرزمین میں طالبان معرفت کی تعلیم وارشاد کا منصب سنبھالے رہے اور اس کے بعد سلطان سکندر جو کہ سلاطین دہلی کے انتہائی انصاف پسند بادشاہوں میں سے تھے' کی درخواست پر دہلی تشریف لائے' یہاں آپ نے بجے منڈل کے محل میں رہائش اختیار کی اور یہیں پر ہی جان جان آفریں کے سپرد کی اور آپ کا مزار بھی اسی جگہ ہے' کہا جاتا ہے: فتح خاں پسر سلطان سکندر شیخ کے معتقد تھے' اس کے دل میں اچانک بغاوت کا خیال پیدا ہوا اور امرائے مملکت اس سے اس سلسلے میں متفق ہو گئے۔ جب اس نے شیخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور امن کی بشارت دی' چنانچہ یہی بات سلطان سکندر کی آپ سے عقیدت کا سبب بنی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ کو خواب میں ان کے بعض کمالات کا علم ہوا' اس طرح اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں رحلت فرمائی' اس وقت آپ کی مجلس میں یہ رباعی پڑھی جا رہی تھی۔ ع

اے ساقی ازاں مے کہ دل ودینِ من است الخ

آپ کی کتاب ''مفتاح الفیض''، علم سلوک میں ان کی یادگار ہے' شیخ کے چار فرزند تھے' جن میں سے دو سے آگے نسل چلی:

(۱) شیخ محمد خیالی (۲) شیخ عبدالعزیز

شیخ محمد خیالی

شیخ محمد خیالی صحیح الحال' پاکیزہ مشرب اور قوی الریاضت تھے۔ آپ اپنے والد گرامی سے بیعت تھے' لیکن بعد میں سلسلۂ قادریہ کی نسبت آپ پر غالب ہو گئی' آپ نے حرم مدینہ منورہ میں سالہا سال تک عبادات وریاضات کے مجاہدے کیے' حاجی عبدالوہاب بخاری جب دُوسری بار زیارتِ حرمین کے لیے تشریف لے گئے تو شیخ محمد خیالی کو یہ خوشخبری سنائی: ''مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزارا ہے' اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ'' انہوں نے کہا: جب تک مجھے بذاتِ خود اس بات کا حکم نہیں ہو گا میں یہاں سے

www.maktabah.org

ہرگز نہیں ہلوں گا' آخر انہیں بھی حکم دے دیا گیا چنانچہ حاجی عبدالوہاب انہیں ہندوستان لے آئے' جہاں بجے منڈل میں وہ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے خلفاء بے شمار ہیں' جو سب کے سب مرتبۂ کمال کو پہنچے' ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جہانی اس علاقے کے مشہور بزرگ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ

آپ دو یا تین برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لیے (جو ابھی صغیر سن تھے)' بطور امانت شیخ قاضی خاں ظفر آبادی کے حوالے کر گئے جو کہ شیخ حسن کے خلیفہ اور استقامت و کرامت' زہد و تجرید اور ریاضت و تاثیر صحبت کے حامل بزرگ تھے' جب شیخ عبدالعزیز نے شعور سنبھالا تو جناب سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوہاب بخاری سے علم حاصل کیا اور حاجی عبدالوہاب سے فصوص کا استفادہ کر کے سلسلۂ سہروردیہ کا خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا' حاجی عبدالوہاب مذکور نے سید راجر قتال سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا جو کہ مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی اور عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے برادر مخدوم جہانیاں اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا اور ان کا سلسلہ معروف ہے' حاجی عبدالوہاب شیخ عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے' اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے اپنے فرزند شیخ عبداللہ کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں وہ امانت یاد دلائے جو شیخ کے والد ان کے سپرد کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود آتا مگر مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں طلب شرط ہے' شیخ عبدالعزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد روانہ ہو گئے' جب وہاں پہنچے تو جو کچھ کپڑے' نقدی اور گھوڑے وغیرہ ساتھ تھے' سب کے سب راہِ خدا میں دے دیئے اور تجرید کے عالم میں مسلسل تین سال تک ریاضات کے دور سے گزر کر ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے' پھر شیخ قاضی خاں کی اجازت سے واپس دہلی آئے اور قواعدِ ارشاد کی بناء ڈالی اور اس دوران فرصت کے لمحات میں سید ابراہیم ایرچی سے علوم تصوف کا استفادہ کر کے خرقہ قادریہ بھی حاصل کیا' سید ابراہیم ایرچی تمام فنونِ علم میں درجہ کمال رکھتے تھے اور کئی خانوادوں کی برکات کے جامع تھے' مگر نسبت قادریہ ان پر غالب تھی اور سلسلۂ قادریہ میں انہیں شیخ بہاء الدین قادری سے خلافت

www.maktabah.org

حاصل تھی۔

الغرض شیخ عبدالعزیز کی زندگی مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی' انہوں نے جن چیزوں کو بچپن سے خود پر لازم ٹھہرایا انہیں آخری سانس تک قضاء نہ کیا' اسلاف کے طور طریقوں کی اتباع میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ آداب مشائخ کی حفاظت اور حاجت مندوں کی اعانت کے سلسلے میں بہت سعی فرماتے تھے' تواضع' انکسار' شگفتگی طبع' علم' بردباری' صبر' رضا وتسلیم الغرض تمام اخلاقِ محمودہ میں مشائخ چشت کا مثالی پیکر تھے۔ آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رُوح پرواز ہوتے وقت زبان پر یہ آیت کریمہ تھی: ''فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون''۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعے میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے سلسلۂ قادریہ لکھا ہوا دیکھا جسے تبرکاً من وعن نقل کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں راہِ ہدایت دکھائی اور حق کی اتباع پر مامور فرمایا اور درود وسلام ہوں اس کے نبی علیہ السلام اور ان کی صاحب ولایت وارشاد آل پر اور درود وسلام ہوں ان کے مکرم اور صاحب مجد وکمال اصحاب پر۔

یہ بندۂ ناچیز خاکپائے خدام اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے عیوب کی ستر پوشی کرے اور اس کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہوں کہ برادر محترم ومکرم' عالم باعمل' فخر فضلاء وکاملین' مایۂ اولیاء اور نمونۂ اصفیاء شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی اللہ تعالیٰ اسے بندگانِ مقبول بارگاہ میں سے بنائے اور اسے نگاہِ انتخاب سے نوازے' ان کے خلوص محبت اور کمالِ معرفت کی بناء پر جب ہم نے ان کے ہاں شرفِ حضوری اور صحبت پائی اور جب ہمارے ساتھ ان کا تعلق اور جذبۂ محبت پوری طرح استوار ہو گیا تو ہم نے ان کے ساتھ اخوتِ دینی کا ناطہ باندھا اور میں نے انہیں خرقۂ مشائخ پہنایا' جبکہ یہ خرقۂ خلافت میں نے بطورِ ارشاد' وکالت' نیابت اور اجازت اپنے شیخ ومرشد مخدومی وسیدی سید السادات' سرچشمہ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر ابن مرتضیٰ الحسنی القادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے اپنے شیخ ومرشد ابوالبرکات بہاء الملۃ والدین ابراہیم الانصاری

www.maktabah.org

القادری سے اور انہوں نے اپنے شیخ السید قطب عصر ابو العباس احمد بن حسن الجیلی المغربی الشافعی سے اور انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار سید حسن سے' انہوں نے اپنے والدِ گرامی سیّد موسیٰ سے' انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار سید علی سے' انہوں نے اپنے والد ماجد سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد صلو احمد سے' انہوں نے اپنے والد سید محی الدین ابونصر سے' انہوں نے اپنے والد سید ابو صالح سے' انہوں نے اپنے والد عبد الرزاق سے' انہوں نے اپنے والد گرامی قطب ربانی غوثِ صمدانی محی الملۃ والدین ابو محمد عبد القادر الحسنی والحسینی الجیلانی سے' انہوں نے اپنے شیخ ابو سعید علی الحرمی سے' انہوں نے شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنکاری سے' انہوں نے اپنے شیخ ابو الفرح یوسف الطرطوسی سے' انہوں نے اپنے شیخ عبد الواحد بن عبد العزیز الیمنی سے' انہوں نے ابو بکر شبلی سے' انہوں نے اپنے شیخ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمہ اللہ سے' انہوں نے شیخ سری سقطی سے' انہوں نے شیخ معروف کرخی سے' انہوں نے ابو سلیمان داؤد ابن نصر الطائن سے' انہوں نے امام علی بن موسیٰ رضا سے اور انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے' انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے' انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے' انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے' انہوں نے اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے' انہوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالب سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین سے حاصل کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ادبنی ربی فاحسن تادیبی'' میرے رب نے مجھے سکھایا (یعنی اپنی معرفت کی تعلیم) اور کیا ہی خوب سکھایا۔

شیخ قطب العالم

حضرت شیخ عبد العزیز کے فرزندوں میں شیخ قطب العالم اپنے فضل و کمال' علم و دانش اور جود و سخاء کی بناء پر سب سے ممتاز تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ طریقہ وجد و سماع اور صوفیاء کے تمام احوال و اطوار کے معترض اور منکر تھے' چنانچہ ایک روز شیخ عبد العزیز قدس سرہٗ نے اپنی ایک مجلس میں ان پر توجہ فرمائی تو بے خود ہو گئے' حاضرین نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ضرور صوفیاء کے معتقد ہو جائیں گے اور انکار و اعتراض سے باز آ جائیں گے۔ شیخ نے فرمایا

www.maktabah.org

کہ ابھی اس کا انکار پوری طرح مستحکم ہے اور ابھی تک اس کی طلب کا وقت نہیں آیا' جب شیخ قطب العالم ہوش میں آئے تو حاضرین نے بے ہوشی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے: ایک خواب جیسا سماں تھا' اس کا کیا اعتبار؟ جب شیخ عبدالعزیز واصل بحق ہوئے تو شیخ نجم الحق جوان کے سب سے بڑے خلیفہ تھے' اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت اور پس ماندگان شیخ سے تعزیت کے لیے آئے' جب زیارت سے فارغ ہوئے ارادہ کیا کہ اس جگہ سے باہر نکلیں تو دیکھا کہ شیخ قطب العالم درس دے رہے ہیں' ان کی جانب نظرِ التفات سے دیکھ کر تصرّف کیا اور سوار ہو گئے' ابھی ان کی پالکی تھوڑی دُور نہیں چلی تھی کہ شیخ قطب العالم پر بے قراری واضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی' یہ کیفیت لحہ بن لحہ بڑھنے لگی' یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیادہ پا شیخ نجم الحق کی طرف چل پڑے اور ان سے بیعت ہو گئے اور خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کے طریقۂ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغولیت کے بعد شیخ قطب العالم اکثر ان کی خدمت میں پہنچتے اور فیضِ صحبت جو کہ طریقۂ نقشبندیہ کی بہترین روایت ہے' حاصل کرتے اگرچہ ابتداء میں خواجہ محمد باقی نے شیخ قطب العالم کے آگے زانوئے تلمذتہ کیے اور ان کی خانقاہ میں ایک عرصے تک مجاور بن کر رہے تھے' والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں خواجہ محمد باقی ان کی خانقاہ میں مقیم تھے تو شیخ (قطب العالم) پر نصف شب کے وقت یہ آشکارا ہوا کہ خواجہ محمد باقی کی تعلیم وتلقین کی تکمیل بخارا میں ہوگی' اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ محمد باقی سے فرمایا کہ آپ کو مشائخ بخارا بُلاتے ہیں' آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے' اس وقت خرقہ موجود نہ تھا' صرف تہ بند تھا' وہی عنایت کیا' جسے خواجہ محمد باقی نے دستار کے طور پر سر پر باندھ لیا اور فوراً بخارا کو روانہ ہو پڑے' وہاں آپ حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض وبرکات کی لازوال نعمت حاصل کی۔

شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سب سے بڑے اور صاحب فضل شیخ رفیع الدین محمد تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد

آپ علومِ ظاہری وباطنی کے جامع اور کتب تصوّف کے ماہر تھے اور صوفیاء کے رموز و کنایات کو بیان کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ پہلے پہل اپنے والدِ گرامی قدر سے طریقۂ

www.maktabah.org

چشتیہ قادریہ میں بیعت کی اور شیخ نجم الحق کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرتے رہے' اس کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت اختیار کی اور حضرت خواجہ ہی کی نسبت ان پر غالب آ گئی' حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رفیع الدین محمد کے ساتھ خواجہ محمد باقی بے حد مہربان تھے' جو کچھ عرض کرتے خواجہ محمد باقی اسے ضرور مان لیتے تھے' اس لیے حضرت خواجہ کے احباب حضرت شیخ رفیع الدین محمد کو خواجہ کا معشوق کہتے تھے۔

نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب شیخ رفیع الدین کی زوجہ انتقال کر گئیں تو انہوں نے چاہا کہ شیخ محمد عارف بن شیخ غفور اعظم پوری کی دختر سے نکاح کریں' چنانچہ انہوں نے حضرت خواجہ سے مجلس عقد میں تشریف آوری کی درخواست کی' حضرت خواجہ نے ضعف کا عذر ظاہر کیا' شیخ نے کہا: اگر حضرت خواجہ اس مجلس میں قدم رنجہ نہیں فرمائیں گے تو میں بھی اس میں نہیں جاؤں گا' حضرت خواجہ محمد باقی کو مجبوراً اعظم پور جانا پڑا۔ جب وہاں کے صوفیاء نے آپ کی آمد کا سنا تو اطراف و جوانب کے سو فی صد صوفیائے کرام اس مجلس میں حاضر ہوئے اور ایسی عجیب محفل بپا ہوئی کہ ویسی کبھی سُنی نہ گئی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم) کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

مقام خواجہ محمد باقی باللہ

مزید آپ نے فرمایا کہ شیخ بزرگوار شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ سے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کی نسبت ایک ناگوار بات سرزد ہوئی' کہنے والے نے وہ بات جوں کی توں حضرت خواجہ کی خدمت میں بیان کر ڈالی' یہ سنتے ہی اُن کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور غصے کے عالم میں ایک قریب پڑی ہوئی ڈور اٹھائی اور قوت کے ساتھ اس میں گرہ لگا دی' شیخ رفیع الدین جو حضرت خواجہ کے مزاج شناس تھے نے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا' چند روز بعد شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ شدید قبض میں مبتلا ہو گئے اور اس کا سبب تلاش کرنے میں پڑ گئے' جب اصل حقیقت واضح ہوئی تو دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ کے احباب سے اس بارے میں سفارش کی درخواست کی' ان میں سے کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا اور انہوں نے کہا: ہم مرضی خواجہ کے خلاف کسی سفارش کی جرأت نہیں کر سکتے' البتہ حضرت خواجہ کے

www.maktabah.org

محبوب جو چاہیں، کر سکتے ہیں۔ یہ سُن کر شیخ احمد نے شیخ رفیع الدین کی طرف رجوع کیا، شیخ رفیع الدین نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت ولعل کے بعد اُن کی نفرت وغضب کو دُور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: کیا کروں؟ وہ دھاگہ ہی گم ہو گیا ہے، شیخ رفیع الدین نے اسی لمحے وہی دھاگہ پیش خدمت کر دیا، حضرت خواجہ نے اس کی گرہ کھولی تو اسی وقت شیخ احمد کی قبض بسط سے بدل گئی اور گوہرِ مقصود دامن میں آ پڑا۔

والد ماجد (شاہ عبد الرحیم) فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاری جو اپنے وقت کے بڑے امراء میں سے ہونے کے باوجود جامع شرافت ونجابت اور معتقد صوفیاء تھے، نے ایک عمارت بنوائی۔ یہ عمارت ان کی مشہور سرائے تھی یا کوئی اور، اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس عمارت کی تعمیر سے فراغت کے بعد انہوں نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور شہر کے مشائخ کو دعوت دی، شیخ رفیع الدین محمد بھی اس ضیافت میں موجود تھے، جب نغمۂ سرود کی لَے چھڑی تو اہل مجلس میں سے ایک شخص کا حال متغیر ہوا، مستی کے عالم میں نعرے لگانے لگا، وہ رقص بھی کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے حزن واندوہ بھی ظاہر تھا۔ تمام حاضرینِ مجلس آداب سماع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تواضع کے لیے اُٹھے مگر شیخ رفیع الدین اپنی جگہ سے نہ ہلے، بعض لوگوں نے شیخ کے نہ اُٹھنے پر اعتراض کی زبان کھولی اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے آدابِ طریقت کی خلاف ورزی کی ہے، شیخ فرید بخاری نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے پوچھا کہ آپ صاحبِ وجد کی تعظیم کے لیے کیوں نہیں اُٹھے؟ شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ آپ وجد کرنے والے شخص سے اس کے وجد ورقص کا سبب دریافت کر لیجئے میرے نہ اٹھنے کی حکمت آپ کو خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔ شیخ فرید نے اس شخص کو قریب بلا کر وجد ونعروں کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا: میں اور تو کچھ نہیں جانتا البتہ دو تین روز ہوئے ہیں کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے، اس کی جدائی کا غم وحزن میرے دل میں مضمر تھا، جب یہ حُزنیہ نغمے شروع ہوئے تو غم واندوہ بلا اختیار وجد ورقص کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس پر شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ ایک ایسے شیخ کی تعظیم کے لیے اٹھنا جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو، مشائخ نے کہاں فرمایا ہے؟ یہ سن کر معترض حضرات

www.maktabah.org

بہت نادم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے امراء میں سے خانِ عالم جو شیخ رفیع الدین کے معتقد تھے' ایک دفعہ ان کے گھر سے متصل باغ میں ایک درویش وضع شیخ وارد ہوا۔ یہ فقیر بظاہر دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے تعلق نظر آتا تھا' بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول نکلتا تھا' خانِ عالم چند ہی دنوں میں اس کا بہت معتقد ہو گیا۔ اتفاق سے ایک دن شیخ رفیع الدین محمد کا گزر اس باغ سے ہوا۔ آپ نے اس فقیر کو دیکھا اور خانِ عالم سے فرمایا کہ یہ تو کالا ناگ ہے' اس سے بچ کے رہو۔ خان عالم نے خیال کیا کہ شیخ نے شاید یہ بات حسد کے طور پر کہی ہے' چنانچہ اس نے شیخ کی یہ بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر مقرر کیا' چونکہ اس سفر کے لیے خان عالم کو رقم کی ضرورت تھی جو کہ ان کے پاس موجود نہ تھی' چنانچہ خان عالم اس وجہ سے متردّد اور پریشان ہوئے۔ اس فقیر نے ان سے اس پریشان خاطری کا سبب پوچھا' جب اسے پُوری بات بتائی گئی تو اس نے تسلّی آمیز لہجے میں کہا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے' میں اکسیر بنانا جانتا ہوں اس پر اتنی رقم خرچ ہو گی' خان عالم اس کے دھوکے میں آ گئے اور ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ کی خطیر رقم اس کے سامنے ڈال دی تا کہ وہ اس سے اکسیر کے لیے ضروری سامان منگوائے۔ اس فقیر نے عجیب عجیب حیلے شروع کر دیئے اور تمام روپیہ برباد کر کے ایک دن خود بھی روپوش ہو گیا' بہت جستجو کی گئی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا' خان عالم بھی اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر چپ ہو رہے' اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا متبنّٰی تھا ایک برہمن کو دیکھا' جس نے ڈاڑھی' مونچھ منڈائی ہوئی تھی اور سنسکرت زبان میں گفتگو کرتا تھا' اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی ٹھگ ہے۔ حافظ محمد حسن نے اسے طرح طرح کی سزائیں دیں تو آخر کار اس نے دھوکہ دہی کا اقرار کر لیا اس سے کچھ مال برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔

حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ خانِ عالم نے خواب میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے بیعت کی چونکہ خانِ عالم مصوّری بھی جانتے تھے' علی الصباح اُٹھے' ایک صفحے پر اس بزرگ کی تصویر بنا کر اسے حضرت خواجہ محمد باقی کی

www.maktabah.org

خدمت میں ارسال کر دیا اور اس خواب کی تعبیر بھی پوچھی' حضرت خواجہ نے کہلا بھیجا کہ میں اس بزرگ کو اچھی طرح جانتا ہوں' اس سے آپ کا بیعت کر لینا مناسب ہے اور شیخ رفیع الدین کی طرف اشارہ فرمایا' شیخ رفیع الدین سے خان عالم کی بیعت اور روحانی تعلق کا سبب ظاہری طور پر یہی واقعہ بنا' سننے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رہزنوں کے ایک گروہ نے شیخ رفیع الدین کے گھر کو لوٹنا چاہا۔ یہ ارادہ کر کے وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے میں سے ایک کو آگے بھیجا تا کہ آنے جانے کا راستہ دیکھ لے اور اہل خانہ کی حالت کے بارے میں بھی اطلاع دے' جب یہ جاسوس شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا اور ادھر اُدھر پاؤں مارنے لگا' جس کی وجہ سے اہل خانہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے چراغ کی روشنی میں ساری حقیقت حال معلوم کر لی۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے اس چور کو کچھ نہ کہا اور صرف یہ فرمایا کہ چلے جاؤ۔ چور نے جواب دیا: کیسے چلوں' بینائی تو ہے نہیں اور نہ ہی چلنے کی طاقت ہے۔ شیخ اس کے قریب آئے اور اپنا عصا اس کے گھٹنوں اور آنکھوں پر لگایا' یہاں تک کہ ان کے عصا کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نجات پا کر اپنے گروہ سے آملا اور کہنے لگا: تمہارے برعکس یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ تمام ڈاکو پشیمان ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی شیخ کے دولت کدے کا رُخ نہ کیا' حالانکہ شیخ کا مکان آبادیِ شہر سے الگ واقع تھا اور اس کی عمارت بھی پختہ نہ تھی' پھر آپ کی دولت مندی اور امارت کے قصے بھی مشہور تھے اور پہرے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

www.maktabah.org

قدوۃ العارفین حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ العزیز کے مختصر حالاتِ زندگی اور کرامات کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے اپنے اولیاء کو مختلف نشانیوں کے ذریعے عزت بخشی اور اپنے بندوں میں سے مقربین کو فضائل کے ذریعے منتخب فرمالیا، وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین، فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ ''العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ'' کے نام سے موسوم ہیں، میرے جد مادری (نانا) قدوۃ العارفین عمدۃ الواصلین حضرت شیخ محمد پھلتی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز کے احوال و مناقب اور ان کی کرامات پر مشتمل ہیں، واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد کے اجداد پہلے پورب کے ایک شہر سدھور میں مقیم ہوئے اور وہ نسلاً بعد نسلٍ مسند تدریس کو زینت بخشتے رہے، یہاں تک کہ شیخ احمد بن شیخ یوسف سلطان سکندر کی صحبت میں پہنچے اور وہاں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ سلطان سکندر نے انہیں معاش کے لیے بارہہ کے علاقے میں چند مواضعات پیش کیے۔ اسی بناء پر قصبہ پُھلت کو اُن کی مستقل قیام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، کچھ مدت کے بعد ان کی آل اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی، شیخ احمد مذکور کے برادر شیخ محمود کے فرزندوں میں سے دو، شیخ فرید اور شیخ محمد وہیں رہ گئے، مجموعی طور پر شیخ فرید اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر کاربند اور علومِ کسبی و وہبی سے بہرہ ور تھے۔ ان کے تین فرزند ہوئے: شیخ فیروز، شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمٰن، ان تینوں میں سے شیخ ابوالفتح نے عین جوانی کے عالم میں تحصیل علوم کی طرف توجہ کی، انہیں علم سے وافر حصہ ملا۔ اس کے بعد سلوکِ باطن کی طرف اپنی بلند ہمت کو مبذول کیا اور کافی عرصے تک اس دور کے صوفیاء کی صحبت میں رہے۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق آپ شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بھی مستفیض ہوئے، بعدازاں شیخ نظام نارنولی جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ خانوی گوالیری کے خلفاء میں سے تھے، کی

www.maktabah.org

صحبت اختیار کی' یہ صحبت ان کو غایت درجہ راس آئی' برسوں ریاضتیں کیں اور بے پایاں فیوض سے اپنی تشنہ رُوح کو سیراب کیا۔

جب آپ نے سلوک وارشاد کی تکمیل کر لی تو اپنے وطن واپس ہوئے۔ سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود علوم ظاہری زیادہ نہیں جانتے تھے' ان کے گھر میں ان علوم کا فیض شیخ ابوالفتح ہی کے ذریعے پہنچا' حضرت شیخ نے اپنے مرشد کی اولاد کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں پڑھا لکھا کر دانش منداور نامور بنا دیا۔

مزید یہ سنا گیا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے جب شیخ ابوالفتح کو حضرت نظام کی بارگاہ میں دیکھا تو سخت تعجب کے انداز میں کہا: آفتاب ستارے کی پناہ لیے ہوئے ہیں۔ مزید یہ سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز کے خلفاء میں سے شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ پھلت کے باشندے تھے' نے سفرِ آخرت اختیار کرنے سے پہلے یہ وصیّت کی کہ اُن کا جنازہ شیخ ابو الفتح پڑھائیں جب کہ عین اسی وقت حضرت شیخ ابوالفتح نارنول میں تھے' لوگ انتظار میں تھے اور وضو کر رہے تھے کہ اتنے میں شیخ ابوالفتح نہایت تیزی سے پہنچ گئے اور نمازِ جنازہ کے امام بنے۔ نارنول میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ فوری طور پر وطن روانہ ہوئے' گویا ان کے وطن پہنچنے کا واقعہ اسی بات سے متعلق تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں شیوخ (شیخ ہیبت اللہ اور شیخ ابوالفتح) نے آپس میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو بھی پہلے رحلت کرے گا' دوسرا اس کی نمازِ جنازہ پڑھائے گا۔ جب شیخ ہیبت اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور شیخ ابوالفتح نے نارنول کا عزم کیا تو جاتے وقت شیخ ہیبت اللہ نے انہیں اپنا وعدہ یاد دلایا۔ شیخ ابوالفتح نے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو وہ وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پھلت پہنچنے کا سبب دراصل یہی وعدہ تھا۔

مزید سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابوالفتح کا رشتہ خواجہ طیفور کی عفت مآب صاحبزادی کے ساتھ ہونا قرار پایا۔ مجلس نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتح کی حالتِ متغیر ہوگئی اور وجد و رقص کی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے' چونکہ خواجہ طیفور کا مشرب انکارِ سماع تھا' اس لیے اس واقعے کو خواجہ طیفور تک پہنچایا گیا' خواجہ صاحب آئے اور خود آنکھوں سے دیکھا

تو کہنے لگے کہ اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے' جس سے انکار نہیں ہوسکتا اور ایک روایت یہ بھی سُنی گئی ہے کہ جب شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابوالحسن کو بلوایا اور اشارے سے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھو۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ''سبحان ربک رب العزۃ عمّا یصفون'' (الصّٰفّٰت:۱۸۰) پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے کہ آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ شیخ ابوالفتح کا اوراد و وظائف پر مشتمل ایک نہایت لطیف رسالہ آپ کی یادگار ہے' الغرض جب شیخ ابوالفتح کے ایامِ زندگی پورے ہوئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضل ظاہری و باطنی فیوض عام کرنے کے لیے ان کے جانشین ہوئے۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الٰہی' ترکِ دنیا و اہلِ دنیا' تدریسِ علومِ دینیہ اور کتبِ سلوک مثلاً احیاء اور عین العلم کی تحقیق و توضیح اور ان کی اشاعت و عمل میں گزاری۔ آپ آدابِ طریقت میں نہایت خوش مسلک تھے۔ فقیر (شاہ ولی اللہ) نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضل نے اپنی قلم سے حواشی لکھے ہیں' دیکھا ہے۔ اس کتاب کے حواشی کی خوبی ان کی تحقیق و تدقیق پر دلیل ہے۔

سنا گیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو کوئی چیز لانے کو کہا۔ اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی اور باقی شیخ کی خدمت میں پہنچا دی' اسی دوران کہیں بطور نیاز آپ کی خدمت میں حلوہ آ گیا' شیخ اسے تقسیم کرنے لگے' جب اس شخص کی باری آئی تو اسے سب سے کم دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری اس خیانت کا بدلہ ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کی۔

شیخ ابوالکرم

جب شیخ ابوالفضل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالکرم جو کہ پہلے ملازم پیشہ تھے' سجادہ نشینی کے لیے کوشاں ہو گئے اور اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کے ارادہ کیا' اعزہ و اقارب میں سے ایک گروہ ان کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا' جب شیخ مبارک جو کہ شیخ ابوالفضل کے خادم تھے نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ متفکر ہوئے اور حضرت شیخ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ شیخ کی طرف سے سجادہ نشینی کے منصب کی

www.maktabah.org

وضاحت ہو جائے۔ شیخ ابو الفضل نے خواب میں اپنے خادم شیخ مبارک سے فرمایا کہ میرا سجادہ نشین وہی ہوگا جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا۔ شیخ مبارک نے یہ سارا واقعہ حاضرین کو بتا دیا۔ صبح سویرے یہ عجیب اتفاق ہوا کہ تقسیم طعام کا کام اسی درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھا۔ رفتہ رفتہ شیخ ابو الکرم کی جمعیت میں تفریق کے اسباب پیدا ہو گئے اور وہ اس مشکل وقت میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے جو کہ فقراء کا خاصہ ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ شیخ محمد عاقل طالبانِ علم اور فقراء کی رعایت فرماتے تھے اور وظائف و اوراد پر سختی سے کاربند رہنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ آپ جود وسخاء اور ترکِ دنیا میں بہت بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم شیخ محمد تھے۔

حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ

بچپن ہی سے شیخ محمد کی جبین مبارک سے رشد و ہدایت کے آثار ہویدا تھے اور اہل دل بزرگ ان کے ساتھ التفات سے پیش آیا کرتے تھے، چنانچہ شیخ جلال جو شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے اور اس علاقے میں گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی تھی، شیخ محمد عاقل کے ساتھ بہت قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ جب شیخ محمد پیدا ہوئے تو انہوں نے بشارت دی اور بالوضاحت تمام خواص کو یہ خبر دی کہ یہ نومولود بچہ بلند رتبے کا مالک ہے۔ شیخ جلال نے اس بچے کی ولادت پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کا نسخۂ قرآن مجید شیخ محمد کو دیا جائے۔

جب شیخ محمد سنِ شعور کو پہنچے تو تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نارنول میں اور کچھ مخدومی شیخ ابو الرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، بعد ازاں قدوۂ اربابِ کمال سیّدی و والدی شیخ عبد الرحیم قدس سرہٗ کی صحبت میں پہنچے جو انہیں حد درجہ موافق آئی، یہاں انہوں نے علوم کی تکمیل کی، اسی دوران پردۂ غیب سے انہیں راہِ معرفت کی طرف آنے کی دعوت ملی، جسے حضرت شیخ نے مردانہ وار لبیک کہا۔ انہوں نے ان تمام سرچشموں سے استفاضہ کرتے ہوئے سال ہا سال تک معرفت کی طلب میں پوری مستعدی دکھائی اور صوفیاء کے تمام اشغال حاصل کئے، یہاں تک کہ

کان للّٰہ بودۂ درما مضٰی تا کان اللّٰہ لہٗ آمد جزا

www.maktabah.org

''کیا تو ماضی میں اللہ کے لیے تھا کہ اس کے بدلے میں خدا تیرے لیے ہو جائے''
کے مصداق مقامات تکمیل و ارشاد سے دامن بھر کر آپ وطن مالوف کی طرف لوٹے' الغرض آپ کی سیرت یہ تھی کہ جود وسخا' تواضع وانکساری' ترکِ خواہشاتِ نفس' اپنے مرشد کے احترام اور ایامِ طلب وارشاد دونوں حالتوں میں اپنے شیخ کی رضا جوئی' افادۂ ظاہری و باطنی اور تاثیر توجہ میں اپنے تمام خاندان میں صاحب فضیلت تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے بلند مقام کا یہ عالم تھا کہ ہم عصروں کے لیے اُن کے ساتھ برابری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

حضرت شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ تحصیلِ علم کے دوران چونکہ ہمارے شیخ اکثر و بیشتر تجرّد میں مستغرق رہتے تھے اور اس بناء پر ہمارے اسباق تھوڑے تھوڑے ہوا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں قلق پیدا ہوا' انہیں دنوں اتفاقاً میرا گزر شہر کے ایک عالم کے درس سے ہوا تو وہاں کی پابندی درس دیکھ کر میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کچھ ضروری کتابیں اس درس میں پڑھ لینی چاہئیں' جب میں واپس حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو تین لفظ لکھے اور اسے وہیں پھینک کر گھر تشریف لے گئے' میں نے کاغذ کا وہ پرچہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا: ''آج تم کہاں گئے ہوئے تھے کہ میں تمہارے اندر ایک ظلمت دیکھ رہا ہوں''۔ میں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز آیا' پھر اس قسم کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہ گزرا۔

اس روز حضرت شیخ (مرشد شیخ محمد) نے اپنے ایک مرید کو کسی صاحب کے گھر ایک بکری پہنچانے کا حکم دیا' جب اس نے بکری کو ہانکنے اور اٹھانے دونوں صورتوں میں دشواری محسوس کی تو اس نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی' مگر اسے کوئی مزدور ہاتھ نہ آیا' اس لیے اس کام میں تاخیر ہوگئی۔ شیخ محمد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بکری کو کاندھے پر اٹھا کر چل پڑے۔ جب شیخ محمد واپس آئے اور حضرت شیخ کو دونوں کے بارے علم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ محمد کو اس کی حُسنِ خدمت نے مقربین کے درجے پر پہنچایا اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبے کے حصول سے باز رکھا۔ شیخ محمد نے فرمایا کہ لگ بھگ آدمی رات کا وقت تھا کہ حضرت شیخ مسجد سے اٹھ کر جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک لمحے کے لیے مراقبے کی صورت میں بیٹھ گئے اور اس وقت مجھ سے فرمانے لگے: اگر کوئی طالب راہ سلوک

www.maktabah.org

تمہاری طرف رجوع کرے تو جو کچھ تمہیں مجھ سے پہنچا ہے' اسے اس کی تلقین کرنا' تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں قدرے توقف میں پڑ گیا اور میرا دل کہ جس میں کبھی اس طرح کا خیال نہیں آیا تھا' اس بات سے گھبرا گیا' حضرت شیخ میرے اس خدشے پر مطلع ہو کر فرمانے لگے: اس وقت خدا تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے نام مجھے الہاماً بتا دیئے ہیں جو تم سے براہِ راست یا بالواسطہ بیعت کریں گے' چاہو تو میں ان میں سے کچھ کے نام تمہیں بتا دوں' یہ جان لو کہ جب کوئی امر خدا تعالیٰ کے ہاں مقدر ہو جائے تو پھر وہ محلِ توقف نہیں ہوتا۔

تاثیرِ صدقہ

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک امیر کو رکاوٹِ پیشاب کا عارضہ لاحق ہو گیا' بہت علاج معالجہ کیا' مگر افاقہ نہ ہوا۔ اسی دوران شیخ بایزید اللہ گو درویشوں کی اللہ اللہ پکارنے والی جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ امیر کے متعلقین ان کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک بیمار ہے' اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ شیخ بایزید اللہ گو اس گھر میں داخل ہوئے' بیمار کی پریشانی دیکھ کر شفقت فرمائی اور خدا کی راہ میں کوئی چیز دینے کے لیے کہا' اس نے کہا: جس قدر فرمائیں؟ آپ نے فرمایا: فی الحال ایک ہزار روپیہ حاضر کرو۔ شیخ دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے اور اپنا پرایا جو بھی سامنے آیا وہ روپیہ ان میں تقسیم فرماتے گئے' یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی تو پوچھا کہ اب مریض کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: ابھی تو ویسے ہی ہے' فرمایا: ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ' وہ لے آئے' وہ بھی تقسیم کر دیا' اور پوچھا کہ اب کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے۔ یہ سُن کر آپ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے خدا! اب کے مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے' اپنے فضل سے اس مریض کو شفا عطا فرما دے۔ اسی وقت مریض کے پیشاب کی رکاوٹ ختم ہو گئی اور وہ شفاء یاب ہو گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ سترہ سال ہوئے ہیں خود کو خود میں نہیں پا رہا اور اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے ؎

اے دوست ترا بہر مکاں می جُستم — وز تو خبرِ ایں و آں می جُستم
دیدم بتو خویش را تو خود من بودی — خجلت زدہ ام کز تو نشاں می جُستم

''اے محبوبِ ازل! تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور ایں واں ہر چیز سے تیری خبریں

پوچھیں۔ جب میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تُو ہی تھا' اس لیے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان پانے کی تلاش میں سرگرداں تھا''

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایک دوست کی صورت میں اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچے کو انگلی سے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: بارِ خدایا! تیری مخلوق ہے تو جہاں چاہے پیدا کرے۔ اس واقعے کے تھوڑے عرصے بعد مخدومی شاہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ جو کہ حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے' پیدا ہوئے۔

حیاتِ شہید

فرمایا کہ میرے اقارب میں سے محمد سخی نامی ایک شخص جو کہ پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گیا تھا' طالب علمی کے دور میں ایک دن میں مسجد جٹو کے ایک حجرے میں تنہا کواڑ بند کیے بیٹھا تھا کہ اچانک وہ عزیز میرے سامنے ظاہر ہوا' اس کے لباس اور ہتھیاروں کی چمک زمین پر پڑ رہی تھی' میں نے کہا: کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ' کہنے لگا کہ جب میں زخم کھاتا تھا تو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی کہ جس کی حلاوت اب بھی میرے دل میں باقی ہے' اس وقت بادشاہ کی فوج فلاں بُت خانے کو توڑنے کی خاطر جا رہی ہے' میں بھی ان کی رفاقت میں جا رہا ہوں' یہاں سے گزر ہوا تو آپ سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

حیاتِ اولیاء

جب حضرت شیخ محمد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت والد بزرگوار (شاہ عبد الرحیم) نے ان کے مزار پر بیٹھ کر حاضرین کو ذکر بالجہر کا حکم دیا۔ اس مجلس ذکر کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محمد کی رُوح نے میرے سامنے ظاہر ہو کر کہا: میں چاہتا تھا کہ اپنے جسم سمیت آپ کے پاس آؤں' کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے مگر یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔

www.maktabah.org

حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ کے تصرفات اور بعض کرامات

صورتِ شیخ کا کرشمہ

آپ کے مرید خاص سید علی بیان کرتے ہیں کہ آغازِ جوانی میں شراب نوشی کا مرتکب تھا اور کسی بھی بُرے فعل سے احتراز نہیں کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے میں ان قبیح اُمور سے باز آ گیا اور تقویٰ و پرہیز گاری میرے دل میں جاگزیں ہوگئی تو میں اس کی صحبت اختیار کروں گا اور اسی سے بیعت کروں گا۔ حضرت شیخ محمد کسی تقریب کے سلسلے میں قریہ سرائے میں تشریف لائے' چونکہ میرے والد ان کے معتقد تھے' اس لیے میں بھی ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: تم کہاں تھے؟ اور کہاں نوکر ہو؟ یہ دو تین لفظ انہوں نے میرے بارے میں ادا فرمائے ہی تھے کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کی کشمش پیدا ہوئی اور تمام بُرے اُمور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی جو لحظہ بڑھتی گئی' یہاں تک کہ میں اٹھا شراب کی تمام بوتلیں توڑ ڈالیں' بُرے افعال کے تمام اسباب ہٹا دیئے' غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور توبہ کر کے آپ سے بیعت ہوگیا اور باقاعدگی سے آپ کی صحبت میں شامل ہونے لگا' کچھ عرصہ بعد مجھے سفرِ کابل کا اتفاق ہوا تو میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ وقت آپ کی صحبت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتا مگر کیا کروں کہ قسمت کابل کی طرف کھینچے لے جاتی ہے۔ اس پر آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا

گر در یمنی چو با منی پیش منی در پیش منی چو بے منی در یمنی

''چاہے تم یمن میں بھی رہو' لیکن مجھے اپنے ساتھ رکھو تو یہ یُوں ہے جیسے میرے سامنے ہو اور اگر میرے ساتھ بھی رہو مگر میرے تصوّر کے بغیر ہو تو یہ ایسے ہے' جیسے یمن میں ہو''

اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور میں کابل پہنچ گیا' وہاں ایک دن اتفاق سے مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آ گئی اور بدکاری کی خواہش نے مجھ پر پُوری طرح غلبہ پالیا' قریب تھا کہ میری توبہ ٹوٹ جاتی کہ عین اسی وقت حضرت شیخ محمد کی صورت

www.maktabah.org

مبارک میری آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئی۔ آپ کی شکل مبارک دیکھتے ہی مجھ پر سوار شہوت کا بھوت یکدم غائب ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے کابل میں تین چار سال گزارے لیکن اس دوران عورتوں کا خیال تک میرے دل میں پیدا نہ ہوا۔ اس نے مجھے یہ گمان گزرا کہ میں نامرد ہوگیا ہوں' مگر جب وطن واپس آیا اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نامرد نہیں تھا بلکہ یہ عصمت حق تھی (جس کے طفیل میں بدکاری سے محفوظ رہا)۔

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم حضرت شیخ محمد کی خانقاہ میں مقیم تھا' جو حسین شکل و صورت کا مالک تھا' جب وہ نغمہ کی لَے چھیڑتا تو حضرت شیخ بہت خوش ہوتے تھے' ایک رات آپ حد درجہ مسرور تھے کہ عظمت اللہ کو گانے کے لیے فرمایا۔ اس نے تن داری کرتے ہوئے بات سُنی اَن سُنی کر دی' آپ نے اسے دو تین بار طلب فرمایا' مگر اس نے اسی طرح انکار پر اصرار کیا۔ اس پر آپ غضب ناک ہوگئے اور بنظرِ غضب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی حالت میں عجیب وغریب تبدیلی آ گئی' چہرہ زرد پڑ گیا' جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور اسے اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا' چنانچہ اس نے آپ کے خادمِ خاص محمد جعفر سے سفارش کی التجاء کی' جب اس نے حضرت شیخ کے حضور اس کی سفارش کی تو آپ کا غصہ فرو ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کی جس خوش الحانی سے مجھے دلچسپی تھی وہ تو واپس نہیں آئے گی' اس کے بعد وہ واقعۃً اس خوش آوازی سے محروم ہوگیا اور تمام لوگوں کی طبیعتیں اس سے اچاٹ ہوگئیں' بعد ازاں کئی طرح کی برائیوں اور بدعقیدگیوں کا مرتکب ہوگیا اور کہیں امن وسکون نہ پا سکا۔ (العیاذ باللہ)

سلبِ مرض

ایک بار سید برہان بخاری قولنج کے درد میں مبتلا ہوگئے اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے' آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر اس کے مرض کو اس طرح سلب کر لیا کہ اسے فوراً شفائے کاملہ ہوگئی' البتہ کبھی کبھی قولنج کا یہ عارضہ حضرت شیخ کو ہو جاتا تھا۔

www.maktabah.org

تصرّف شیخ

میر عبداللہ جو کہ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے' بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ ایک دفعہ ایک جگہ تشریف لے گئے' میں بھی آپ کے ہمراہ تھا' آپ نے جب واپس آنے کا عزم کیا تو مجھے تیز بخار نے آلیا' یہاں تک کہ ہلنے کی سکت باقی نہ رہی' میرے لیے سواری تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی۔ آخر فرمانے لگے کہ اگر کر سکے تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چل' تجھے ایک عجیب واقعہ دکھائی دے گا' چنانچہ بہت وقت اور محنت کے ساتھ لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور حضرت شیخ کی نظر کے سامنے لے آئے۔ میں نے تکلیف کی شدّت میں قدرے کمی محسوس کی اور آپ کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا' بخار کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگ گئی' یہاں تک کہ میں پوری طرح صحت یاب ہو گیا اور ساری مسافت پیدل طے کی۔

تکثیرِ طعام

قصبہ سنوتہ میں ایک دفعہ آپ کے ایک معتقد نے دعوت کا اہتمام کیا اور صرف پندرہ آدمیوں کا کھانا تیار کرایا۔ ابھی دستر خوان لگا ہی تھا کہ شیخ یعقوب حاکم نلوہہ ایک کثیر جماعت لیے ہوئے آپ کی زیارت کو آیا' میزبان کچھ گھبرا سا گیا' آپ نے فرمایا: فکر کی بات نہیں' اس کی ذمہ داری ہمارے اُوپر ہے' اسی وقت حکم دیا کہ بہت ساری پلیٹیں لائی جائیں' سب کو اچھی طرح پُر کیا جائے اور تمام لوگ سیر ہو کر کھانا کھائیں' چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا' اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: بعض اوقات فقرا یُوں بھی کیا کرتے ہیں۔

مَنْ عَادَلِیْ وَلِیًّا فَآذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

شیخ الٰہ بخش جو آپ کے خاندان کا ایک فرد اور باوقار و معتمد انسان تھا' نے ایک دفعہ آپ کی شان میں کوئی نامعقول بات کہی اور گستاخی کی۔ آپ طیش میں آ گئے اور فرمانے لگے: خداوند! اس شخص کا منہ پھر مجھے مت دکھانا اور اسی وقت سوار ہو کر کسی جگہ تشریف لے گئے' وہ اسی دم بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اس پر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا' تیسرے روز جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ دم توڑ چکا تھا' چنانچہ آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

www.maktabah.org

شیخ عبدالوہاب جو حضرت شیخ محمد کا چچازاد بھائی تھا' نے ایک عمارت تعمیر کرائی' اس علاقے کے ایک رئیس رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عدم موجودگی میں اس عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے یہ بات حضرت تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ بہت نامناسب سی بات ہے کہ رستم شیخ عبدالوہاب کی عمارت گرائے اور ہم بھی موجود ہوں' جنگ و جدل تو فقراء کا شیوہ نہیں البتہ میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے گا' چنانچہ جب رستم عمارت گرانے کی خاطر لشکر لے کر باہر نکلا تو سیّد لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک آدمی اس کے ساتھ اس بارے میں متفق نہ ہوا اور اس نے راستے میں ان کے ساتھ تنازعہ شروع کر دیا' نتیجہ یہ نکلا کہ اس عامل کا بھائی مارا گیا' رستم اس میں ماخوذ ہوا اور اسی مواخذے میں ہی مر گیا۔

امدادِ اولیاء

سیّد محمد وارث کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا۔ میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے خیر و عافیت کی خوشخبری دی' اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا' اس حالت میں حضرت شیخ کی جناب میں متوجہ ہوا' فوراً مجھ پر رعشہ طاری ہو گیا اور خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: فلانے! تمہیں کس نے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے مجھے دو لڈّو عنایت فرمائے جو میں نے جیب میں رکھ لیے۔ جب اس غنودگی سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لڈو بدستور میری جیب میں موجود ہیں' چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا۔ تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے اور ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر سکا۔ وہ لڈّو ایک عرصے تک (بطور تبرک) میرے پاس موجود رہے' مگر جب حضرت شیخ اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھا لیے۔

حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک عمر رسیدہ عورت تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئی اور انتہائی کمزور پڑ گئی۔ رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اُوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی' خود اسے اٹھنے کی طاقت نہیں تھی اور پاس کوئی تھا نہیں' چنانچہ حضرت شیخ متمثل ہو کر تشریف لائے' آپ نے اسے پانی پلایا' لحاف اوڑھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

www.maktabah.org

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

جب شاہ عالم اور اعظم ایک دوسرے کے خلاف صف آراء[1] ہوئے تو آپ کے ایک مرید نے عریضہ ارسال کر کے آپ سے استفسار کیا کہ ان دونوں میں سے کون فتح مند ہوگا؟ آپ جس کی فتح اور کامیابی کی تصدیق فرمائیں' میں اسی کا ساتھ دوں۔ آپ نے اسے وضاحت سے لکھ بھیجا کہ فتح شاہ عالم کی ہے' چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

ختم خواجگان

کفار مانکیان نے اپنا ایک جتھہ بنا رکھا تھا جو اکثر اس علاقے کے شہروں کو لوٹا کرتا تھا' بستی والے بہت پریشان ہوئے اور آپ کے حضور دُعا کے لیے درخواست کی' آپ نے فرمایا: اس سے پہلے تو جس چیز کی طرف چاہتا اپنی قوتِ تصرف کو متوجہ کر دیا کرتا تھا' اب تو ہمت و ارادہ باقی نہیں رہا جو کسی چیز سے متعلق ہو' مگر حکمِ خداوندی کے تحت اس کے اسمائے گرامی سے تمسک ضرور کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر آپ ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے اور فراغت کے بعد فرمانے لگے: دعا قبول ہو گئی ہے' حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس قوم کفار کو ہماری طرف آنے سے روک دیا ہے' چند روز گزرے ہی تھے کہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت شیخ محمد جب کسی کے حق میں بنظر قبول التفات فرماتے تو وہ ایک دم عالم غیبت میں پہنچ جاتا اور عجیب وغریب حالات رونما ہوتے۔

تاثیرِ نظر

ایک دفعہ موضع سنبلہیڑہ کے باشندوں نے آپ سے توجہ اور تاثیر کی استدعا کی' آپ نے ایک ہی نظر ڈالی تو سیّد نور علی' سید ملتانی وغیرہ سترہ (۱۷) کے سترہ (۱۷) (حاضرین مجلس) شخص بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ایک مرتبہ قصبہ لاور کے رہنے والے شیخ مانکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: حضور! میں آپ کی توجہ و تاثیر کو آزمانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس پر توجہ فرمائی تو وقتِ اشراق سے لے کر جمعہ تک بے ہوش پڑا رہا' جب اسے جھنجھوڑا گیا تو وہ مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو اس سے اس کی حالت کے

---

[1] اورنگ زیب عالمگیر کے ان فرزندوں کے درمیان ۱۱۱۹ھ میں اکبر آباد میں جنگ ہوئی۔

www.KitaboSunnat.com

بارے میں پوچھا گیا' اس نے کہا کہ اگر ایک ساعت حضرت شیخ مزید توجہ فرماتے تو میری رُوح بدن سے پرواز کر جاتی۔

سید عبدالرحیم اور سید ہاشم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت وصحبت کا ناطہ جوڑا' آپ کی صحبت کی تاثیر کی وجہ سے دونوں میں عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

کشفِ قبور

سیّد عبدالرحیم کو کشفِ قلوب اور کشفِ قبور حاصل ہوا' جس قبر پر جاتے اس کی حقیقت بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار کھاتولی کے قریب کہنے لگے: مجھے ایک شعلہ نظر آتا ہے جو زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ جب ایک قبر کے نزدیک پہنچے تو فرمایا کہ شعلہ اس قبر سے نکل رہا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحبِ قبر زندگی میں ظلم اور بدکاری میں مبتلا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی شخص سامنے سے گزرا تو سیّد عبدالرحیم فوراً اس کے دل کا حال بیان کر دیا کرتے تھے' رفتہ رفتہ سیّد عبدالرحیم پر جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے اور مجذوبوں کی سی حالت ہوگئی۔ ان کی والدہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں فریاد وزاری کی تو آپ نے فرمایا: اُسے کچھ عرصے کے لیے میری صحبت میں حاضر رہنا چاہیے' کچھ وقت تک اسے صرف شیخ کی نگرانی میں رکھا گیا تو اُن کی حالت معمول پر آ گئی۔

سید ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ جو آسیب زدہ بھی ان کے سامنے لایا جاتا۔ ان کا سامنا کرتے ہی جن بھوت فوراً فرار ہو جاتا۔ اس طرح ایک عالم آپ کے کرشمۂ نظر کے نتیجے میں آسیب جنّات سے چھٹکارا حاصل کرتا تھا' رفتہ رفتہ ان پر بھی حالتِ جذب طاری ہوگئی' سارا دن صحراو بیابان میں گھومتے رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ ایک ہندو جوگی کے تکیے پر پہنچے' اس نے ایسا جادو کیا کہ تالاب کے کنارے پر سنگریزوں سے خشک کھالوں کی رگڑ کی آواز سنائی دینے لگی' آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد بھینسے کی شکل میں ایک خوفناک دیو ظاہر ہوا' جس نے سیّد ہاشم پر حملہ کر دیا' مگر آپ عالم مستی میں حق حق کا نعرہ لگاتے ہوئے جو اس کی طرف پلٹے تو ایک ہی ساعت میں اسے راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا' جب ہندو جوگی نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً مسلمان ہوگیا۔

www.maktabah.org

ایک دفعہ عبد السبحان نامی شخص حضرت شیخ محمد کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے تصرف فرمایا تو اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی' جس کے نتیجے میں وہ دیوانہ وار گلی کوچوں میں گشت کرتا ہوا ہر چیز کو خدا کہنے لگا اور ہر قسم کے شرعی و عرفی آداب سے بے نیاز ہو گیا۔ لوگ اس بات سے تنگ آ گئے اور اس کو دوبارہ شیخ کی خدمت میں لے آئے' آپ نے اس کی اس ساری کیفیت کو سلب فرمالیا اور وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔

کشفِ غیوب

سید عنایت اللہ ساکن سنبلہیڑہ کو حضرت شیخ کی توجہ سے قلیل مدت میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سید صاحب بیمار پڑ گئے اور حضرت شیخ ان کی عیادت کو گئے' سیّد صاحب پر شیخ کے سوار ہونے کے وقت سے لے کر گھر پہنچنے تک کے تمام حالات اس طرح منکشف ہو گئے' جیسے چشمِ ظاہر سے دیکھ رہے ہیں' شیخ ادھر سوار ہوئے' اِدھر انہوں نے کہا کہ اب سوار ہوئے ہیں' پھر کہا: اب فلاں جگہ پہنچے ہیں' اب شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ دوستو! اٹھو' شیخ کے استقبال کے لیے نکلو' پھر کہا: اب میرے دروازے پر تشریف لے آئے ہیں' اس لیے مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔

مثال وحدۃ الوجود

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں عجیب و غریب غیبت حاصل ہوئی' لوگوں کے شور و شغب کا کوئی احساس نہیں کرتے تھے کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا۔ کسی نے ان سے توحید کی مثال پوچھی' کہنے لگے: جس طرح ایک مٹکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ذرّے میں سرایت کر جاتا ہے اسی طرح ذات وحدہٗ لاشریک کائنات کے ہر ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

نگاہِ ولی

محمد محسن حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں آگاہی ذات سے مُشرّف ہو کر ہمہ اوست کی معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ حضرت شیخ نے محمد جعفر کو اس پر مقرر کر دیا کہ محمد محسن سے نماز نہ چھوٹ جائے لیکن تھوڑے عرصے بعد محمد محسن کو اس کیفیت سکر سے قدرے افاقہ ہو گیا' بعد ازاں محمد محسن کی توجہ تھوڑی ہی مدت میں یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک

شخص جو کسی عورت کی محبت میں مبتلا اور دیوانہ وار زار و قطار روتا پھر رہا تھا' اس کے بارے میں بعض دوستوں نے آپ سے کہا کہ افسوس ہے کہ ایسا مرد ہاتھ سے جا رہا ہے' اس پر محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بُلایا اور ایک دو لمحے اس پر توجہ ڈالی تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل زائل ہوگئی اور اس کی جگہ محبت الٰہی نے گھر کر لیا۔

عبد الہادی نامی ایک شخص جو کہ سماع اور وجد کا منکر تھا' آپ کی خانقاہ میں وارد ہوا۔ اتفاقاً اسی روز آپ ایک مجلسِ سماع میں مدعو تھے' راستے میں اس سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا: کبھی تو نے وجد بھی کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو؟ تو اس نے تعجب کا اظہار کیا' سماع کے دوران آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر اپنا تصرف کیا تو وہ شخص مستانہ حرکتیں کرنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مسلسل دو روز اسی طرح بے خود رہا۔

جہاں آباد کا رہنے والا نھو نامی ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ ایسا بے خود ہوا کہ جو بھی اس وقت اس پر نظر ڈالتا' اس پر بھی بے خودی کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ محمد پھلتی کے تصرفات اور باطنی توجّہات حد و شمار سے باہر ہیں ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت شیخ محمد ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوئے' رضی اللہ عنہ وارضاہ والحقنا بہ۔

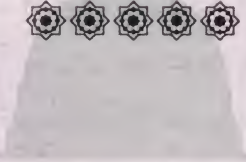

www.maktabah.org

حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ ومشائخِ حرمین کے مختصر حالات

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود وسلام ہوں، ہمارے آقا سید الکونین محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں ''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حرمین شریفین کے بعض ان مشائخِ صوفیاء اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں، جن سے اس فقیر کو سلسلۂ خرقہ صوفیاء اور اسنادِ حدیث پہنچی ہیں، جزاھم اللّٰہ تعالٰی عنی خیر الجزاء.

شیخ احمد شناوی رحمہ اللہ تعالٰی

آپ علی بن عبد القدوس بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہوگزرے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علومِ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ علمِ حدیث شمس رملی اپنے والد بزرگوار سیّد غفنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقۂ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر اُن کے خلیفہ بنے۔ کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انہوں نے کہا: ''لو کان الشعراوی حیاً ما وسعه الا اتباعی'' (یعنی اگر شعراوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ ''عهدنا بحفظٍ وان لم یحفظ''۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ

www.maktabah.org

متاخرین اہلِ حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے' یعنی جب بھی مشائخ صوفیاء کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے زندہ ہوں یا گزشتہ' کی برکات اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ ''لا یدخل النار من رانی ورای من رانی الی یوم القیامة'' (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا' یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا' حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا۔ ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہودِ وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان اُلجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا' نشانہ چُوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا' آپ بہت خوش ہوئے اور کہا: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لیے دونوں باتیں جمع کر دیں۔ شیخ احمد قشاشی رحمہ اللہ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ اس کا کوئی تضاد نہیں' اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیض خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے' لہٰذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بُجھ جاتی ہے اور حکمِ شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت' کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رُکاوٹ نہ بنے۔

چُوں کہ بیرنگی اسیرِ رنگ شد موسوی با عیسوی در جنگ شد

''چونکہ بے رنگی نے رنگ کا رُوپ اختیار کر لیا' اس لیے مُوسوی عیسوی کے خلاف میدانِ جنگ میں کُود پڑا''

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

www.maktabah.org

شیخ احمد قشاشی رحمہ اللہ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبد النبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ ''دجانہ'' (بتخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبے کے نہایت بزرگ باشندے تھے' شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں' شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اُجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ نبی ﷺ پر درود وصلوٰۃ پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے سامان کو کہتے ہیں مثلاً دواتیں' پُرانے جوتے اور اسی طرح کی دُوسری اشیاء۔ آپ کے والد بزرگوار محمد مدنی بھی عالم اور مردِ صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علمِ حقیقت وشریعت کے امام تھے۔ حقائق معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات واحادیث سے مدلّل ہوتی تھی' کئی مشائخ کی صحبت میں رہے اور خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا' مگر انہیں گوہرِ مقصود شیخ احمد شناوی سے حاصل ہوا۔ اسی لیے انہوں نے خود کو اُن کی طرف منسوب کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ صوفیاء کی تلاش میں سفر اختیار کیا' جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالتِ کشف میں اُن پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں اور اُن کی شرمگاہ سے مادۂ منویہ خارج ہو رہا ہے' جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو اُن کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ شیخ شناوی مرتبۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن اُن سے اکتسابِ فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں' اس کے فوراً بعد وہ حضرت شناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا: ہم اس شخص کو مرحبا کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لیے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی[1]

---

[1] شیخ ابوبکر محی الدین محمد بن علی المعروف ابن عربی و شیخ اکبر ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۱۶۵ھ میں مرسیہ میں پیدا ہوئے' جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے' آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے بنو طے سے تھا۔ آپ ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے' جو اس وقت علم وادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم وتعلّم اور اسلامی فلسفے کے مطالعے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

www.maktabah.org

نے انہیں خرقۂ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیر ان کے نکاح میں دے دی ہے' اس کی تعبیر انہوں نے یہ سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے' کیونکہ شیخ ابن عربی کی ہمشیر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) میں گزارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلادِ مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر' مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بغداد اور حلب گئے' بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے نظریۂ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بناء پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں' حقیقت کائنات' ذات واجب الوجود' مابہ الموجودیت' امر و خلق' انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے' اس میں وہ اپنے اندازِ فکر' قوتِ استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ' مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیاء نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراجِ عقیدت کے طور پر انہیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے' مشائخ صوفیاء کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی رحمہ اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا' جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجدد رحمہ اللہ خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے۔ ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں' پھر حضرت مجدد رحمہ اللہ کا نظریہ وحدت الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی' لیکن بعد میں برصغیر کے متشدد المسلک حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی' حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانش ور اور مبصر گزشتہ پچاس سالہ پروپیگنڈے کی بناء پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹتے ہی نظریۂ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک و کشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود مانے بغیر آخر توحید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

www.maktabah.org

ان کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہوسکتی ہے۔ سید محمد بن علوی نے انہیں لکھا کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے' انہوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علوی نے کہا: میں نے دوسری دفعہ حضور ﷺ کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا: احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اُسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں: جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے: ہمارے لیے کوئی مقام نہیں اس لیے کہ ہم اہلِ یثرب سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یا اھل یثرب لا مقام لکم'' گویا اس سے مقامِ بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین ﷺ کے نقشِ قدم پر کاربند تھے۔

شیخ احمد قشاشی کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے جو کم و بیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلّم رہی ہے' محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصوّرات ویدانت یا دیگر عجمی افکار سے ملتے ہیں' کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں۔ مولانا جامی رحمہ اللہ نے آپ کی تصانیف پانچ سو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی' اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں' آپ کی تصانیف تفسیر' حدیث' سیرت' ادب' متصوفانہ شاعری' علومِ طبعی' ہیئت اور علوم مخفیہ پر مشتمل ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والملکیہ'' سب سے ضخیم اور غالباً آخری تصنیف ہے' جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ''فصوص الحکم'' دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ ''تنزلات'' بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبلِ قاسیون میں زیارت گاہِ خلاق ہے اور زبانِ حال سے یہ پکار رہا ہے ؎

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

(سیّد محمد فاروق قادری)

www.maktabah.org

مجید خواب کی حالت میں حضور ﷺ کو سنایا۔ شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کی کہ ''ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد و محمد ان ثلثۃ'' اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جن میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے متمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشی میرے خدشے پر مطلع ہو گئے اور فرمایا: ان میں سے ایک ابوسعید' دوسرا ابوالحسن اور تیسرا ابو طاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد ویسے ہی ہوا جیسا انہوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے میرے دل میں ایک بات کہہ ڈالی' مجھے خیال آیا کہ کاش! یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی۔ شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشی کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشی کی زندگی فقہاء کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق' تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ' نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربی نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قشاشی کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا' خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا' میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا' رحمۃ اللہ علیہ۔

سیّد عبدالرحمٰن ادریسی المحجوب رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ مغرب کے شہر مکناسہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب' مصر' روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت

www.maktabah.org

اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انہوں نے یہ مشہور مقولہ سُن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس' یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غیب قسم کے واقعات اور دلچسپ و رنگین صحبتیں میسّر آئیں' پھر جب مکہ واپس آ گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے اُن سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقۂ صوفیاء بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعی مفتیِ مدینہ سے میں نے سنا انہوں نے اپنے والد جو کہ سیّد محمد کے خادم تھے اور یہ سید محمد' سید عبد الرحمٰن کے معتقد تھے' سے نقل کیا کہ شریفِ مکہ کو کوئی ضرورت پیس آئی' سید عبد الرحمٰن محجوب کی طرف دُعا کے لیے رجوع کیا' سیّد عبد الرحمٰن ایک لمحے تک سر بگریباں رہے' کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلّے میں ایک اس قسم کا گھر ہے' بیت المال کے افسر کو چاہیے کہ جس قدر شریفِ مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے' اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے کہ سیّد صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انہوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں کو مقفّل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے' آپ نے شریفِ مکہ کے حوالے کر دی تا کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ دوسری بار شریفِ مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرّف میں لے آئے مگر گھر کا پتہ ملا نہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سیّد عبد الرحمٰن سے اس معاملے کا راز پوچھا' آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا' اس کا کوئی وارث نہ تھا' میں نے تصرّف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لا کھڑا کیا' وہاں سے جو کچھ تم نے لینا تھا' لے لیا اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سیّد عبد الرحمٰن ایک دفعہ سید احمد بن ملوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیّد احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبد الرحمٰن کے آنے کی خبر دی اور فرمایا: کل ان کا استقبال و تعظیم بجالانا' خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا' بہت تلاش کیا' مگر سیّد صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا' نا امید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں' حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض (بندش لطائف) لاحق ہو گئی۔ مسلسل

چھ ماہ روتے رہے' کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلۂ حج میں آئے تو انہوں نے شیخ ابراہیم کے لیے شیخ قشاشی سے حج پر جانے کی اجازت چاہی' شیخ قشاشی نے اجازت دے دی' جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبد الرحمٰن نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا' جس پر شیخ قشاشی کے قلم سے لکھا ہوا تھا: اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے' اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ڈبو دیں گے۔ اس وقت انہیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیم مکہ پہنچے اور سیّد عبد الرحمٰن محجوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیم پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیم احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لیے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا' اس لیے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیم کی حالتِ قبض رفع ہو گئی' گویا یہ شیخ قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان مصالحت تھی' جسے سیّد ابراہیم نے انجام دیا' سیّد عبد الرحمٰن جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالاتِ ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے' جُود وکرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دستر خوان پر صبح وشام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے' آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں نذر ونیاز پیش ہوتیں' جسے آپ فقراء میں تقسیم فرما دیتے' تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا' جو بھی ایک دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بناء پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانش مند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے' چاہے ایامِ حج میں بھی کیوں نہ ہو' اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے' جو بھی ان کی زیارت کو آتا' استعداد کے مطابق اسے درود' تلاوت' استغفار اور اوراد ایسے نیک اُمور کی تلقین فرماتے اور اسی طرح جس میں استعداد دیکھتے' اسے صوفیاء کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محجوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمیِ شوق کے آثار ظاہر ہونے لگتے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار وتجلیات کا ظہور ہوتا' جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا' شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ

www.maktabah.org

نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے' واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلاء بابلی رحمہ اللہ

آپ حافظِ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے' نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع' ذکاوت اور اخلاق ومحبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب وغیب آثار مشاہدہ کیے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ بار خدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی[1] کی طرح بنا دے' چنانچہ آپ کی یہ دُعا مستجاب ہوگئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیشِ نظر رکھے: پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ گیا ہو' دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو' تیسری کوئی چیز مغلق ہو اور اس کی شرح پیشِ نظر ہو' چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو' اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی اور تفسیرِ مطالب کو راہ نہ دے' پانچویں کسی بات میں خلط مبحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو' چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو' ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے۔ اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا سات وجوہ میں سے ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری' مؤطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ مؤطا' بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد

---

[1] احمد نام' ابوالفضل کنیت اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا' اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کیے۔ اکثر اسلامی بلاد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظہ' ثقاہت' امانت' معرفت اور علوم وفنون میں مہارت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح بخاری' تہذیب التہذیب' لسان المیزان' تعلیق التعلیق' نخبۃ الفکر مشہور ومعروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قاہرہ کے باہر نمازِ جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی کے قریب مدفون ہوئے۔

www.maktabah.org

تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں' جو کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے مصداق ہے: ''نضر الله امرأ سمع منّی الحدیث الخ'' آپ کی شان وعظمت اور جلالت وبزرگی کا عجیب انداز تھا' بادشاہ' اُمراء اور وزراء آپ سے توجہ ودُعا کے طلب گار رہتے تھے اور آپ کے کسی حکم سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے' مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے' پھر الجزائر میں آ گئے اور سجلماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ' مصر اور حرمین کے علماء سے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنالیا۔ آپ نے ''مقالید الاسانید'' کے نام سے ایک معجم[1] بھی تصنیف فرمائی' الغرض وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث وقرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے جو آدمی دیکھنا چاہے کسی ایسے شخص کو کہ جس کی ولایت شک وشبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے اور سید محمد بن علوی نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی۔ انہیں اعمالِ حسنہ' پابندیٔ نماز باجماعت' کثرت طواف اور مداومت صیام وقیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام اُمور میں اعتدال پسند تھے۔ ننگ وناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے' اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا' تاہم سلسلہ شاذلیہ سے باقاعدہ منسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ

[1] حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے موجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ معاجم کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کرنے کے سہرا طبرانی (۳۶۰ھ) کے سر ہے۔

www.maktabah.org

نے مسلک امام ابوحنیفہ کے مطابق ایک مسند[1] بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلۂ حدیث متصل[2] نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلدِ بریں ہوئے۔

محمد بن محمد بن سلیمان مغربی

آپ حافظ حدیث تھے اور علم و ریاست اور دین و دنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابو مدین مغربی سے خرقۂ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخۂ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہلِ حرمین کے استاذ اور متبحر و ثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نسخۂ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدر شناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکّے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا مگر محمد بن سلیمان نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تا کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے' شیخ تاج الدین قلعی کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمان علم روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب و غریب علوم و فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''زادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم'' کے مصداق تھے۔ تدبیرِ معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظّمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا' اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا' واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے' کیونکہ انہوں نے اپنے والد

---

[1] اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو' باعتبار حروف تہجی' بلحاظِ سبقت الاسلام' باعتبار شرافت نسبی' بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مُسند موسیٰ کاظم رحمہ اللہ (۱۸۳ھ) کی ہے' اس کے بعد مسندِ ابوداؤد طیالسی ہے۔

[2] متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بلا واسطہ غیر اپنے شیخ سے بذاتِ خود سُن کر روایت کی ہو۔

www.maktabah.org

سے ان تمام مرویات کی قرأت' سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انہوں نے مؤطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمدللہ

شیخ ابراہیم کردی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی' حدیث اور عربی ادب میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے' ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی' پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے' اس اثناء میں آپ اکثر سیّدی شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے مزار مبارک کو مرکزِ توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا' پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط وتعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردی نے شیخ قشاشی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث روایت کی' ان سے خرقہ پہنا اور اُن کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی' کردی' ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی' تبحرِ علم' زہد' انکساری' صبر اور حلم وحوصلہ ایسے خصائلِ حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں؟ چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبر ان کے پاپوش سے گرد وغبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے۔ شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایامِ حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ اپنے احباب ومعتقدین کے ہمراہ اہل مصر کی ایک جماعت سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے' راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور لہو ولعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سیّد محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا' شیخ نے انہیں ایسا کرنا سے منع کیا' کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا' سیّد محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے' شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے' جب شیخ اور ان کے رفقاء منزلِ

www.maktabah.org

مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغمے کا آغاز اس شعر سے کیا:

ان شرقوا سادتی وان غربوا ویلی وان عاشروا غیرنا ویلاً علی ویلی

یہ شعر قاعدہ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد کے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیم نے سُنا تو اُن کی حالت متغیر ہوگئی اور چہرہ ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سُنی یا ان کی شکل دیکھی وہ رو پڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی۔ سید محمد برزنجی بھی رو پڑے اور ان کے دل سے سیاہی اعتراض دُھل گئی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاد جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء واحباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا' ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی' جس کا قلع قمع کرنے میں مَیں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا: وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا: مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی: ''ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا'' (البقرہ' آیت:۱۱۴) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نامِ خدا لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا۔ فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا' جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھما دیں۔ شیخ نے فرمایا: اگر تقلید کی بات ہے تو میں کسی اور کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے' اس لیے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لیے ضروری نہیں ہوگا اور اگر تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لیے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے۔ چونکہ حضرت شیخ کے احباب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولتِ عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز ہے' اس لیے انہوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا: حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہیے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالہ کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے' وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور حقیقت کھل

www.maktabah.org

کر سامنے آ گئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے' کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہر مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلی حرمین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انہوں نے شیخ ابراہیم سے بھی ملاقات کی' جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا' نے شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: وہ تو ایک بُت ہیں۔ وزیر یہ سُن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذاء پہنچانے کی نیت سے حرمین آنے کا ارادہ کیا' لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا: جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا۔ جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہاء اور صوفیاء کی طرح بڑے بڑے عمامے' لمبی آستینیں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہلِ حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے' جو مختصر سی پگڑی' اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے معتقدین مناظرے اور مذاکرے کے ذریعے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: بہر حال یہ ایسے ایسے ہے' کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی؟ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے' عبداللہ عیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونۂ جنت تھی۔ جب مسائلِ حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیاء بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیاء کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے' لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ آپ کی تاریخِ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے: ''واللہ انا علیٰ فراقک یا ابراھیم لمحزونون'' (۱۰۷۱ھ)۔

شیخ حسن عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ شیخ الحدیث' جامع علوم وفنون اور فصاحت' یادداشت اور تیزیِ فہم کے پیکر تھے۔

www.maktabah.org

آپ اکثر و بیشتر شیخ عیسیٰ مغربی کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء بابلی اور امام و مفتی شوافع شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی، آپ دعوت اسماء کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابوطاہر ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن حنفی تھے، مگر سفر کے دوران ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے۔ آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انہیں حنفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کر دیا کرو تاکہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمی باوجود حنفی ہونے کے تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے ہاں کسی حقیقتِ ممتنعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کیے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

شیخ ابوطاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمی خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں عیب بھی تھا، اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی ﷺ کا اثر تھا کہ ''نضر اللہ عبداً''[1] الحدیث، آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے جس سے علمِ حدیث میں ان کے تبحر کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے: لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو

[1] ''نضر اللہ عبداً سمع مقالتی ووعاہ'' یعنی خدا اس شخص کو شگفتہ رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر لے۔

www.maktabah.org

نصف نہیں کیے جاسکتے۔ گویا خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو۔
آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرد پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے۔ شیخ ابو طاہر آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور قرأتِ حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتبِ حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں: پہلا طریقہ سرد ہے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے دونوں صورتوں میں لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء رجال کے بارے میں کوئی بحث و تمحیص کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب، اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شانِ نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

تیسرا طریق ایمان و تعمق ہے اس کے مطابق ہر ہر لفظ کا مالہٗ وماعلیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمۂ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلامِ شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و استعمال کی جگہوں کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجمی، شیخ احمد قطان اور شیخ ابو طاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریقِ سرد تھا، مگر یہ طریقہ صاحبانِ علم و فضل اور منتہی طلبائے حدیث کے لیے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث اور سلسلۂ روایت کو مکمل کر لیں اور دوسرے مباحث شروح کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروح پر ہی ہے اور مبتدی و درمیانے درجے کے طلبائے حدیث کے

لیے طریقۂ بحث وحل ہے تاکہ وہ علمِ حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروح کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیشِ نظر رکھیں تاکہ بحث وتمحیص کے دوران ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے' اس کا مقصد روایت وتحصیلِ علم نہیں بلکہ علم وفضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے' اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات' تصحیح اسماء' ان کی ثقاہت کی معرفت' خصوصاً صحیحین (بخاری ومسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں' اور ''لیس منّا من فعل کذا'' اور ''فان اللّٰہ قبل وجھہٗ'' اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات' فقہی فروعات' فقہاء کے اختلافات مذاہب' مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق وتدقیق اور گہرائی وگیرائی پر حاوی ہونا چاہیے' مگر اس اُمتِ مرحومہ کے متقدمین علماء ان اُمور میں دل چسپی نہیں رکھتے تھے۔ ہاں فقہاء ومتکلمین اس سلسلے میں غور وخوض کرتے ہیں' لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی' واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا تایا کئی ہوتے ہیں۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اوّل کہ جس کے باعث مُرید دائرۂ بشریت سے نکلا' یا اس نے ظاہری علوم حاصل کیے' کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرۂ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے' کا معاملہ اعمام کا ہے' لہٰذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہیے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترکِ سکونت کر کے طائف میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے: ''لیس بمکۃ من یقرالیہ'' آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

www.maktabah.org

شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ

آپ علومِ ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے' مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید عبدالرحمٰن مجوب' سید محمد رومی' سیّد عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء بابلی' شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہی سے بخاری وموطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا' ابتداء ہی سے علم وعلماء کی محبت کی طرف مائل' اُن کی صحبت میں حاضر' صوفیائے کرام سے عقیدت مندی اوران کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ ہے کہ شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ اعیانِ مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔ شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن نخلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی' جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کے لیے اولیاء اللہ سے دُعا کی درخواست کی اوران سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے۔ وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کو شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنبھلی نے قدرے تأمل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں' بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحبِ فضل اور سعادت مند ہے' یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے۔ جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنبھلی کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچے کو دے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں' جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سُنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا: اپنے مالک سے کہہ دو کہ اُن کا مُدعا پُورا ہو گیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفرِ آخرت کی تیاری کے لیے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد اسی مدت میں اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گئے اور شیخ احمد نخلی نے نوّے سال کی عمر پائی۔ شیخ

www.maktabah.org

عبدالرحمٰن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں مَیں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخلی) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آ گئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز و اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے' والد بزرگوار نے فرمایا: اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو' مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی' جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہوگئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آ ہی پہنچی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریقۂ خلوتیہ میں میرے شیخ' شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تا کہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نمازِ تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے' اوراد و وظائف میں مشغول ہو جائیں' اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردّد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی' اسی تردّد کے عالم میں مَیں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضۂ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نمازِ جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ زیارتِ عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں' مَیں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دستِ مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی' بعد ازاں حضور ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزارِ مقدس کے سرہانے' صف اوّل کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا: یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے' اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقۂ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے

اس طریقے کی اجازت عطا فرمادی ہے۔

شیخ عبداللہ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام دیا' مثلاً مسندِ امام احمد جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید رُوئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا محال ہو جائے۔ آپ نے مصر' عراق' شام اور اطراف واکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزاء کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اُسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کیے اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''ضیاء الساری'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی' جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرد و بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری۔ الغرض آپ واقعۃً اس آخری دور کے حافظ الحدیث تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امتِ مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔

پہلا دور صحابہ و تابعین کا ہے' جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا۔

دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے' ان کے نزدیک ضبط ان اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر' حرکات وسکنات اور نقاط میں احتیاط' ہیئت حروف کی حفاظت' احادیث کا اصول صحیحہ سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔

تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظِ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل وغریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصّل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ ومشکل مقاماتِ حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبطِ حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف وشروح کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان [illegible] میں تساہل سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدماء سختی سے کاربند تھے' چونکہ متوسطین نے

www.maktabah.org

حفظِ حدیث میں سُستی برتی' اور صرف عبارت پر ہی اکتفاء کر لیا' جس کے نتیجے میں طبقاتِ سابقہ کے برعکس ان میں وجادت[1] اور اجازتِ مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج ہو گئیں' حاصل کلام یہ کہ ضبطِ حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں بکمال موجود تھا بلکہ اس سلسلے کی بقاء کا سبب بھی انہی کی ذات بنی' حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم و علماء اور اصلاح وتقویٰ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے' روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے' مگر بڑھاپے میں حسبِ استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس و تدریس' تلاوتِ کلام پاک' نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سُنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تو شیخ عبداللہ' شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک مصالحے سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرۂ کعبۃ اللہ میں دوبار صحیح بخاری ختم کی' پہلی بار مرمتِ کعبہ کے وقت اور دُوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جا رہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح وجمع کے بعد حضور ﷺ کے مزارِ مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپّن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی' جو سب کی سب رضائے الٰہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ' حافظہ اور حواس درست رہے' البتہ قوتِ سماعت میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔ عمر کے آخری حصّے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا' آپ ۴ رجب ۱۱۳۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی رحمہ اللہ

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے' خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا' جنہوں نے آپ کے لیے بے شمار بزرگوں سے خرقہ و اجازت حاصل کی تھی' ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے' آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویہ و

[1] کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو' ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا: ''اوجدت بخط فلاں'' فلاں شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا یا ''قرأت بخط فلاں'' اسے وجادہ کہتے ہیں۔

www.maktabah.org

سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی' شیخ ابو طاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اُن کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۂ تبت تلاوت کی' جب وہ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے: میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سیّد الکونین ﷺ کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں' تاہم یہ اربابِ تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے' مگر ہمارے لیے تو صحابہ و تابعین کا طرزِ عمل ہی کسوٹی ہے' وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر ﷺ کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو نکلتا ہے' کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی سے معقولات' روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی ﷺ پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد دو ماہ سے بھی کم عرصے میں سُنی' ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے' جن سے آپ نے ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹی[1] کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ

---

[1] ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۶۰۸ھ کے شاگرد رشید ہیں۔ آپ کے علمی تبحر اور مسلمہ حیثیت کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبر آباد میں سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی و شروح سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی' حاشیہ شرح عقائد' حاشیہ شرح شمسیہ' تکملہ حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے ؎

خیالات خیالی بس عظیم است برائے حل او عبدالحکیم است (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

www.maktabah.org

شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی[1] کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علمی دنیا میں مشہور اور مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہانِ مغلیہ آپ کے علمی مقام و مرتبے کو ہمیشہ خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شہاباں روڈ پر ہے۔

[1] سرخیل صوفیاء، امام المحدثین، عاشقِ مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالمِ اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے مقامِ محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اُسے حبِ رسول ﷺ کا جاں بخش پیغام دیا۔ آپ ایک مشہور علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور سیکری میں جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ موسیٰ گیلانی (المعروف موسیٰ پاک شہید رحمہ اللہ) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارتِ حرمین کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ بارگاہِ رسالت سے فیوض حاصل کیے۔ ہندوستان کے تمام اکابر و اعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کر کے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادرِ طریقت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ آپ نے حضرت مجدد کے بعض مکشوفات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجدد کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوالِ صوفیاء کے اختلاف تھے، جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار اور احترام کی فضاء میں۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدت مندی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب و آلام میں گھری ہوئی امتِ مسلمہ کو محبتِ نبوی ﷺ اور دامن رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کو نئی زندگی بخش سکتا ہے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے دراصل حضرت محدث ہی کے مشن کو آگے بڑھایا ہے، آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، زاد المتقین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۴۲ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

www.maktabah.org

کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کی کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث وتمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور وفکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے، جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابو طاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرورِ کائنات ﷺ کی انتہائی جامعیت (جامعیتِ کبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تر اضداد وموافقات سموئے ہوئے ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن احوالِ صوفیاء اور ان کی باہمی تردید وتنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا کہ میں صوفیاء کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیاء کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لیے تردید وتنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذلی اس دُنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح وسالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن وتشنیع نہیں کرنی چاہیے، یہاں انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب وصیت فرمائی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب

www.maktabah.org

الوصیت پڑھ کر سنایا' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لیے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابومدین مغربی پر طعن و تشنیع کرتا تھا' جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت و بزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن مَیں نے حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمہیں فلاں شخص سے کیوں بُغض ہے؟ میں نے عرض کی: اس لیے کہ وہ ابومدین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا: رکھتا ہے۔ فرمایا: گویا تمہیں ابومدین سے اس کے بُغض کی بناء پر تو عداوت ہے' لیکن میرے محبّ ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی' اس شخص کے گھر گیا' اُسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابومدین کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کی اس کی بناء پر ابومدین سے عداوت رکھی جاتی' تو میں نے اسے حقیقتِ حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابومدین کے بارے میں طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں اُلفت نبی ﷺ کی برکات جاری و ساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔ جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابوطاہر کی خدمت میں الوداعی سلام کے لیے حاضر ہوا تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسیتُ کل طریق کنت اعرفهٗ الّا طریقاً یؤدینی لربعکم

''میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گیا''

یہ شعر سُنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفی

آپ قاضی عبدالمحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے' کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کیے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی' آپ ابھی کمسن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لیے اجازت حاصل کی' آپ فرماتے تھے

www.maktabah.org

کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا' انہوں نے ختم کے بعد تمام حاضرینِ مجلس کو اجازت دی' جن میں مَیں بھی شامل تھا' آپ نے علمِ حدیث کا اکثر حصّہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری کی خدمت میں مکمل کیا' فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں مَیں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں' صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں' ان کی اجازت بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر اُن سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا' آپ نے شیخ احمد نخلی سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قطّان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے' جن کی صحبت میں سالہا سال رہ کر اُن سے درس کا طریقہ سیکھا' شیخ تاج الدین فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطّان کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبد اللہ مصری اور شیخ احمد نخلی وغیرہ اس پر مُصر ہوئے کہ شیخ احمد کی جگہ حرمِ کعبہ میں مصلّی مالکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں' جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں پڑتی تھی' اس لیے میں اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمی جو اُن دنوں طائف میں مقیم تھے' کی خدمت میں ساری صورت حال لکھ بھیجی' انہوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی۔ آخر کار اس معاملے میں ہر طرح استخارہ و غور و فکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لیے تیار ہو گیا اور مسندِ شیخ قطّان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا' جہاں شیخ نے چھوڑا تھا' ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کُردی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی' حدیث مسلسل[1] بالاوّلیت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدین سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی' جو یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک دفعہ میں سخت بیمار ہو گیا' اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی' اسی حالت میں ایک رات خواب

---

[1] حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کے روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو' خواہ یہ حالت اور صفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں' اس کی کئی اقسام ہیں: مثلاً مسلسل بسمعتُ' مسلسل باخذ اللحیہ' مسلسل فان قیل لفلانٍ۔

www.maktabah.org

میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آ کر کہنے لگا کہ اس مریض کی شفاء کے لیے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تا کہ بیمار اسے کھا کر شفایاب ہو' جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیگچہ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکارتے رہے۔ جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے: میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے' اسے کھا لو۔ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ مرض کا نشان بھی باقی نہ رہا اور صحیح و تندرست ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ حضرت امام بخاری کے اس قدر لطف و کرم سے مجھے جتنی مسرت و شادمانی حاصل ہوئی' وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں' جو ان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے' دو تین روز لگاتار حاضر ہوا' اس دوران ان سے صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کے کچھ حصے' مسند دارمی' امام محمد کی کتاب الآثار اور مؤطا سماعت کیں' حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کی' جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارتِ نبوی ﷺ سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیم سے سماعت کی: ۱۱۴۴ھ۔

www.maktabah.org

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خودنوشت حالاتِ زندگی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم' الحمد للّٰہ الذی بدا بالنعم قبل استحقا قھا وخص من شاء بمعرفۃ الاسماء واذواقھا والصلوٰۃ والسّلام علٰی سیدنا محمد المتحلّٰی بتیجان الکرامات واطواقھا المکرم بصنوف العطیات واطباقھا وعلٰی آلہٖ واصحابہ الذین بھم قیام الملۃ ورواج اسواقھا' اما بعد.

فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (خدا اسے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے) رقم طراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالاتِ زندگی کے بارے میں ''۱۰الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' کے نام سے تحریر کیے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۴شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا ہے کہ میری پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجے میں تھا۔ زہرہ آٹھویں' عطارد اکیسویں' زحل دسویں اور حمل ومشتری پندرھویں درجے میں تھے اور وہ سال علویین کے قران کا سال تھا۔ یہ قران درجہ اوّل میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ''عظیم الدین'' سے نکالی ہے[1] میرے والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صُلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بشارتیں ہوئیں' چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے ''قولِ جلی'' میں بیان کی ہیں' (اللہ اسے اس کی بہترین جزاء

[1] عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہِ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے' اسی لیے شاید تاریخ نکالنے والوں نے یہ دو ماہ شمار نہیں کیے۔ (سید محمد فاروق القادری)

www.maktabah.org

عطا فرمائے اور اسے اور اس کے اسلاف و اخلاف کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے اور اس کے دینی و دنیوی مقاصد پورے فرمائے)۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لیے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا' ختنہ بھی اسی سال ہوا' اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا' اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی' چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سُسرال والوں نے سامانِ شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس' میری اہلیہ کے نانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم' میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ' اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغالِ صوفیاء خصوصاً مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آدابِ طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیاء حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا' اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی' خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علومِ متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کر لی۔ میں نے جملہ علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں: علمِ حدیث میں کتاب البیع سے کتاب الآداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوٰۃ' صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک' شمائل النبی ﷺ مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی)۔ تفسیر میں بیضاوی و مدارک کے کچھ حصے' اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآنِ عظیم کے معانی' شانِ نزول اور کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے

www.maktabah.org

کلامِ قدسی میں تدبّر حاصل کرنے کا موقع ملا' جو میرے لیے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے' فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ' اصولِ فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ' منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ' کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے' سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ' حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی' لوائح' مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص' خواص اسماء و آیات میں' والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انہوں نے چند بار اجازت دی' طب میں موجز القانون' حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ' نحو میں کافیہ اور اس پر شرح مُلّا' معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر مُلّا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ و حساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصولِ علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور و فکر سے کئی اور راہیں سجھا دیتے' میں اپنی عمر کے سترھویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی اور یہ جملہ کہ ''یدہٗ کیدی'' (اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ) دو بار ارشاد فرمایا: میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے' مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی باپ کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ میں نے کسی ایسے والد' استاد یا مرشد کو نہیں دیکھا جو اپنے فرزند' شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو' جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت' رحمت اور نعمت کا انہیں ہزار دو ہزار گنا اجر عطا فرما' بے شک تو قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا درک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے' جذب کا راستہ کھل جاتا' سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا' مذاہبِ اربعہ اور اُن کے

www.maktabah.org

اصولِ فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں' کے مطالعے کے بعد مجھے نورِ بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا' ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورتِ مکہ مکرمہ' زیارتِ مدینہ منورہ شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ حرمین میں سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضۂ اقدس کو مرکزِ توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے' علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابو طاہر سے خرقۂ جامعہ حاصل کیا' جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے' اسی سال کے آخر میں فریضۂ حج ادا کیا' ۱۱۴۵ھ میں عازمِ وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب المرجب صحیح سالم وطن پہنچ گیا'' ''واما بنعمة ربک فحدث'' (اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ''خلعتِ فاتحیہ'' سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا اور مجھے اس طرح رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہِ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں۔ اسی طرح اسرارِ حدیث' مصالح احکام' ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول مقبول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے' ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے' اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین ابن عبد السلام کی کتاب ''قواعد کبریٰ'' دیکھنی چاہیے جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عُشر عشیر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقۂ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے' وہ مجھے الہام کیا گیا' جسے میں نے اپنے دو رسالوں ''لمعات'' اور ''الطاف القدس'' میں قلم بند کر دیا ہے' میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا ہے' حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول

وعرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور اُن کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا اور حکمتِ عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جا سکتی ہے، مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے، اس کے ساتھ مجھے کتاب وسنّت اور آثارِ صحابہ کے ذریعے اس حکمتِ عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کیے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنّت ہے یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں، ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے، اگر میرا ہر بن مو زبان بن جائے تو بھی میں کماحقہٗ اس کا شکر نہیں بجالا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

www.maktabah.org

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ (بخاری)
اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے

السباعیات فی فقہ الحنفی

فقہ حنفی کے مسائل

(مترجم)

مترجمہ

سات کے دائرے میں

سات کے ہندسے کی دینی اور دنیاوی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے مثلاً قرآن پاک کی منزلیں سات ہیں، سورۂ فاتحہ کی آیتیں سات ہیں، زمینیں سات ہیں، آسمان سات ہیں، دنیا کے مشہور عجوبے سات ہیں۔ حضرت مصنف نے فقہ حنفی کی مستند کتب سے مسائل اخذ کر کے سات کے حوالے سے بیان کئے ہیں، مثلاً فرمایا کہ علماء سات ہیں، علم کے دنیاوی فائدے سات ہیں مختصر یہ کہ اس کے اکثر مسائل سات کے گرد گردش کرتے ہیں کتاب مختصر بھی ہے اور مفید بھی۔

تصنیف

امام علامہ ابوالطیب حمدان بن حمدویہ طرسوسی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

مولانا علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی مدظلہ

جامعہ نعیمیہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تفسیر تبیان القرآن کی بارہ جلدوں میں تکمیل کے بعد فرید بک سٹال کی جانب سے باذوق قارئین کی سہولت کیلئے
مفسرِ قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی مبسوط و مفصل تفسیر اور ترجمۂ قرآن کی ایک جلد میں جامع تلخیص

بہ نام

انوارِ تبیان القرآن

ترجمۂ قرآن بہ نام

نور القرآن

تلخیص و مرتب: مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری نورانی زید علمہ

جو اس کام کا آغاز کر چکے ہیں

چند خصوصیات

☆ متنِ قرآن مجید کا سلیس رواں زبان میں مکمل ترجمہ،
☆ قرآنی آیات سے مستنبط فقہی مسائل کا مختصر اور جامع تذکرہ،
☆ عقائدِ اہلِ سنت و جماعت کی تائید اور ترجیح پر جامع دلائل،
☆ مفسرِ قرآن علامہ غلام رسول سعیدی (مدظلہ العالی) کے علمی تحقیقات کا بہترین نچوڑ،
☆ آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں احادیث و آثار کا مستند تذکرہ،
☆ کتب تفاسیر و احادیث کے باضابطہ حوالہ جات،
☆ قرآنِ مجید کے سمجھنے اور سمجھانے میں بہترین معاون اور مددگار،
☆ مدرسین، مقررین، طلبہ اور عوام الناس کی ضرورت کے عین مطابق،
☆ مسرت اور خوشی کے مواقع پر علمی تعاون اور محبت کے اظہار کے لیے خوب صورت تحفہ،

یہ ایک ایسی تفسیر ہوگی جس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت صدیوں تک باقی رہے گی۔ انشاء اللہ العزیز

پیش کش: فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون: 092-42-7312173
فیکس: 092-42-7224899

www.maktabah.org

شرح صحیح مسلم (۷ جلد) اور تفسیر تبیان القرآن (۱۲ جلد) کی عالمگیر مقبولیت اور شاندار پذیرائی کے بعد علامہ غلام رسول سعیدی دامت فیوضہم کا ایک اور

عظیم تخلیقی شاہکار

نعمۃ الباری

بسبدہ

فی

شرح صحیح البخاری

جس کی تصنیف پر کام کا آغاز ہو چکا ہے

چند خصوصیات

- ☆ مروج اُردو زبان میں تمام احادیث کا آسان اور عام فہم ترجمہ۔
- ☆ متقدمین کی شروح کی روشنی میں احادیث کی واضح تشریح۔
- ☆ اُصولِ حدیث کے مطابق احادیث کی فنی تحقیق۔
- ☆ ائمہ اربعہ کی اُمہات کتب سے ان کے مذاہب مع دلائل اور فقہ حنفی کی ترجیح۔
- ☆ اختلافی مسائل پر مہذب علمی گفتگو
- ☆ مسائل حاضرہ اور تازہ ایجادات کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر۔
- ☆ "شرح صحیح مسلم" میں جن احادیث کی مفصل شرح کی جا چکی ہے ان کا حوالہ دے دیا ہے اور اُن کی مختصر شرح کی گئی ہے۔
- ☆ صحیح بخاری کی جن احادیث کی شرح "شرح صحیح مسلم" میں کم کی گئی ہے یا جو احادیث صحیح مسلم میں نہیں ہیں ان کی مفصل شرح کی گئی ہے۔
- ☆ صحیح بخاری کی ہر حدیث کی مفصل تخریج اور باب کے عنوان کی حدیث سے مطابقت واضح کی گئی ہے۔
- ☆ صحیح بخاری کی مکرر احادیث کا صرف ترجمہ کیا گیا ہے اور جہاں اس کی شرح کی گئی ہے اس حدیث کا نمبر دیا گیا ہے۔
- ☆ کتاب کے ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جس میں حجیتِ حدیث اور اصطلاحاتِ حدیث کا مفصل ذکر ہے۔

پیش کش: فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون: 092-42-7312173
فیکس: 092-42-7224899

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

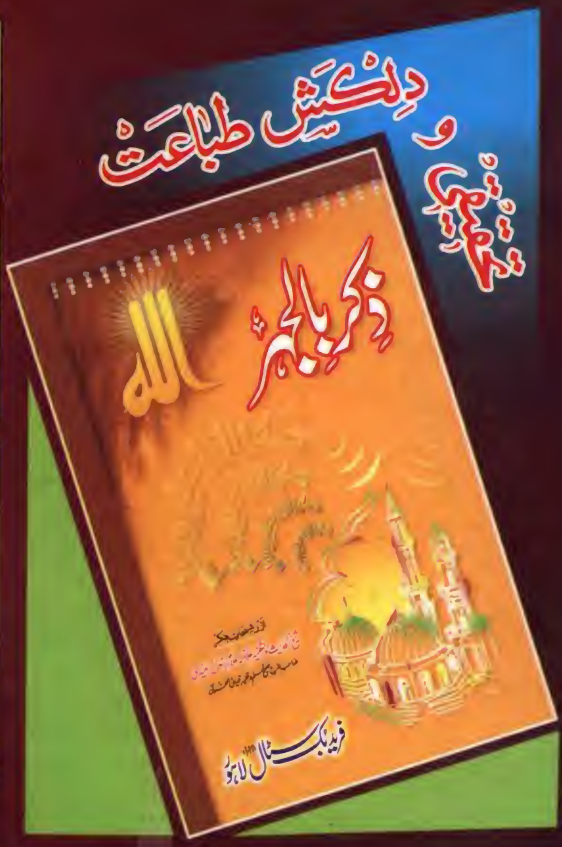

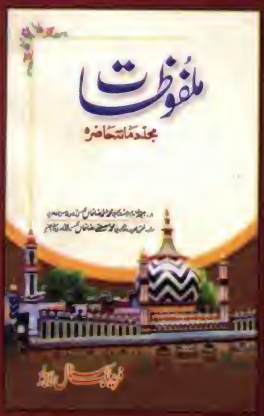

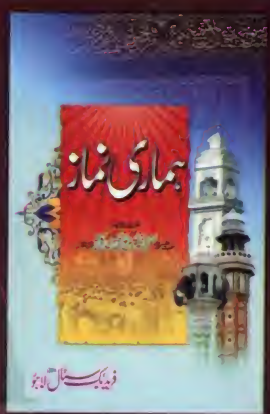

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور
E-mail:info@faridbookstall.com

Maktabah.org

This book has been digitized by www.maktabah.org.

Maktabah.org does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah.org, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.

www.maktabah.org